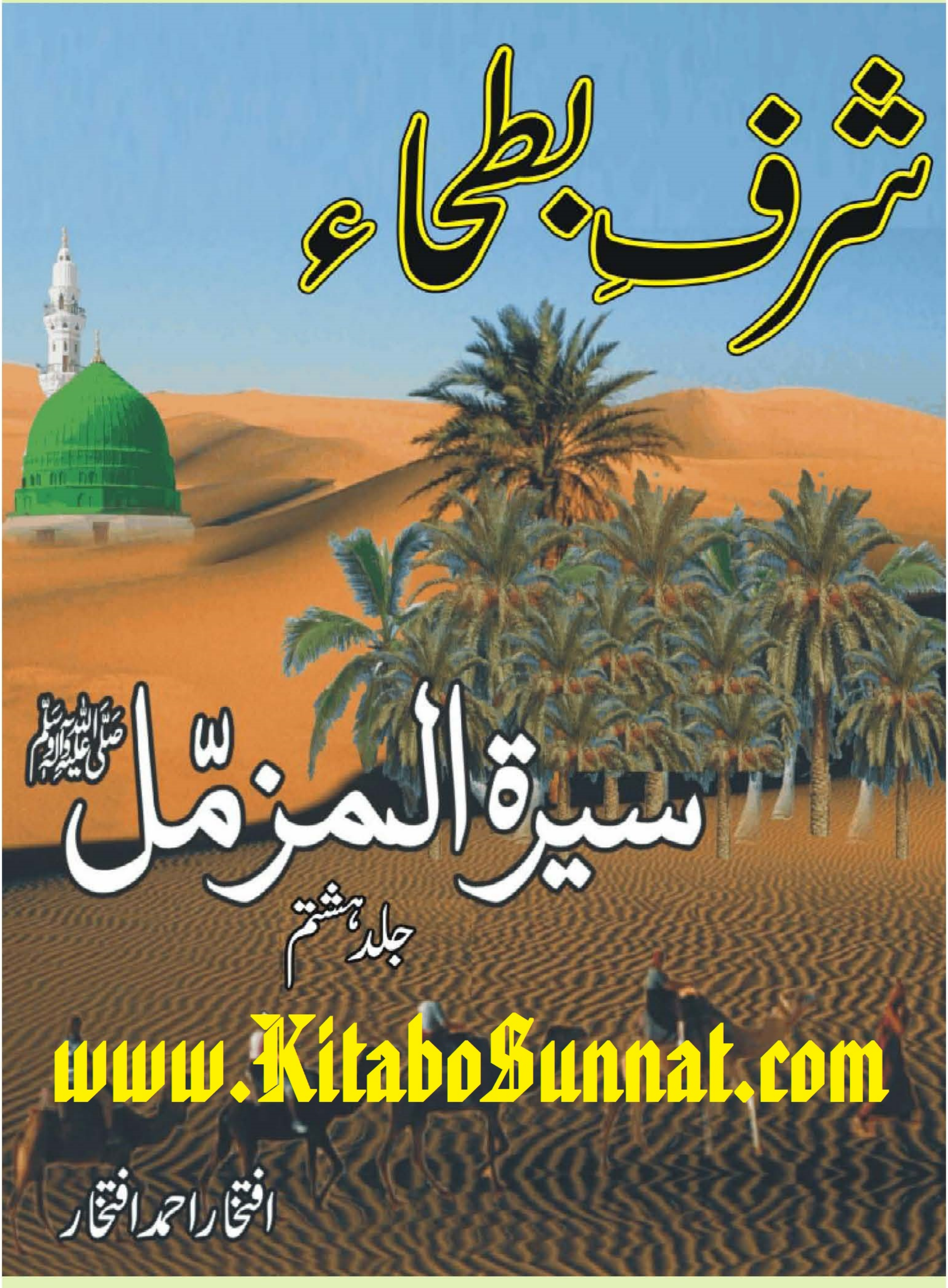

شرفِ بطحاء
سیرۃ المزمّل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
جلد ہشتم
www.KitaboSunnat.com
افتخار احمد افتخار



افتخار احمد افتخار

رہائش؛ ڈنگہ ضلع گجرات تحصیل کھاریاں

فون ؛ 03006281898

میل ایڈریس ؛ ift1167@gmail.com

نام کتاب؛ سیرۃ المزمل ﷺ

جلد نمبر؛ جلد ہشتم (شرفِ بطحاء)

سنہ تحریر؛ جولائی 2010ء

کمپوزر و ڈیزائنر؛ افتخار احمد افتخار

اہتمام؛ کتاب وسنت ڈاٹ کام

مطالعہ کے لیے؛ https://kitabosunnat.com

ڈاؤنلوڈ کے لیے؛ (محدث لائبریری) https://kitabosunnat.com



سیرۃ المزمل کی ایک جلد لکھنا میرے لیے اِن چند حرفوں سے زیادہ آسان ثابت ہوتا ہے اس لیے کہ تب میں خود کو عرب کے اُن موسموں میں محسوس کرتا ہوں جب نبی اکرم ﷺ کے قدم لوگوں کی فلاح کے لیے مضطرب و متحرک تھے۔ لوگ اگرچہ اُن کا انکار کرتے تھے مگر اُن میں اقرار کرنے والے بھی موجود تھے اُن کو دلاسے دینے کے لیے آسمانوں سے سندیسے اترتے تھے ۔اُن کی تسکین کے لیے قرآن حکیم کی وہ آیات تھیں جو نبی اکرم ﷺ کی اس بات کی طرف راہنمائی کرتیں کی تمہارا کام صرف پہنچا دینا ہے ہدایت دینا ہمارا

کام ہے۔مگر جب میں یہ چند حرف تحریر کرتا ہوں تب میں اپنی قوم کے ساتھ کھڑا ہوتا ہوں اپنی امت کی حالت پہ اشک رواں اور احساس زیاں کا شکار رہتا ہوں کہ نبی اکرم ﷺ کے ماننے والوں میں اگرچہ انفرادی طور پہ تقوی بھی موجود ہے محبت اور عقیدت بھی پائی جاتی ہے اور دین سے والہانہ وابستگی بھی نظر آتی ہے مگر حقھقت تو یہ ہے کہ خطہ ارض پہ بسنے والا مسلمانوں کا کوئی گروہ نبی اکرم ﷺ کی مکمل پیروی کا شاھکار نظر نہیں آتا۔ جس کی وجہ سے مسلمان دوسروں کے لیے ایك کامل اور احسن زندگی کا نقش اجاگر نہ کر سکے اور یہی وہ زیاں ہے جس کی بنا پہ دنیا کے لوگ اسلام کو ایك الگ دین کی حیثیت سے تو جانتے ہیں مگر اسلام میں اُن کو دین کامل کے نشانات نہیں ملتے ۔جس کی بڑی وجہ مسلمان ہے کہ مسلمان کے پاس اگرچہ ایك مکمل اور محفوظ کتاب ہے مگر وہ اس سے راھنمائی حاصل کرنے سے گریزاں ہے اُن کے پاس نبی اکرم ﷺ کی زندگی کے سارے احسن پل ،سارے ارفع لمحات محفوظ ھیں مگر وہ اسوہ رسول پہ چلنا نہیں چاہتا۔

پھر دنیا بھر میں پھیلے مسلمانوں کو اگر میں اپنی قوم کے مقابل رکھتا ھوں تو میرا سر شرم سے کچھ مزید جھك جاتا ہے کہ ھمارے ھاں دوسروں سے زیادہ مذھبی شور شرابہ پایا جاتا ہے ،ھر طرف اس بات کا دعوٰی ہے کہ وہ اصل میں سنت رسول کے پیرو ھیں۔ سیلاب کے اِن دنوں میں اگر میں اپنی قوم سے یہ سوال کروں کہ کیا غریبوں کو ڈبونے کے لیے

سیاست دانوں نے انتظامیہ سے مل کے دریاؤں کے جو رخ موڑے ھیں کیا یہی اسوہ رسول ہے۔ کیا رمضان المبارك کی ان ساعاتوں میں کھانے پینے کی ھر چیز کو غریبوں کے دستخوان سے دور کر دینا ھی سنت رسول ہے، کیا اُن لوگوں نے موت کا ذائقہ نہیں چکھنا جو چینی جیسی چیز کو مصنوعی طور پہ اتنی بلند قیمت پہ لے گئے ھیں کہ غریب کے دل سے آہ نکلتی ہے۔ حققت یہ ہے کہ میرے ملك کے چند سو لوگ میرے ملك کے کروڑوں لوگوں سے سانس لینے کا تاوان بھی مانگنے لگے ھیں۔ مگر وہ شاید نہیں جانتے کہ موت اُن کی طرف باھیں پسارے بھاگی چلی آ رھی ہے پھر اُن کو اپنے ایك ایك عمل کا حساب دینا ھوگا میں نے انہیں لوگوں کو اپنے اسٹیج پہ نبی اکرم ﷺ کے امتی ھونے کا دعویٰ کرتے دیکھا ہے مگر میں رسول اللہ ﷺ سے اس بات کی پختہ امید رکھتا ھوں کہ روز محشر آپ ﷺ اِن لوگوں کو پہچاننے سے بھی انکار کر دیں گے۔ پھر اِن لوگوں کے لیے ذلت کی وہ ابدی زندگی ہے جس کو آج وہ بھولے ھوئے ھیں اور خود کو کسی فرعون سے کم نہیں جانتے اور وہ وقت بہت قریب آ لگا ہے جب اللہ کی عدالت سے اُن لوگوں کو انصاف ملے گا جو آج روٹی کے ایك نوالے اور صاف پانی کے ایك گلاس کو ترس رھے ھیں اور وہ لوگ جن کو درد دیا جارھا ہے وہ بے چین ھیں کہ اللہ اُن کو وہ گھڑی جلد دکھائے جب وقت کے فرعون قادر مطلق کے غضب کا نشان بنیں گے تب ھم بھی دیکھیں اور وہ بھی دیکھیں گے کہ حقیقی عدل کیا ھوتا ہے کاش ھمارے

حکمران اسوہ رسول ﷺ سے آشنا ہوتے تو آج ہماری حالت قدرے مختلف ہوتی ،،،،،،،اللہ کرے سیرت المزمل کے یہ الفاظ کسی ایک بھٹکے دل کو راہنمائی عطا فرما دیں تو میری نجات کی راہ بھی کچھ آسان ہو جائے۔

حقیر

(افتخار احمد افتخار)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حسن ترتیب

اشک قلم 4

حسن ترتیب 9

حرفِ محبت 16

ولادت کے واقعات 20

رسول اللہ ﷺ کے نام کی تحقیق 46

نبی ﷺ مختون پیدا ہوئے 58

تاریخ ولادت کی تحقیق 64

رضاعت 76

نبی اکرم ﷺ بنوسعد میں 81

شق صدر 98

شق صدر، تحقیقی نقطہ نظر 111

مہر نبوت 116

بنوسعد سے واپسی 123

حضرت آمنہ کی وفات 137

حضرت عبدالمطلب کے سائے میں 143

حضرت ابوطالب کے سائے میں 147

اوائل عمری کے شب وروز 155

سفر شام اور بحیریٰ راہب 168

حرب فجار 178

حرب فجار اول 185

حرب فجار دوم 186

حرب فجار سوم 188

حلف الفضول 192

پھر سے سفر شام 202

حضرت خدیجہؓ سے شادی 215

حضرت زید بن حارثہؓ 234

بیت اللہ کی تعمیر 245

راعی اور رعیت 260

حضرت علی رسول اللہ ﷺ کی کفالت میں 267

اسرارِ نبوت 272

خصائص نبوت 276

شرح نبوت 284

علوم الانبیاء 293

مضراب دل اور دستِ شافی	315
آثارِ نبوت	334
1 نبوی	343
تاج رسالت	344
کیفیات وحی	355
فطرۃ وحی	363
نماز کی فرضیت	369
صدیق اکبر کی معاونت	376
حضرت عثمان بن عفانؓ	380
حضرت زبیر بن عوامؓ	381
حضرت عبدالرحمٰن عوفؓ	382
حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ	384

حضرت طلحہ بن عبیداللہ تیمیؓ	388
سابقون الاولون	393
حضرت ابوذر غفاریؓ	395
حضرت عمار بن یاسر اور صہیب رومیؓ	404
حضرت خالد بن سعیدؓ	407
راہ حق کے کچھ اور مسافر	413
2 نبوی	415
حضرت عبداللہ بن مسعود	416
مسلمان دارِ ارقم میں	421
حرم میں تشدد	425
حق قبول کرنے والے	430
۲ نبوی کے کچھ اور واقعات	439

اشاریہ 444
ماخذومصادرومراجع 466
اختتام 507

حرفِ محبت

نبی اکرم ﷺ سے محبت ہمارے ایمان کا لازمی جزو ہے اور اسی محبت میں فلاح کی ساری راہیں فروزاں ہوتی ہیں۔ یہ بیان اس لیے بھی ضروری ہے کہ انسان نے اپنی محبتوں اور ترجیحات کے تعین میں ہمیشہ سے ٹھوکر کھائی ہے۔ انسان میں سب سے پہلے اس کے نفس کی محبت جنم لیتی ہے۔ جس کے بطن سے مال و دولت کی محبت، حبِ جاہ، قوت واقتدار کی محبت، عورت کی محبت، اولاد کی محبت اور دوسری بہت سی ایسی محبتیں جنم لیتی ہیں جن سے انسان کے اخلاق و اعمال میں پستی کا داعیہ غلبہ اختیار کر لیتا ہے۔ اگرچہ مذاہبِ عالم میں اِن محبتوں کی نفی نہیں کی گئی تاہم جب انسان راہ اعتدال سے بھٹک کر انھی محبتوں میں کھو کر رہ جاتا ہے تب وہ خالق کے احسانات کو نظر انداز کرنا شروع کر دیتا ہے اور خسارے کی راہ پہ چل دیتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ خسارے کی کوئی راہ منزل کو نہیں جاتی۔ چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ محبتوں کے تعین میں ہی انسان کی فلاح کا راز مضمر ہے اور یہی جذبہ انسان کو اس عقلی منہج تک لے جاتا ہے جہاں وہ سرِ کائنات پھیلے خالق کے بے پناہ احسانات کا ادراک حاصل کرتا ہے۔ جب نگاہ عقل و دانش کے نور میں انسان

کائنات کو ایک نظر دیکھتا ہے تو اس کے اندر محبت کی وہ لہر جنم لیتی ہے جو اسے فانی محبتوں سے لافانی محبتوں کی طرف لے جاتی ہے اور وہ خالق کے بے پناہ احسانات اور لامحدود محبت کے احساس سے معمور ہو جاتا ہے۔یہی احساس انسان کے اندر شکر کے جذبے کو اجاگر کرتا ہے اور شکر کی ہر راہ منزل کی طرف جاتی ہے اور محبت بھی تو شکر ہی کی ایک منزل ہے۔چنانچہ خالق نے انسانی تاریخ کے ہر دور میں انسان کو محبت کی اُس راہ پہ گامزن کرنے کے لیے راہنمائی کا بھرپور اہتمام کیا ہے۔

ایک روایت کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر پیغام فلاح یا خالق کی طرف سے پیغام محبت لے کر انسان کی طرف اترے ہیں۔اللہ کے انھی انبیاء ورسل کے ہاتھ اللہ تعالیٰ نے انسان کی طرف محبت بھرے ایک سو چار خط بھی لکھے ہیں۔جنہیں ہم مقدس کتب کہیں یا محبت بھرے خطوط، بات ایک ہی ہے۔جس عہد میں ہم نے جنم لیا وہ اسلام کا عہد ہے، قرآن کا عہد ہے، محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت کا عہد ہے اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہماری محبتوں کا محور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارک ہے۔سیرت المزمّل ﷺ کے مطالعے میں ہم نے اسی محبت بھرے سفر کا آغاز کیا تھا۔اب جب کہ نبی اکرم ﷺ اس دنیا میں تشریف لا چکے ہیں اور ہم اس عہد کا مطالعہ کرنے جا رہے ہیں جب نبی اکرم ﷺ نے اپنی زندگی کے وہ ماہ وسال گذارے جن میں آپ ﷺ نے اہل مکہ سے صادق وامین کے القاب حاصل کیے اور قریش خاص طور پہ بنو ہاشم کی آنکھ کا تارا بنے رہے۔سیرت المزمّل کے گذشتہ صفحات میں ہم نے اہل عرب کی صفات اور تہذیب وتمدن کا سیر حاصل مطالعہ کیا ہے اس لیے اب عربوں کی معاشرت اور اُن کے قبائلی نظم کے تحت زندگی کے الجھے تانے بانے کو قاری خوب سمجھتا ہے۔

جس معاشرے میں نبی اکرم ﷺ نے نبوت حاصل ہونے کے بعد اپنی دعوت کا آغاز کیا اُس وقت کی مذہبی معاشی معاشرتی اور عقائدی صورت حال بھی ہم پہ واضح ہو چکی ہے۔اس لیے اب ہم اُن شب وروز کے حالات کا مطالعہ کریں گے۔جب نبی اکرم ﷺ کی دعوتِ خیر کے مقابلے میں اہل مکہ خاص طور پہ خود آپ ﷺ کے اپنے قبیلے قریش نے آپ ﷺ کی شدید مخالفت کی۔آپ ﷺ نے جن دشوار گذار اور کٹھن مراحل سے گزرتے ہوئے دین اسلام کے اس پودے کی آبیاری کی اُس کا علم حاصل ہونے سے ہمیں محبت کی وہ بہت سی منازل اس داستانِ جہد وسعی میں ہی حاصل ہو جائیں گی جو احساس اور محبت سے عاری سجدوں سے کبھی حاصل نہیں ہو سکتیں۔اس لیے ہم برملا اس بات کی طرف دعوت دیتے ہیں کہ ایک

مسلمان کا افتخار یہی ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی محبت میں مبتلا ہو کہ اس کے بغیر نہ تو اس کا دین مکمل ہو گا اور نہ ہی کامیابی اور فلاح کی طرف اس کے قدم اٹھیں گے۔ مگر یاد رہے کہ کسی سے محبت کرنے کے لیے اسے جاننا بہت ضروری ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیئے کہ آگے آنے والے تمام صفحات کو محبت کے احساس کو اجاگر کر کے پڑھیں کہ اِن صفحات میں اور کچھ بھی نہیں بجز ایک داستان محبت کے۔ اور یہ وہ داستان ہے جس میں نبی اکرم ﷺ کی اپنے خالق کے ساتھ محبت اور خالق کی اپنے نبی محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت کے تذکرے ہیں اور ہم نے محبت کے اُس طریق کو جاننا ہے جس کے بعد ہمارا دامن بھی اللہ اور اُس کے رسول کی محبت سے ہمیشہ کے لیے بھر جائے۔

❖ ❖ ❖

سر کائنات اُس صبح کا احوال بیان کرنے کے لیے
مجھے الفاظ تلاش کرنے میں مجھے شدید دِقت کا
سامنا ہے جس میں رسول اکرم ﷺ اس دنیا میں
تشریف لائے۔ اس لیے کہ بہت سی باتیں اور بہت
سی حقیقتیں الفاظ سے ماوراء ہوتی ہیں۔

ولادت کے واقعات

تاریخ عالم کی یقیناً وہ سب سے سہانی سحر تھی جب نبی اکرم ﷺ نے حضرت آمنہ بنت وہب کے گھر میں جنم لیا۔کائنات میں جنم لینے والے ان گنت انسانوں میں سب سے اعلیٰ انسان نے جب اس دنیا میں قدم رکھا تو اس کے ساتھ ہی خیر کے بہت سے امور ہمیشہ کے لیے اس دنیا میں اتار دیئے گئے اور شر کے بہت سے امور کو اٹھالیا گیا کہ سرِ کائنات اب اِن کی گنجائش نہ تھی۔مورخین و محدثین نے نبی اکرم ﷺ کی سحر ولادت کے متعلق روایات کا ایک انبار لگا دیا ہے جس میں ایسی باتیں بھی موجود ہیں طبیعت جن سے مطابقت پیدا کرنے سے گریزاں ہے اور ایسی روایات بھی بے شمار ہیں جن کے وقوع پذیر ہونے میں کوئی ایسی بات نہیں جسے عجیب کہا جا سکے۔مولانا ابو کلام آزادؒ نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کی سحر ولادت میں رونما ہونے والے واقعات کے پیش کی جانے والی بیشتر روایات موضوع ہیں۔مجھے اس پہ حیرت ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد اگرچہ ایک بہت بڑے آدمی اور بہت بڑے عالم دین ہو گزرے ہیں مگر اُن کی رائے پر تاریخ کے پورے دفتر کو اٹھا کے سمندر میں پھینک دینا بھی تو قرین قیاس نہیں۔اس لیے کہ لوگوں نے اس

ضمن میں بہت سی ایسی روایات بھی تو بیان کی ہیں جن کو تاریخ کی کسوٹی پر رکھ کر پرکھا جا سکتا ہے۔ مگر یہ رویہ کہ محمد ﷺ کی پیدائش سلسلہ روز و شب کا ایک عام سا واقعہ ہے ایک پست رویہ ہے اور شانِ مصطفیٰ سے متصادم ہے اس لیے ہم خود کو اس سے بری الذمہ جانتے ہیں اور ہم اس نقطہ نظر کے حامی ہیں کہ وہ سحر جس میں نبی اکرم ﷺ نے اس دنیا میں اپنا پہلا سانس لیا، وہ صبح جس میں پہلی دفعہ آپ ﷺ نے اس دنیا میں اپنی آنکھ کھولی وہ کوئی عام سی سحر یا عام سی صبح نہ تھی، بلکہ وہ ساعتیں نظامِ کائنات میں بہت ہی خاص مقام رکھتی ہیں۔ جدیدیت کے خواہاں بعض مورخین نے اس سلسلے میں بہت ہی تکلف سے کام لیا ہے وہ اپنی تحریروں میں شاہ ایران کسریٰ کے محلوں کے چند کنگرے بچاتے بچاتے یہ بھی بھول بیٹھے کہ چند ہی سال بعد کسریٰ کا تو سارا محل ہی زمین بوس ہو گیا تھا۔ اگر چہ وہ اس کا انکار نہیں کرتے کہ اس سے انکار ممکن نہیں۔ چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی پیدائش یقیناً کائنات کا ایک اہم واقعہ تھی۔ جس کی سب سے بڑی گواہ تو خود آپ ﷺ کی والدہ ہیں کہ اُن سے بہتر کون جان سکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی آمد اُن کے لیے کس قدر خوشگوار احساس کی حامل تھی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

محمد بن سعد نے طبقات ابن سعد میں محمد بن کعب القرظی کی یہ روایت مجاہد اور حضرت ابن عباس ؓ کے توسط سے پیش کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت آمنہ نے کہا؛

مجھے رسول اللہ ﷺ کے حمل سے ذرا بھی مشقت نہ ہوئی جو عام عورتوں کو ہوتی ہے اور جب وہ مجھ سے جدا ہوئے تو ایک ایسا نور بھی اُن کے ساتھ ہی مجھ سے جدا ہوا جس کی تابانی سے مشرق و مغرب روشن ہو گئے“۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

بعض نے یہی روایت اِن الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ بیان کی ہے کہ حضرت آمنہ نے کہا؛

جب نبی اکرم ﷺ پیدا ہوئے تب مجھ سے ایک ایسا نور برآمد ہوا جس کی روشنی اتنی بسیط تھی کہ ملک شام کے محل اور بازار تک روشن ہو گئے حتیٰ کہ میں نے بصریٰ میں اونٹوں کی گردنیں تک دیکھ لیں“۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

ابن اسحٰقؒ نے روایت کی ہے کہ:
جب نبی اکرم ﷺ پیدا ہوئے تب وہ ہر قسم کی آلائش سے پاک تھے حالانکہ انسانوں کے بچے بھیڑ بکریوں کی طرح صاف پیدا نہیں ہوتے"۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

عکرمہ سے محمد بن سعد نے روایت کی ہے کہ؛
جب نبی اکرم ﷺ پیدا ہوئے تب انھیں پتھر کے ایک کونڈے کے نیچے رکھ دیا گیا۔اس لیے کہ عربوں میں رواج تھا کہ پہلے گھر کا بڑا بچے کا چہرہ دیکھتا ہے اور باقی لوگ اس کے بعد بچے کو دیکھتے۔ مگر پتھر کا وہ کونڈا ٹوٹ گیا اور میں نے دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ نہایت اطمینان سے آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں"۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

یزید بن عبداللہ بن زمعہ کی بہن نے کہا کہ جب آمنہ بنت وہب کے ہاں نبی اکرم ﷺ نے جنم لیا تو انھوں نے حضرت عبدالمطلب کو اس کی خبر کرائی۔حضرت عبدالمطلب اس وقت اپنے بیٹوں کے ساتھ حجر میں بیٹھے تھے۔اُن کے ساتھ قوم کے دوسرے لوگ بھی تھے۔انھیں اطلاع کی گئی کہ حضرت عبداللہ کے ہاں بیٹے نے جنم لیا ہے۔حضرت عبدالمطلب خوشی سے اچھل پڑے۔وہ کھڑے ہو گئے اُن کے ساتھ ہی اُن کے بیٹے بھی کھڑے ہو گئے نیز قوم کے دوسرے لوگ بھی اُن کے ساتھ چل پڑے۔
جب حضرت عبدالمطلب اپنی بہو حضرت آمنہ کے ہاں پہنچے تو حضرت آمنہ نے وہ سب کچھ حضرت عبدالمطلب سے بیان کیا جو انھوں نے دیکھا تھا یا جو کچھ محسوس کیا تھا یا جو کچھ انھیں کہا گیا تھا۔
حضرت عبدالمطلب نے اپنے پوتے کو گود میں لیا اور کہا:

ان شاءاللہ میرے اس بیٹے کا بہت درجہ ہوگا۔

حضرت عبدالمطلب نے وہاں کھڑے ہو کر اس نعمت کے حاصل ہونے پہ اپنے رب کا شکرادا کیا۔

آپ محمد ﷺ کو اپنے ہاتھوں پہ ہی اٹھائے ہوئے بیت اللہ شریف میں تشریف لائے اور کعبہ کا طواف کیا۔محمد بن عمروالاسلمی نے کہا کہ اس روز حضرت عبدالمطلب نے یہ اشعار بھی کہے تھے۔

الحَمْدُ و لِلّٰہِ الَّذِیْ اَعْطَانِی

ھٰذَا الغُلَاَمَ الطّیِّبَ الاَرْدَان

ساری تعریفیں اور ہر قسم کی حمد وثنا تو اسی رب کے لیے ہے جس نے مجھے یہ پاک دامن لڑکا عطا فرمایا ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

قدْ سَادَ فِی المَھْدِ علَی الغِلمٰانِ

اُعِیذُہ' بَاللّٰہِ ذِی الارکابِ

میرا یہ لڑکا تو گہوارے میں ہی سب کا سردار ہو گیا ہے میں اس کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتا ہوں اور اس کے لیے خدا سے پناہ طلب کرتا ہوں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حَتّٰی یَکُوْنَ بُلْغَۃَ الفِتْیَانِ

حَتّٰی اَرَاہ' بَالِغَ البُنیَانِ

میری خواہش ہے کہ یہ مدتوں میری آنکھوں کی ٹھنڈک رہے اور میں اس کی نسبت بغض رکھنے والے کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اُعِیذُہٗ مِنْ شَرِّ ذِیْ شنئٰان

مِنْ حَاسِدٍ مُضْطَرِبِ العِنَانِ

میں اس حاسد سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں جو مضطرب العنان ہو اور اسے ایک روش پہ قرار حاصل نہ ہو۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

ذِیْ ہِمَّۃٍ لَیْسَ لَہٗ عَیْنَانِ

حَتّٰی اَرَاہُ رَافِعَ السَّانِ

میں اسے ہر اس ذی ہمت سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں جو صاحب بصارت نہیں حتیٰ کہ میں اسے بلند و بالا دیکھوں۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

فِیْ کُتُبٍ ثَابِتَۃِ الْمَثَانِیْ

اَحْمَدُ مَکْتُوْبٌ عَلَی البَیَانِ

تُو ہی تو وہ ذات ہے جس کا تذکرہ سابقہ کتب میں موجود ہے اور جہاں میں تمھارا نام احمد مکتوب ہے[1*]۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

امام عبداللہ سہیلی نے الروض الانف میں لکھا ہے کہ :

رسول اللہ ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ نے فرمایا کہ جب نورِ محمدی ﷺ اُن کے شکم میں ظہور پذیر ہوا تب کسی کہنے والے نے اُن کے خواب میں آ کے کہا:

آپ کے شکم میں اس قوم کے سرداراور اس امت کے نبی ہیں اس لیے جب وہ اس جہانِ رنگ و بو میں تشریف لائیں تب اُن کے لیے یہ دعا کرنا:

''اُعِيْذُہٗ بِالْوَاحِدِ مِنْ شَرِّ كُلِّ حَاسِدٍ ''

''کہ میں اللہ واحد سے اس کے لیے ہر حاسد کے شر سے پناہ مانگتی ہوں''۔

اس کے بعد کہنے والے نے مجھ سے کہا:

اور اس کا نام محمد (ﷺ) رکھنا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

ابن اسحٰق رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ ہم سے ابو محمد عبدالملک بن ہشام نے بیان کیا کہ ہم سے زیاد بن عبداللہ البکائی نے بیان کیا ہے وہ محمد بن اسحاقؒ سے روایت کرتے ہیں کہ؛

حضور ﷺ پیر کے روز بارہ ربیع الاول کو عام الفیل کے سال پیدا ہوئے ۔ جب اللہ تعالیٰ نے ابرہہ کو ایک ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا۔ آپ ﷺ اس واقعے کے ٹھیک پچاس دن بعد پیدا ہوئے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

امام عبداللہ سہیلیؒ نے بقی بن مخلد کے حوالے سے لکھا ہے کہ؛

شیطان ملعون نے اپنی پوری زندگی میں دکھ اور گہرے خسارے کے ساتھ صرف چار مرتبہ چیخ ماری ہے۔

۱۔ جب اسے اللہ تعالیٰ نے ملعون قرار دیا۔

۲۔ جب وہ زمین پہ اترا۔

۳۔ جب نبی اکرم ﷺ پیدا ہوئے۔

۴۔ جب سورۃ فاتحہ نازل ہوئی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

مشہور مورخ ابن جریر طبریؒ لکھتے ہیں؛

حضور ﷺ مختون پیدا ہوئے تھے اور آپ ﷺ کی ناف بھی کٹی ہوئی تھی۔آپ ﷺ کی والدہ نے بیان کیا ہے کہ جب محمد ﷺ میرے بطن میں قرار پذیر ہوئے تب میں نے کسی قسم کا بوجھ محسوس نہ کیا اور اس امر کی اطلاع مجھے ایک فرشتے نے کی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

جب آپ ﷺ اس عالم آب و خاک میں تشریف لائے تب آپ ﷺ اپنے گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھ گئے اور آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بند کر رکھیں تھیں بجز انگشت شہادت کے اور اس انگلی سے آپ یوں اشارہ فرما رہے تھے جیسے اللہ سبحان و تعالیٰ کی تسبیح بیان کر رہے ہوں۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

امام عبداللہ سہیلیؒ نے لکھا ہے کہ!

حضرت عبدالمطلب نے خواب میں دیکھا کہ اُن کی پشت مبارک سے چاندی کی ایک زنجیر برآمد ہوئی ہے۔اس زنجیر کا ایک حصہ آسمان پہ اور دوسرا حصہ زمین پہ تھا۔وہ زنجیر مشرق سے مغرب کو محیط تھی۔پھر وہ زنجیر ایک شجر میں تبدیل ہوگئی جس کے ہر ہر پتے پہ نور چمک رہا تھا۔پھر اہل مشرق و اہل مغرب اس درخت سے لٹکنے لگے۔حضرت عبدالمطلب نے اپنے اس خواب کو ایک دانشمند کے سامنے بیان کیا اور اس سے اس خواب کی تعبیر دریافت کی۔

اس نے کہا؛

میں یہ سمجھتا ہوں کہ تیری اولاد میں کوئی ایسا لڑکا پیدا ہوگا جس کی اطاعت مشرق سے مغرب تک کی جائے گی اور زمین و آسمان والے اس کی مدح و ستائش کریں گے۔

حضرت عبدالمطلب کہتے ہیں کہ میں نے اسی وقت سوچ لیا کہ اگر عبداللہ کو اللہ نے بیٹا دیا تو میں اس کا نام محمد (قابل ستائش) رکھوں گا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے کرم کیا اور اُس نے حضرت آمنہ کو ایک چاند سے بیٹے سے نوازا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

ابن درید نے کہا کہ؛

نبی محترم ﷺ جب پیدا ہوئے تو انھیں پتھر کے ایک برتن سے ڈھانپ دیا گیا تا کہ آپ ﷺ کے جد اعلیٰ حضرت عبدالمطلب سے پہلے کوئی آپ کا دیدار نہ کرے۔چنانچہ حضرت عبدالمطلب تشریف لائے اور انھوں نے اپنے پوتے کا رخ زیبا دیکھا۔

اپنے رب کا شکرادا کیا اور پھر اپنے پوتے کو لے کر بیت اللہ کا طواف کیا۔

اس کے بعد واپس گھر آئے۔آپ کے بیٹے اور آپ کی قوم کے لوگ آپ کے ہمراہ تھے لوگوں نے آپ سے پوچھا؟

کہ انھوں نے مولود کا کیا نام سوچا ہے؟

حضرت عبدالمطلب نے جواب دیا؛

محمد (ﷺ)۔

لوگوں نے عرض کی!

یہ کیسا نام ہے؟

جو نہ تو آپ کے کسی آباء کا نام ہے اور نہ ہی آپ کی قوم میں سے کسی شخص کا نام ہے۔

حضرت عبدالمطلب نے کہا!

میں امید کرتا ہوں کہ تمام اہل زمین میرے اس نورِ نظر کی تعریف کریں گے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

امام عبداللہ سہیلیؒ نے نبی اکرم ﷺ کے نام کے بارے میں لکھا ہے کہ؛

آپ ﷺ کی جلوہ نمائی سے پہلے ہی آپ ﷺ کے نام سے کچھ ایسے لوگ آشنا تھے جنھوں نے سابقہ کتابوں کا علم حاصل کر رکھا تھا۔

وہ جانتے تھے کہ محمد یا احمد نامی کوئی رسول مبعوث ہونے کو ہے اور اس کی پیدائش کا زمانہ یہی ہے۔

چنانچہ جب تین عرب تاجر ایک بادشاہ کے ہاں اترے تو اس بادشاہ نے اِن عربوں سے دریافت کیا

تم کہاں سے آئے ہو؟

لوگوں نے جواب دیا؛

مکہ سے۔

بادشاہ نے اُن سے پوچھا؟

محمد (ﷺ) ظاہر ہو گئے ہیں۔

لوگوں نے کہا:

ہم سمجھے نہیں کہ آپ ہم سے کیا دریافت کرنا چاہتے ہیں؟

بادشاہ نے کہا؛

عربوں میں ایک شخص ہوگا جس کا نام محمد (ﷺ) ہوگا۔ وہ اپنی قوم کو دین اسلام کی دعوت دے گا۔

لوگوں نے کہا؛

نہیں!

ہم محمد (ﷺ) نام کے کسی شخص کو نہیں جانتے۔

اس کے بعد وہ لوگ بادشاہ سے رخصت ہوئے۔

اتفاق سے تینوں اشخاص کی بیویاں حاملہ تھیں اس لیے تینوں نے نیت کی کہ اگر اُن کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو وہ اس کا نام محمد رکھیں گے۔ اس بات کو انھوں نے ایک دوسرے سے بھی چھپایا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُن تینوں کو بیٹوں سے نوازا۔ اُن تینوں نے اپنے بیٹوں کا نام محمد رکھا۔

چنانچہ جب نبی اکرم ﷺ پیدا ہوئے اُس وقت عربوں میں محمد نامی تین اشخاص تھے۔

۱۔ محمد بن سفیان بن مجاشع (محمد بن سفیان عربوں کے بہت ہی مشہور شاعر فرزدق کے دادا کا دادا تھا)

۲۔ محمد بن احیحہ بن الجلاح (یہ عوف بن مالک بن اوس کا ایک شخص تھا)

۳۔ محمد بن حمران بن ربیعہ۔ [*2]

❖❖❖❖❖❖❖❖

مورخین نے بیان کیا ہے کہ؛

آنحضرت محمد ﷺ کی ولادت ''**الشعب** ''میں ہوئی۔یہ ایک مکان تھا جو کوہ صفا کے پاس تھا ۔بعد میں یہ مکان محمد بن یوسف نے خرید لیا جو حجاج بن یوسف کا بھائی تھا۔انھوں نے یہ مکان عقیل بن ابی طالب سے ایک لاکھ درم میں خریدا تھا۔

مورخین نے بیان کیا ہے کہ؛

جب مکہ فتح ہوا تو آپ ﷺ نے حجون کے مقام پہ اپنا خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا۔

لوگوں نے کہا!یارسول اللہ ﷺ

کیا آپ شعب ابوطالب میں اپنے مکان میں نہیں ٹھہریں گے۔

تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا؛

عقیل نے ہمارے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑا۔حتیٰ کہ ہمارا مکان بھی۔

بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت علیؑ نے اپنے بھائی حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کے ساتھ مدینہ ہجرت کی تب عقیل نے اُن کے مکانات فروخت کر دیئے۔بلکہ یہ بھی کہا گیا کہ بنو ہاشم میں سے جس نے بھی ہجرت کی عقیل نے اس کا مکان بیچ کھایا۔چنانچہ بنو ہاشم میں سے سب سے آخر میں اسلام لانے والے عقیل بن ابی طالب تھے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

جس گھر میں نبی اکرم ﷺ پیدا ہوئے اس کے بارے میں برہان الدین حلبیؒ نے لکھا ہے کہ اس گھر کو لوگ " **بیضاء** " بھی کہا کرتے تھے کیونکہ یہ مکان سفید چونے سے تعمیر کیا گیا تھا۔

بعد کے لوگوں نے اس جگہ پہ ایک مسجد بنا دی تھی۔

بتایا گیا ہے کہ سب سے پہلے اس گھر کو مسجد میں تبدیل کرنے والی نیک دل خاتون کا نام زبیدہ تھا جو مسلمانوں کے خلیفہ ہارون الرشید کی بیوی اور مامون الرشید کی ماں تھی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

علامہ برہان الدین حلبیؒ نے سیرت حلبیہ میں نبی اکرم ﷺ کی ولادت کے واقعات میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ پیدا ہوئے تب آپ ﷺ کی ناف جسے آنول کہا جاتا ہے وہ کٹا ہوا تھا اور آپ ﷺ کے جسم پہ کوئی گندگی نہ تھی۔ آپ ﷺ کی آنکھوں سے یوں محسوس ہوتا جیسے کہ آپ ﷺ نے سرمہ لگا رکھا ہو۔ آپ ﷺ عام بچوں کی طرح خون اور گندگی سے آلودہ نہ تھے بلکہ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کہ آپ ﷺ کو ابھی ابھی غسل کرایا گیا ہو۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

آپ کی ماں حضرت آمنہ نے فرمایا کہ؛
نبی اکرم ﷺ کا حمل اتنا ہلکا تھا کہ ایک عرصے تک تو میں اس کے بوجھ کو محسوس ہی نہ کرسکی۔ جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تب بھی مجھے نفاس کا خون اور گندگی نہیں آئی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

حافظ ابن کثیر نے ''سیرت النبوی'' میں لکھا ہے کہ!
جس سال نبی اکرم ﷺ کا حمل قرار پایا وہ سال اہل قریش کے لیے بہت سی برکتیں اور رحمتیں سمیٹ لایا۔ وہ سال قریش کی فتح اور خوشی و مسرت کا سال ثابت ہوا کیونکہ اس سے پہلے اہل قریش سخت خشک سالی کا شکار تھے مگر جب یہ سال آیا تب دنیا اچانک ہی بدل گئی۔ زمین سبزہ زار بن گئی اور درخت ہرے بھرے ہو کر پھلوں کے بوجھ سے دب گئے۔ ہر طرف بجلی کی کڑک نظر آتی تھی اور گھٹائیں گھِر گھِر کے آتی تھیں۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اس سال کی ایک خاص برکت یہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تمام حاملہ عورتوں کو حکم دیا کہ وہ بیٹے ہی جنیں گی۔عرب کہتے ہیں کہ اُن دنوں جب بھی کسی کے گھر بچہ پیدا ہوتا تو ہمیں یہ پوچھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی کہ لڑکی پیدا ہوئی ہے یا لڑکا۔دراصل ہم لڑکوں کے پیدا ہونے کے اس قدر عادی ہو چکے تھے کہ یوں لگتا تھا کہ ایک مدت سے ہم نے یہ نہیں سنا تھا کہ فلاں شخص کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے۔اگرچہ اس وقت ہم اس راز سے واقف نہ تھے کہ یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کی برکت کی وجہ سے ظاہر ہو رہا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو ہمارے درمیان مبعوث کیا اور ہمیں ایمان کی دولت سے نوازا تب ہم نے جانا کہ ہماری برکتوں کا سبب نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارک ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

بعض علماء کے کلام میں میں نے یہ بھی دیکھا کہ انھوں نے آپ ﷺ کی حیا کے ضمن میں لکھا ہے۔
جب نبی اکرم ﷺ پیدا ہوئے تب آپ ﷺ نے اپنا ایک ہاتھ اپنی آنکھوں پہ اور دوسرا ہاتھ اپنی شرم گاہ پہ رکھا ہوا تھا۔اس روایت کو نبی اکرم ﷺ کے اس قول سے بھی تقویت ملتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میری شرمگاہ کسی نے نہیں دیکھی حتیٰ کہ ختنہ کرنے والے نے بھی نہیں دیکھی اس لیے کہ میں تو مختون پیدا ہوا تھا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اور ایک روایت میں کہا گیا کہ حضرت آمنہ نے فرمایا؛
جب آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے تب اُن کے ساتھ میرے جسم سے ایک نور بھی جدا ہوا جس کی روشنی سے ملک شام کے محلات اور بصرہ کے بازار تک روشن ہو گئے حتیٰ کہ میں نے بصرہ کے بازاروں میں اونٹوں کی گردنوں تک کو دیکھ لیا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اسی نور کا تذکرہ آنحضرت ﷺ کے چچا نے اِن اشعار میں بھی کیا ہے۔

واقعہ یوں ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ غزوہ تبوک سے ایک فاتح کی حیثیت سے واپس تشریف لائے تب حضرت عباسؓ نے نبی اکرم ﷺ سے کہا؛

میں آپ ﷺ کی ذات پہ ایک قصیدہ کہنا چاہتا ہوں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا! چچا آپ کے دانت سلامت رہیں۔

یادرہے کہ یہ عربوں کی ایک دعا تھی جو وہ دوسروں کو دیا کرتے تھے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

حضرت عباسؓ کے اس قصیدے کے کچھ اشعار پیش خدمت ہیں جس میں آپ نے اُس نور کی طرف اشارہ کیا ہے جو آپ ﷺ کی پیدائش کے وقت ظاہر ہوا تھا اور جس کی خبر لوگوں کو آپ ﷺ کی ماں حضرت آمنہ نے دی تھی۔

وَ اَنتَ لَمّاَ وُلِدْتَّ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ

وَ ضَاءَتْ بِنُوْرِكَ الْاُفُقِ

جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تب آپ ﷺ کے نور سے دنیا جگمگا اٹھی تھی اور اس کے کنارے روشن ہو گئے تھے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

فَنَحْنُ فِیْ ذَالِکَ الضِّیَاءِ وَفِیْ

النُّوْرِ وَسُبُلَ الرِّشَادِ نَخْتَرِقُ

یہی وہ روشنی اور نور تھا جس کی راہنمائی میں آج اللہ کے فضل سے ہم سیدھی راہ پہ چل رہے ہیں ''۔[*3]

✡✡✡✡✡✡✡✡

مشہور قصیدہ ہمزیہ سے بھی اسی ضمن میں چند اشعار پیش خدمت ہیں۔

وَتَرَأَتْ قُصُوْرُ قَیْصَرٍ بِالرُّوْمِ

یُرَاهَا مِنْ دَارِهٖ الْبَطْحَاء

روم میں قیصر روم کے محلات دکھلا دیئے گئے جو بطحاء میں آپ کے گھر سے نظر آ رہے تھے۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

لَیْلَةُ الْمَوْلِدِ الَّذِیْ کَانَ

لِلدِّیْنَ سُرُوْرٌ بِیَوْمِهٖ وَازْدِهَاءُ

آپ ﷺ کی پیدائش کی رات دین اسلام کے لیے خوشی و مسرت کا باعث تھی تو اس سے اگلا دن سرور و شادمانی کا دن تھا۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

فَهَنِیْئًا بِهٖ مِنَۃَ الْفَضْلُ

الَّذِیْ شَرَّفَتْ بِهٖ حَوَّاءُ

پس مبارکباد ہے حضرت آمنہ کے لیے اس عظیم فضیلت پہ جو انھیں نبی اکرم ﷺ کی ولادت سے حاصل ہوئی کہ ایسی ہی فضیلت حضرت حوا کو بھی حاصل ہوئی تھی۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

مِنْ لِحَوَّءِ اَنَّهَا حَمَلَتْ

اَحْمَدُا وْاَنَّهَا بِهٖ نَفَسَاءُ

مگر حضرت حوا کے لیے کون یہ کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ اُن کے حمل میں آئے اور اُن کی ولادت کے بعد اُن کو نفاس کا خون نہ آیا۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

يَوْمَ نَالَتْ بِوَضْعِهِ اِبْنَةُ وَهَبْ
مِنْ فَخَارٍ مَالَمْ تَنَلْهُ النِّسَاءُ

سچ تو یہ ہے نبی اکرم ﷺ کی وجہ سے جو شرف و اعزاز حضرت آمنہ کو حاصل ہوا ایسا شرف کسی اور عورت کو حاصل نہ ہو سکا [*4] ۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

عربوں میں جو یہودی رہتے تھے جن کے پاس کتاب کا علم نسل در نسل منتقل ہوتا چلا آیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ عربوں میں نبی اکرم ﷺ کی ولادت ہونے والی ہے۔ چنانچہ اُن کے کئی صاحبِ علم اس ستارے پہ نظریں گاڑے ہوئے تھے جس کی حرکت کا مطلب یہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ پیدا ہو گئے ہیں۔ چنانچہ حضرت حسان بن ثابتؓ نے بیان کیا کہ میں اس وقت سات یا آٹھ سال کا لڑکا تھا اور جو کچھ دیکھتا اسے سمجھ لیتا تھا۔ اُس صبح میں نے دیکھا کہ یثرب کا ایک یہودی ایک بلند ٹیلے پہ چڑھ کے چلا رہا تھا کہ لوگو میری بات سنو!

وہ اپنے قبیلے کے لوگوں کو پکار رہا تھا۔

جب بہت سے یہودی اس کے پاس جمع ہو گئے تب اُس نے کہا؛

لوگوں سن لو!

احمد آج رات پیدا ہو گئے ہیں اس لیے کہ وہ ستارہ طلوع ہو گیا ہے جس کی خبر ہماری کتابوں میں بھی موجود ہے اور ہمارے آباء سے بھی اُس کا علم ہم تک منتقل ہوا ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

کعب بن احبار نے روایت کی ہے کہ انھوں نے یہودیوں سے سنا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی اکرم ﷺ کی ولادت کی اطلاع دے دی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے اپنی قوم کی طرف

منتقل کر دیا تھا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو بتایا تھا کہ جب وہ ستارہ اورانھوں نے ایک بہت ہی چمکدار ستارے کی طرف اشارہ کیا تھا حرکت کرے گا تب تم جان لینا کہ نبی اکرم ﷺ پیدا ہو گئے ہیں۔ پھر صدیوں یہ خبر اور اس ستارے کی پہچان بنی اسرائیل کے اولیاء اپنی اگلی نسلوں تک منتقل کرتے رہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

حضرت اماں عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ مکہ میں ایک یہودی رہا کرتا تھا اُس نے جب دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ کی ولادت کی اطلاع فراہم کرنے والا ستارہ طلوع ہو چکا ہے تب وہ قریش کی مجلس میں آیا۔قریش اس وقت حرم میں محفل جمائے ہوئے تھے۔

اس نے کھڑے ہوکرلوگوں کوخطاب کرنا شروع کیا؛

اس نے کہا!اہل قریش شاید تم نہیں جانتے کہ آج شب اس امت کا آخری نبی پیدا ہوگیا ہے۔

میری بات کواچھی طرح اورغور سے سنو!

وہ تم میں سے ہے(یعنی اس کا اشارہ اہل قریش کی طرف تھا)۔

اس کے کندھے کے پاس مہر نبوت ہوگی جو ایسی ہوگی جیسے بہت سے بال اکٹھے ہوگئے ہوں۔یہ بال اتنے مسلسل اور گھنے ہوں گے جیسے کہ گھوڑے کی ایال کے بال ہوتے ہیں۔یہ مہر نبوت ہوگی یعنی اس کی نبوت کی دلیل ہوگی۔

اس کی دوسری علامت یہ ہے کہ وہ تین دن تک اپنی ماں کا دودھ نہ پئے گا میری باتوں کو یونہی نہ پھینک دینا اس لیے کہ میں نے یہ باتیں اپنی کتاب سے پڑھ رکھی ہیں۔یاد رکھو کہ وہ ستارہ طلوع ہو گیا ہے جس کا ہمیں نہ جانے کب سے انتظار تھا۔

اس کے بعد وہ یہودی وہاں سے چلا گیا۔

قریش باہم ایک دوسرے سے استفسار کرنے لگے کہ کس کے گھر بیٹا پیدا ہوا ہے۔

پھر قریش کی یہ مجلس برخاست ہوئی تو اس محفل میں شامل اکثر مردوں نے اپنے گھر جا کر اپنی عورتوں سے پوچھا کہ گذشتہ شب کسی کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے۔جلد ہی یہ بات بہت سے لوگوں کو معلوم ہوگئی

کہ عبداللہ بن عبدالمطلب کی بیوہ حضرت آمنہ بنت وہب کے ہاں ایک بیٹے نے جنم لیا ہے۔

جب بہت سے لوگوں کو نبی اکرم ﷺ کے متعلق علم ہو گیا تو کسی نے اُس یہودی کو بھی بتا دیا ہے کہ ہمارے فلاں گھر میں ایک بیٹا پیدا ہوا ہے۔ یہودی نے اس قریشی کی منت کہ وہ اسے وہاں لے چلے ۔وہ ایک نظر اس نومولود کو دیکھنا چاہتا ہے۔

چنانچہ وہ یہودی کئی لوگوں کے ساتھ حضرت آمنہ بنت وہب کے گھر پہنچا۔

اس نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا۔

اس نے خواہش ظاہر کی کہ اسے بچے کی پشت دکھائی جائے۔ چنانچہ بچے کو کپڑے سے نکال کر اس کے سامنے لایا گیا۔ پھر اس یہودی نے مہر نبوت دیکھ لی اور وہ غش کھا کے نیچے گر پڑا۔ لوگوں نے اس پہ پانی ڈالا تو اس کو کچھ ہوش آیا۔ لوگوں نے اس سے سوال کیا؟

اسے کیا ہوا تھا؟

اس نے کہا! میں اس غم سے بیتاب ہو گیا تھا کہ نبوت بنو اسحاق سے رخصت ہو گئی۔

اے اہل قریش! اس کی موافقت کرنا۔ اگر مخالفت کرو گے تب بھی وہ تم پہ غالب آ ہی جائے گا کہ اللہ کے نبی غالب ہونے کے لیے ہی آتے ہیں۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

علامہ برہان الدین حلبیؒ نے عیص کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ایک یہودی عالم تھا جسے اللہ تعالیٰ نے کتاب کا بے پناہ علم عطا کر رکھا تھا۔ وہ مہر الظہر ان کا رہائشی تھا جو ملک شام کا ایک علاقہ تھا۔ وہ کم ہی اپنی عبادت گاہ سے باہر آتا۔ لوگ اسے ایک نیک آدمی کے طور پہ جانتے تھے اور اس کی بے پناہ عزت کرتے تھے۔

پھر جب نبی اکرم ﷺ کی ولادت زمانہ قریب آیا تب وہ اکثر مکہ آنے لگا۔

لوگوں نے کہا؛

ہم نے اسے مکہ میں اور کوئی کام کرتے نہیں دیکھا سوائے اس کے کہ وہ لوگوں سے پوچھا کرتا کس کے گھر بیٹا پیدا ہوا ہے۔ جب لوگ اسے خبر کرتے تو وہ اس گھر میں پہنچ جاتا جہاں کوئی نومولود پیدا ہوا

ہو۔وہ بچے کو اپنے ہاتھ میں اٹھاتا اور پھر کہتا۔نہیں یہ وہ نہیں ہیں۔اس کے بعد وہ مکے سے چلا جاتا ۔کئی سال تک اس کا یہی معمول رہا۔لوگ اس کی پر اسرار حرکتوں کو سمجھتے نہ تھے مگر اس شخص کی متاثر کن شخصیت کی بنا پہ اسے کچھ کہتے بھی نہ تھے۔

ایک بار جب وہ بنو ہاشم کے ایک بچے کو جانچ رہا تھا تب اس کی ملاقات حضرت عبدالمطلب سے ہوئی۔حضرت عبدالمطلب نے اسے روک لیا اور اس سے پوچھا کہ وہ برسوں سے کس بچے کی تلاش میں ہے۔

عیص نے کہا!

تم پہلے شخص ہو جس نے مجھ سے یہ سوال کیا ہے؟

اور تم بہت خوش قسمت ہو اس لیے کہ نجانے کب میری زندگی کی شام ہو جائے میں تجھے اس راز میں شامل کرتا ہوں۔سنو مکہ میں ایک بچہ پیدا ہونے والا ہے جس کی عظمت و ہیبت کی مثال آج تک پیدا ہونے والے انسانوں سے نہیں دی جا سکتی۔اس لیے کہ سارا عرب اس کے دین پہ چلے گا۔اور سارا عجم اس کے سامنے پست اور ذلیل ہو جائے گا۔جو اس کی پیروی کرے گا وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا اور جس نے اپنے دل میں بھی اس کی مخالفت کرنے کا سوچا وہ ذلیل و خوار ہوا اور اپنے مقصد سے دور ہٹ گیا۔وہ خیر اور بھلائی کی دعوت دے گا لوگ جوق در جوق اس کے بائیں جانب اکٹھے ہو جائیں گے۔

اور یہی اس کا زمانہ ہے اس لیے یاد رکھو جس نے اس کی پیروی کی اس نے مراد پائی۔اور نبی اکرم ﷺ کی پیدائش کے اگلے روز حضرت عبدالمطلب نے عیص کو پھر شہر مکہ میں دیکھا اور وہ پریشان تھا۔

حضرت عبدالمطلب نے اس کو پکڑ لیا اور کہا؛

عیص بہت پریشان دکھائی دیتے ہو؟

ہاں میں پریشان ہوں اس لیے کہ وہ ستارہ طلوع ہو گیا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ وہ بچہ پیدا ہو گیا ہے جس کا میں مدتوں سے منتظر تھا مگر اہل مکہ مجھے اس کی خبر نہیں دیتے۔تم اپنے گھر جاؤ اس بچے کے بارے میں میں تمھیں بتاؤں گا۔حضرت عبدالمطلب نے عیص سے کہا؛

عیص اپنے گھر چلا گیا جہاں وہ ٹھہرا ہوا تھا۔

حضرت عبدالمطلب اپنے گھر آئے انھوں نے نبی اکرم ﷺ کو گود میں اٹھایا اور عیص کی طرف چل دیئے۔

وہ عیص کے پاس پہنچے اور کہا: عیص اس بچے کو دیکھو کیا تم اسی کا انتظار کر رہے تھے؟

عیص نے بے تابی سے نبی اکرم ﷺ کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور آپ ﷺ کی پشت مبارک سے کپڑا ہٹا کے دیکھا اس پہ سکتہ سا طاری تھا۔

اس نے کہا:

ہاں یہی وہ بچہ ہے جس کا میں منتظر تھا۔ وہ شدید حیرت اور خوشی کی حالت میں تھا۔

اس نے حضرت عبدالمطلب سے کہا؛

اللہ کا شکر ہے کہ میری مراد بر آئی اور میں نے اِن کی زیارت کر لی۔

پھر عیص نے بے تابی سے حضرت عبدالمطلب کو کندھوں سے پکڑ لیا اور کہا؛

سنو میرے دوست، یہ اللہ کا نبی ہے بلکہ نبیوں کا سردار ہے اس کا رتبہ اتنا بلند ہے جس کا بیان ممکن نہیں مگر تمھیں اس کی بہت زیادہ حفاظت کرنا ہوگی۔ لوگوں سے اُن امور کا تذکرہ مت کرنا جو میں نے تیرے سامنے بیان کیے ہیں۔

لوگ اس سے اتنا حسد کریں گے جتنا انھوں نے کسی سے نہ کیا ہوگا۔

اس کی اتنی مخالفت ہوگی کہ کسی اور کی کیا ہوئی ہوگی۔

مگر تمھیں خوشخبری ہو کہ تمھارا یہ بیٹا ہی غالب رہے گا۔

عبدالمطلب نے عیص سے پوچھا؟

اس لڑکے کی عمر کیا ہوگی۔

میری کتابوں کے مطابق اکسٹھ یا تریسٹھ سال۔

اور یہی اس کی امت کے لوگوں کی عمر بھی ہوگی۔

حضرت کعب بن احبارؓ سے روایت ہے کہ؛

اسلام سے پہلے میں نے مذہب یہودیت اختیار کرر کھا تھا۔میں چونکہ پڑھنا جانتا تھا۔اس لیے میں نے تورات میں پڑھ رکھا تھا کہ نبی اکرمﷺ مکہ میں پیدا ہوں گے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی اکرمﷺ حضرت آمنہ کے گھر پیدا ہوئے تب میں نے آپﷺ کی دایہ گیری کی اُن کا نام شفاء تھا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

ابن دحیہ نے لکھا ہے کہ نبی اکرمﷺ کی دایہ اُمّ ایمن تھیں۔

اِن دونوں روایات میں مطابقت ہے کوئی تضاد نہیں اس لیے کہ آپﷺ کی دایہ تو شفاء ہی تھیں ۔تاہم ام یمن چونکہ حضرت عبداللہ کی لونڈی تھیں اُن کا اصل نام برکتہ تھا اور حضرت آمنہ کی وفات کے بعد وہی نبی اکرمﷺ کی خبر گیری کرتی رہیں تھیں۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

شفاء کہتی ہیں کہ جب آپﷺ میرے ہاتھوں پہ آنے کے بعد روئے تب میں نے کسی کہنے والے کو کہتے سنا

یَرْحَمُكَ اللّٰهُ تَعَالٰی اللہ تعالیٰ تجھ پہ رحم فرمائے"۔

یا یوں کہا! **رَحِمَكَ رَبُّكَ** تیرے پروردگار نے تجھ پہ رحمت فرمائی"۔

یا یوں کہا! **يَرْحَمُكَ رَبِّكَ** تیرا رب تجھ پہ رحم فرمائے۔

حضرت شفاء کا کہنا کہ میں نے اُس کہنے والے کو جو کہتے سنا اس کی تصدیق قصیدہ ہمزیہ کے اشعار سے بھی ہوتی ہے۔

مثال کے طور پہ یہ شعر پیش ہے۔

شَمْتَتْهُ الْاَمْلَاکُ اِذْ وَضَعَتْہ'
وَشَفَتْنَا بِقَوْلِهَا الشِّفَاء

آپ ﷺ کی پیدائش کے وقت'' تشمیت'' کہی گئی۔یعنی یرحمک اللہ کہا گیا جس کے متعلق ہمیں آپ ﷺ کی دایہ شفاء نے بتایا جو نبی اکرم ﷺ دایہ تھیں اور وہ حضرت عبدالرحمان ابن عوف ؓ کی والدہ ہیں انھوں نے یہ خبر دے کر ہمیں خوش کیا تھا

✡✡✡✡✡✡✡✡

مورخین نے بیان کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی پیدائش کائنات کا اہم واقعہ تھی۔اس امر کی گواہی عرب شعرا کے ہاں بھی بکثرت پائی جاتی ہے۔خاص طور پہ قصیدہ ہمزیہ میں ہر اس واقعہ کی خبر دی گئی ہے جو سحر ولادت پیش آئے تھے۔قصیدہ ہمزیہ کے چند شعر پیش خدمت ہیں مگر پہلے صاحبِ عیون الاثر کے چند اشعار؛

لِمَوْلِدِہٖ اِیْوَانِ کِسْرٰی تَشُقَّقَتْ
مَبَانِیْہِ وَانحِتّ عَلَیْہِ شُنُوْنَہ'

اس روز آنحضرت محمد ﷺ کی پیدائش مبارک کی برکت سے کسریٰ شاہ فارس کے محل کی بنیادیں پھٹ گئیں اور اِن پہ اس کی دیواریں آ گریں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

لَمَوْلِدِہٖ خَیَّرَتْ عَلَا شَرْفَاتَہ'
فَلَاشَرْفَ بِفَارَسْ یَبْقٰی حَصِیْنَہ'

آپ ﷺ کی پیدائش مبارک سے اس کی بلندیاں جھک گئیں اور اب فارس والوں کا ایسا کوئی اعزاز نہ بچا تھا جو اُن کی عظمت کی دلیل ہوتا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

لَمُوْلَدِہٖ نِیرَانِ فَارِسَ اَخْمَدَتْ
فَنُوْرِھِمْ اَخْمَادُہٗ کَانَ خَصِیْنَہ ‘

آنحضرت محمد ﷺ کی پیدائش مبارک کے موقع پر فارس کے آتش کدوں کی آگ بھی بجھ گئی تھی۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

لِمَوْلِدِہٖ غَاضَتْ بُحِیْرۃُ سَاوَۃُ
وَاَعْقَبَ ذَاكَ الْمدّ جُورَیْشِیْنَۃ ً

آپ ﷺ کی پیدائش مبارک سے دریائے سادہ کا پانی خشک ہوگیا تھا اور اس کے بعد اس میں مزید خرابی پیدا ہوگئی تھی۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

کَاَنْ لَمْ یکُنْ بِالْاَ مْس رَیَا لَنَاھُل
وَوُرْدَ العَیْن المُسْتَھَام مُعَیْنَہ ‘

گویا کل اس چشمے پہ کوئی تری نہ تھی اور نہ ایک پیاسے کے لیے وہاں آنے میں کوئی دلکشی تھی۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

وَتَداعیْ اَیْوَانِ کسرٰیٰ وَلَوْلا
اٰیَۃَ مِنْکَ مَاتُدْاِعیِ السُبْنَاء

کسریٰ کا محل گر گیا اگر یہ بات آپ ﷺ کی پیدائش کی نشانی نہ ہوتی تو وہ محل ہرگز گرنے والا نہ تھا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

وَغَدَا كُلِّ بَيْتَ نَارٍ وَفِيمِ
كَرِيَّةٌ مِنْ خَمُودِهَا وَبِلَاءَ

مجوسیوں کے ہاں اُن کی مقدس آگ بجھ جانے کی وجہ سے صفِ ماتم بچھ گئی تھی۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

وَعِيُونٍ لِلفَرِسُ غَارِثُ فَهُلُ كَا
نَ لِنَيْرَا نِهِمْ بِهَا اِطْفَاء

اہل فارس کے پانی کے چشمے سوکھ گئے تھے تو کیا اسی پانی نے فارس کے آتش کدوں کو بھی بجھایا تھا [*5]۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

علامہ عبداللہ سہیلیؒ نے واقدی سے یہ روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ اُن لوگوں میں شامل تھے جنھوں نے جھولے سے کلام کیا۔ علامہ برہان الدین حلبیؒ نے بھی سیرت حلبیہ میں اس سے ملتی جلتی کئی روایات درج کی ہیں۔ یاد رہے کہ اللہ کے انبیاء کے تصرفات اور اقتدار کی وسعت کے متعلق قطعاً کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ بلکہ لوگوں نے تو اللہ کے عبادت گذار بندوں کے تصرفات کو بھی اس شدمد سے بیان کیا ہے کہ گمان اُن تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا کجا کہ بات پیغمبروں کی ہو اور نبی اکرم ﷺ تو پیغمبروں کے بھی سردار ہیں۔

روایت کی گئی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی پیدائش مبارک کے بعد آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سنے گئے۔

اللّٰہُ اَکْبَرَ کَبِیْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْراً وَ سُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا ۔

"اللہ تعالیٰ کے لیے ہر عیب سے پاکی ہے صبح بھی اور شام بھی"۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

پالنے میں بولنے والے بچے بہت سے ہیں جن میں اللہ کے انبیاء ورسل بھی شامل ہیں اور اللہ کے نیک بندے بھی۔جلال الدین سیوطی نے جھولے میں کلام کرنے والوں کو نظم کیا بھی ہے چند شعر ملاحظہ ہوں۔

تکلم فِی المهد النبی محمدٍ

وَیَحیٰی وَ عَیسیٰ وَالخَیل و مَریم

اور آنحضرت محمد ﷺ نے گہوارے میں کلام فرمایا!اور یحییٰ علیہ السلام نے بھی عیسیٰ علیہ السلام نے بھی ،اورابراہیم علیہ السلام نے بھی اور مریم علیہا السلام نے بھی۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

ومبری جویج ثم شاهد یوسف

وَطفل لدی الاخدود یرویه مسلم

اوراس بچے نے جس نے برأت کی جریج کی اوراس نے جس نے گواہی دی تھی حضرت یوسف علیہ السلام کی اور جس نے کلام کیا تھا کھائی کے پاس سے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

وطفل علیه مر بالامة التی

یقال لها تزنی ولا تتکلم

اوراس بچے نے جسے اس کی ماں لے کے گزری تھی جس کے بارے میں سب کہتے تھے کہ وہ بدکار ہے مگر وہ کچھ نہ بولتی تھی۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

وما شطة فی عهد فرعون طفلها
و فی زمن الهادی المبارك یختم

اور فرعون کے زمانے میں ایک عورت ماشطہ کے بچے نے کلام کیا تھا اور امیر المومنین ہادی کے دور میں بھی ایک بچے نے کلام کیا تھا۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

آپ ﷺ کے رتبے کے بارے میں یہ عجیب روایت باوجود اس کے کہ مورخین نے اس کا ضعف بیان کیا ہے میں نے اس لیے یہاں درج کی ہے کہ یہ روایت مجھے بہت پسند آئی۔ اگر چہ یہ روایت اسلوب روایت پہ پورا نہیں اترتی۔ مگر اس کے باوجود یہ مجھے حقیقت سے اس لیے قریب تر لگی کہ یہ روایت ابن عباسؓ نے بیان کی ہے۔ اس روایت سے نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ ﷺ کا رتبہ ظاہر ہوتا ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ ہوسکتا ہے کہ یہ روایت درست ہو اس لیے کہ کائنات میں آپ ﷺ سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے کسی اور سے محبت نہیں کی جس کا قرآن میں کئی جگہ تذکرہ آیا ہے اور مظاہر کائنات جس طرح آپ ﷺ کے مطیع تھے اور آپ ﷺ کے لاڈ لڈاتے تھے اس میں اسی کا تذکرہ ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ جب میں اسلام لے آیا تو ایک دن میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا! یا رسول ﷺ ۔

میں تو اس وقت سے آپ ﷺ کے رتبے اور نبوت سے واقف ہوں جب آپ ﷺ میری گود میں تھے۔ آپ ﷺ کو شاید اس کا علم نہ ہو۔ مگر میں جانتا ہوں کہ ایک دفعہ جب میں آپ ﷺ کو گود میں لیے ہوئے تھا تب آپ ﷺ میری گود میں کھیل رہے تھے۔ آپ ﷺ کی نظریں چاند کی طرف تھیں پہلے تو میں نے غور نہ کیا پھر جب میں نے اس عجیب بات کو محسوس کیا تو جانا کہ آپ ﷺ جس طرف اپنی انگلی لے جاتے ہیں چاند بھی اسی طرف سرک جاتا۔ آپ ﷺ بہت دیر تک چاند سے کھیلتے رہے بلکہ چاند آپ ﷺ کو کھیلاتا رہا میں نے یہ بات کبھی کسی سے نہیں کہی

اس لیے کہ میں اس انتظار میں تھا کہ آپ ﷺ کوئی بلند رتبہ حاصل کریں۔

نبی اکرم ﷺ اپنے چچا کی بات سن کے مسکرائے اور کہا؛

سبحان اللہ!

اے چچا آپ کا یہ کہنا کہ شاید میں اس امر سے آگاہ نہ تھا غلط ہے بلکہ میں تو چاند سے باتیں کرتا تھا اور چاند مجھ سے باتیں کرتا تھا۔ جب میں رونے لگتا تو وہ مجھے بہلائے رکھتا اور جب وہ عرش کے نیچے اپنے رب کے سامنے گر کے سجدہ کرنے جاتا ہے تب میں اس کے گرنے کی آواز تک سنا کرتا تھا۔

علامہ برہان الدین حلبیؒ کے علاوہ اس روایت کو عیون الاثر میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے رتبے اور مقام کو بیان کرنے کے لیے وہ الفاظ ہی موجود نہیں ہیں جو آپ ﷺ کی تعریف و توصیف کا حق ادا کر سکیں آپ ﷺ ہادی برحق اور مرشد کامل ہیں اس لیے نبی اکرم ﷺ کے اسوہ کی پیروی میں ہی فلاح کی منزلوں کی نوید ہے۔

❖ ❖ ❖



نبی اکرم ﷺ کے نام کے بارے میں مورخین نے بہت سا تحقیقی کام کیا ہے۔ یہ بات تو ظاہر ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ کے جتنے بھی نام ہیں وہ سب کے سب اُن خوبیوں اور صفات کا پتا دیتے ہیں جو آپ ﷺ میں پائی جاتی تھیں اور جن صفات کی وجہ سے آپ ﷺ کی تعریف کی جاتی ہے اور آپ ﷺ کا مکمل انسان ہونا بھی ظاہر ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کے ہر وصف اور ہر خوبی سے آپ ﷺ کا ایک نام بنتا ہے۔ ابو جعفر بن محمد بن علی ابن حسین ابن علی بن ابی طالب نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ تو علم کا ایک اتھاہ سمندر ہیں۔ بعض مورخین نے بیان کیا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار نام ہیں۔ اسی طرح آنحضرت محمد ﷺ کے بھی ایک ہزار نام ہیں [6*]۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

دیگر مورخین نے بیان کیا ہے کہ جب آنحضرت محمد ﷺ حمل کی صورت حضرت آمنہ کے پیٹ میں تھے تب اُن کو خواب میں حکم دیا گیا کہ تم اپنے بیٹے کا نام احمد رکھنا۔

ابن اسحاق ؒ نے کہا کہ خواب میں حضرت آمنہ کو محمد نام رکھنے کا حکم دیا گیا اور یہ روایت احمد کے مقابلے میں زیادہ معروف ہے اور احمد نام رکھنے والی روایت حافظ دمیاطی ؒ نے نقل کی ہے۔

تاہم کتاب امتاع میں بیان کیا گیا ہے کہ جب آنحضرت محمد ﷺ پیدا ہوئے اس سے تھوڑا عرصہ پہلے حضرت ابو طالب کے ایک بیٹے قثم نے تین سال کی عمر میں انتقال کیا جس سے حضرت عبدالمطلب کو بہت محبت تھی اس لیے جب اللہ تعالیٰ نے اُن کو محمد ﷺ کی صورت ایک پوتے سے نوازا تب انھوں نے آپ ﷺ کا نام قثم رکھا![*7]

جب اس امر کا ذکر حضرت آمنہ کو ہوا تو آپ نے حضرت عبدالمطلب کو بلا بھیجا اور کہا؛ اُن کا نام تو اللہ تعالیٰ نے محمد رکھا ہے اور اللہ کے فرشتے نے مجھے اس امر کی تاکید کی ہے[*8] ۔

اس پہ حضرت عبدالمطلب نے بہت خوشی کا اظہار کیا اور حضرت آمنہ سے کہا؛

جیسا تم نے کہا ہے ویسا ہی ہوگا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

چنانچہ حضرت ابن عباسؓ نے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ کی پیدائش کے ساتویں روز آپ ﷺ نے ایک بھیڑ ذبح کی اور آپ ﷺ کا عقیقہ کیا بنو ہاشم کی دعوت کی اور اُن سے کہا میں نے اپنے پوتے کا نام محمد رکھا ہے۔[*9]

لوگوں نے حضرت عبدالمطلب سے سوال کیا؟

اے ابوالحرث یہ کیسا نام ہے؟

تم نے اپنے بچے کا نام باپ دادا کے نام پہ کیوں نہیں رکھا؟

حضرت عبدالمطلب نے جواب دیا۔

اس سے میری تمنا یہ ہے کہ آسمانوں میں اللہ تعالیٰ اس بچے کی تعریف فرمائیں اور زمین پہ لوگ اس کی تعریف کریں۔

یہ بات اس مشہور قول کے مطابق ہے کہ آپ ﷺ کے دادا نے آپ ﷺ کا نام محمد اللہ تعالیٰ کی جانب سے دل میں ڈالے جانے کی بنا پہ رکھا تھا جس میں یہ نیک فال بھی شامل تھی کہ آپ ﷺ کی

اِن عمدہ صفات اور خوبیوں کی وجہ سے جن کی تعریف کی جاتی ہے ساری مخلوق آپ ﷺ کی بہت زیادہ تعریف کرے اور یہی وجہ ہے کہ یہ نام زیادہ عمدہ اور مراد کے لحاظ سے زیادہ صحیح ہے اگر چہ محمود کے معنی بھی وہی ہیں جو محمد کے ہیں یعنی وہ جس کی تعریف کی جائے مگر محمد کے معنی یہ ہیں جس کی بہت زیادہ تعریف کی جائے۔ چنانچہ دربارِ رسالت کے شاعر اور مشہور صحابی حضرت حسانؓ بن ثابت کہتے ہیں کہ!

فَشَقَّ لَہٗ مِنْ اِسْمِہٖ لِیَجِلہٖ
فذوا العَرشِ مَحْمُودٌ وھٰذاَ مُحَمَّدٌ

آنحضرت محمد ﷺ کی عظمت کی وجہ سے آپ ﷺ کا نام اللہ تعالیٰ کے نام سے بنایا گیا ہے پس اللہ تعالیٰ محمود ہیں اور آپ ﷺ محمد ہیں ۔'' [*10]

۞۞۞۞۞۞۞۞

کتاب ''الخصائص صغریٰ'' میں بیان کیا گیا ہے کہ!

'' آنحضرت محمد ﷺ کے نام میں یہ خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ کا نام احمد ﷺ رکھا گیا کیونکہ آپ ﷺ کا نام اللہ تعالیٰ کے پاک نام سے نکلا ہے۔ نیز یہ بھی آپ ﷺ کے نام کی خوبی ہے کہ آپ ﷺ کا نام احمد رکھا گیا جب کہ آپ ﷺ سے پہلے یہ نام کسی کا نہیں رکھا گیا تھا اور آپ ﷺ کے نام محمد ﷺ کے معنی کثرت اور زیادتی کے ہیں یعنی محمد صرف اسی کو کہا جائے گا جس کی بار بار تعریف کی جائے''۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ لفظ (محمد) کثرت اور مبالغہ کے صیغوں میں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے معنی میں کثرت اور زیادتی پائی جاتی ہے مگر یہ کثرت اور مبالغہ اس لفظ کو استعمال کرنے کے لحاظ سے ہے ورنہ یہ لفظ حقیقت کے لحاظ سے مبالغہ کے معنی میں نہیں۔ اس لیے کہ مبالغہ کے معنی دینے والے جو صیغے ہیں اِن کے اوزان صرف پانچ ہیں اور لفظ محمد اِن لفظوں میں سے نہیں ہے۔

آنحضرت محمد ﷺ کا نام محمد ﷺ رکھنے کی جو وجہ اوپر بیان کی گئی ہے کہ اس نام کی وجہ سے زمین و آسمان میں آپ ﷺ کی تعریف کی جائے تو اس سے یہ مقولہ ثابت ہوتا ہے کہ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اسم اور مسمیٰ میں موافقت پائی جائے یعنی نام اور نام والے میں اچھائی و برائی پاکیزگی اور عدم پاکیزگی کے لحاظ سے مناسبت اور موافقت ہونی چاہیے۔یعنی جو نام کے معنی ہیں وہ صفات نام والے کی ذات میں موجود ہونی چاہئیں۔یعنی اگر کسی کا نام فاضل ہے تو اس شخص کو عالم فاضل بھی ہونا چاہیے یا اگر کسی کا نام شریف ہے تو اس شخص کو کردار و اخلاق کے حوالے سے بھی شریف ہونا چاہیے۔ تاکہ وہ نام اس کی شخصیت پہ سجے بھی۔

اور ناموں کی ایک اہمیت بہر حال موجود ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے بہت سے لوگوں کے نام اُن کے افعال و کردار کی وجہ سے بدل دیئے تھے۔اور ایسا بھی ہوا ہے کہ کفار کے برے اعمال کی وجہ سے بھی آپ ﷺ نے اُن کے نام بدل دیئے تھے۔جیسا کہ آپ ﷺ نے عمرو بن ہشام یعنی ابوحکم کا نام بدل کر ابوجہل رکھ دیا تھا۔یہاں تک کہ لوگ اس کا اصل نام بھول گئے اور آج تک وہ تاریخ کے صفحات میں جاہلوں کے باپ یعنی ابوجہل کے نام سے مقبول ہے۔

اسی طرح ایک اور دشمن اسلام ابو عامر جس کو لوگ ابو عامر راہب کے نام سے جانتے تھے مگر آپ ﷺ نے اُس کا نام بدل کر ابو عامر فاسق رکھ دیا تھا۔

آپ ﷺ ناموں کا یہاں تک لحاظ رکھا کرتے کہ حدیث شریف میں بیان ہوا ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ نے صحابہؓ کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے تب آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: کسی کو کہو میری اونٹنی کا دودھ دوہے۔ایک شخص آگے بڑھا تاکہ وہ آپ ﷺ کی اونٹنی سے دودھ نکالے۔

آپ ﷺ نے اس سے کہا! ٹھہرو، وہ شخص ٹھہر گیا!

آپ ﷺ نے پوچھا تمھارا نام کیا ہے؟

اس شخص نے جواب دیا!

میرا نام حرب ہے (یعنی جنگ بمعنی قتل و قتال)۔

آپ ﷺ نے اُس شخص سے فرمایا تم رہنے دو۔

اس پہ صحابہؓ میں سے ایک اور شخص آگے بڑھا تاکہ آپ ﷺ کی اونٹنی سے دودھ نکالے۔ آپ ﷺ نے اس شخص کو پکارا اور کہا! ٹھہرو۔

وہ شخص بھی ٹھہر گیا آپ ﷺ نے پوچھا تمھارا نام کیا ہے؟

اس نے شخص نے کہا!

میرا نام یعیش ہے (بمعنی زندگی)۔

آپ ﷺ نے فرمایا! اچھا ٹھیک ہے تم دودھ نکالو۔

اس طرح گویا آپ ﷺ نے ایک برے نام والے شخص پہ ایک اچھے نام والے شخص کو ترجیح دی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اسی طرح کی ایک اور روایت میں بیان کیا گیا کہ آپ ﷺ نے ایک کنواں کھدوانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ ایک شخص کو آپ ﷺ کے پاس لایا گیا کہ وہ کنواں کھودنا جانتا تھا۔

آپ ﷺ نے اس شخص سے پوچھا تمھارا نام کیا ہے؟

اس شخص نے جواب دیا! میرا نام مُرّہ ہے! (بمعنی کڑوا یا بخیل)۔

آپ ﷺ نے اس شخص سے کہا! تم جاؤ۔

یعنی آپ ﷺ نے اس شخص سے کام لینا پسند نہیں کیا جس کا نام ہی اتنا برا تھا۔

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ اچھے ناموں کو برے ناموں پہ ترجیح دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ ﷺ کسی شخص کو کسی جگہ کا عامل یا حکمران مقرر کرتے تب آپ ﷺ اُس شخص کو حکم دیتے کہ جب تم اپنی طرف سے کسی شخص کو ایلچی یا قاصد بنا کر میری طرف بھیجو تو دو باتوں کا خیال رکھنا ایک تو یہ کہ وہ شخص صاحبِ وجاہت ہونا چاہیے اور دوسرا یہ کہ اس شخص کا نام اچھا ہونا چاہیے۔ ایسے لوگ جن کے نام نبی اکرم ﷺ نے اس وجہ سے تبدیل کیے کہ آپ ﷺ کو وہ نام پسند نہ تھے اُن کے متعلق علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے باقاعدہ ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

یہ واقعہ تو مورخین کے ہاں مقبول ہے کہ حزن ابن ابو وہب فتح مکہ کے روز اسلام لائے اور وہ آپ ﷺ کے صحابی حضرت ابن مسیبؓ کے دادا تھے۔ آپ ﷺ کو اُن کا نام حزن پسند نہ آیا کیونکہ اس کے معنی رنج وغم کے ہیں اس لیے آپ ﷺ نے چاہا کہ آپ ﷺ اُس کا نام بدل دیں۔

آپ ﷺ نے حزن سے کہا:

تم اپنا نام حزن کی بجائے سہل کیوں نہیں رکھ لیتے۔

تب حزنؓ نے کہا میرے باپ دادا نے میرا جو نام رکھا ہے میں اس کو بدلنا پسند نہیں کرتا۔

آپ ﷺ خاموش ہو رہے۔

لوگ اس بات سے آگاہ تھے کہ نبی اکرم ﷺ کی بات کو رد کرنا نامناسب امر ہے اس لیے لوگوں نے اس خاندان پہ نگاہ رکھی۔ خود حزن کے پوتے ابن مسیب نے کہا! کہ اُن کے دادا نے نبی اکرم ﷺ کی بات نہ مان کر ہمارے لیے مصیبت خرید لی تھی اس لیے کہ مدتوں ہمارے خاندان نے خوشی اور مسرت کا دور نہیں دیکھا اور ہم ہمیشہ رنج والم میں ہی الجھے رہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اسی ضمن میں ابو نعیم نے حضرت عبدالمطلب سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا:

ایک دن میں حجر میں سو رہا تھا کہ میں نے ایک ایسا خواب دیکھا جس سے میں بے حد خوفزدہ اور پریشان ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک درخت اُگ آیا ہے جس کی چوٹی آسمان کو چھونے لگی ہے۔ اس کی شاخیں مشرق ومغرب کی طرف پھیل رہی ہیں۔ اس درخت سے روشنی اور نور نکل رہا تھا۔ میں نے اس سے زیادہ چمکدار نور کہیں نہیں دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ عرب وعجم کے لوگ اس شجر کو سجدہ کر رہے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ یہ درخت ہر گھڑی پھیلتا جا رہا تھا وہ ہر گھڑی زیادہ روشن اور زیادہ اونچا ہوتا چلا جا رہا تھا۔ پھر میں نے قریش کی ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ اس درخت سے لٹکی ہوئی ہے اور ساتھ ہی میں نے قریش کی ایک اور جماعت کو دیکھا جو اس درخت کو کاٹنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ جب یہ لوگ اس درخت کو کاٹنے کے لیے اس کے قریب پہنچتے تو ایک بہت ہی خوبصورت شخص کہ اتنا حسین وجمیل شخص میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہ دیکھا تھا وہ اِن لوگوں کو پیچھے

ہٹا دیتا اوراس نو جوان کے جسم سے خوشبو کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔ جب یہ لوگ دوبارہ کوشش کرتے تب وہ اِن قریشیوں پہ سختی کرتا ہے۔ وہ کسی کی کمر توڑ دیتا ہے تو کسی کی آنکھیں نکال لیتا ہے۔تب میں اس درخت کی طرف بڑھا کہ میں بھی اس سے اپنا حصہ وصول کر سکوں مگر میں اس درخت تک نہیں پہنچ سکا۔ میں بہت کوشش کرتا ہوں مگر میرا ہاتھ اس درخت تک نہیں پہنچ سکا۔

اسی کشمکش میں میری آنکھ کھل جاتی ہے۔

تب میں بہت خوفزدہ اور پریشان تھا۔ چنانچہ میں وہاں سے سیدھا قریش کی ایک کاہنہ کے پاس پہنچا ۔اس نے مجھے دیکھتے ہی اندازہ کرلیا تھا کہ میں کسی وجہ سے پریشان ہوں۔

چنانچہ اُس نے مجھ سے استفار کیا؟

سردارِ قریش کو کیا حادثہ پیش آ گیا ہے کہ اُن کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا ہے۔

میں نے اس سے اپنا خواب بیان کیا اور اس کی تعبیر معلوم کرنا چاہی۔

کاہنہ نے غور سے میری بات سنی اور میں نے دیکھا کہ میں جوں جوں اپنے خواب کے بیان میں آگے بڑھتا ہوں اب کے کاہنہ کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا تھا۔

پھر اُس نے کہا!

میں تو یہ جانتی ہوں کہ یہ خواب ایک سچا خواب ہے اور تمھاری صلب سے کوئی ایسا شخص جنم لے گا جس کا اقتدار مشرق سے مغرب کی طرف پھیلتا چلا جائے گا۔

لوگ اُس کے بتائے ہوئے راستے پہ چلنے لگیں گے۔

حضرت عبدالمطلب کہتے ہیں کہ میں نے کاہنہ سے اس خواب کی تعبیر جانی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر مجھے ایک خیال آیا اور میں پھر بیٹھ گیا۔

میں نے اس سے پوچھا؟

یہ تو بتا کہ میرا ہاتھ اس درخت تک کیوں نہیں پہنچا؟

کاہنہ میری بات کے جواب میں مسکرا دی اور کہا!

اس کی تعبیر بہت آسان ہے۔اتنی سادہ سی بات بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آئی۔

اس کا معنی یہ ہے کہ تمھاری نسل سے جس شخص کو یہ عروج حاصل ہوگا اور وہ مشرق سے لے کر مغرب

تک حکومت واقتدار حاصل کرے گا یہ واقعہ تمھاری موت کے بعد پیش آئے گا۔

حضرت عبدالمطلب کہتے ہیں کہ میں کاہنہ کے پاس سے اٹھ آیا اور تب سے میں نے اپنے بیٹوں کو غور سے دیکھنا شروع کیا۔اُن کی صفات کو جانچنا شروع کیا تا کہ میں جان سکوں کہ اِن میں سے وہ کون ہوگا جس کو وہ قدر ومنزلت حاصل ہوگی جس کے متعلق میں نے خواب میں دیکھا تھا۔مگر مجھے اُن میں سے کوئی بھی اُن اوصاف کا حامل نظر نہ آیا۔بجز ابوطالب کے کہ شاید یہ وہی ہو مگر پھر یہ خیال بھی میرے دل سے محو ہوتا چلا گیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حضرت محمد ﷺ کی صورت مجھے ایک نعمت اعظمیٰ سے نوازا۔اور میں پہلے ہی دن سے جان گیا تھا کہ وہ خواب میں نے اپنے جس بیٹے کے لیے دیکھا تھا وہ یقیناً محمد ﷺ ہیں۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

کتابِ شفاء میں نبی اکرم ﷺ کے ناموں کے ضمن میں تحریر کیا گیا ہے کہ اِن دوناموں یعنی محمد اور احمد میں آنحضرت ﷺ کی زبردست نشانیاں چھپی ہوئی ہیں۔شاید اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اِن دونوں ناموں کو محفوظ رکھا تھا کہ آپ ﷺ سے پہلے لوگ اِن ناموں سے آشنا نہ تھے اور نہ ہی لوگوں نے اپنے بیٹوں کے یہ نام رکھے تھے۔اگر چہ آپ ﷺ کا نام احمد پرانی الہامی کتابوں میں مذکور ہے اور اسی نام سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو آپ ﷺ کی آمد کی خوشخبری سنائی ہے مگر اس کے باوجود یہ اہتمام کیا گیا کہ لوگ اس نام کو استعمال نہ کریں اور سب سے پہلے آنحضرت ﷺ ہی کو محمد اور احمد کے ناموں سے پکارا جائے۔یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت ہی تھی کہ اِن ناموں کی اس طرح سے حفاظت کی گئی کہ جب سے یہ دنیا پیدا ہوئی ہے خطہ ارض پہ محمد ﷺ سے پہلے کسی شخص کو محمد اور احمد کے نام سے نہیں پکارا گیا۔چنانچہ محمد اور احمد کے نام بھی من جملہ اُن خصوصیات میں شامل ہیں جو آپ ﷺ کو دیگر انبیاء ورسل پہ حاصل تھیں۔پھر امت نے آپ ﷺ کی محبت میں اس نام کو اس قدر اختیار کیا کہ ایک ارب ساٹھ کروڑ لوگوں میں سے تقریباً آدھے لوگوں کے نام محمد یا احمد ہیں۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

قاضی عیاض کی کتاب ''الشفاء'' میں آگے بیان ہوا ہے کہ لفظ احمد میں تعریف وحمد کا فعل وہ فعل ہے جو آنحضرت ﷺ کی بجائے دوسروں سے آپ ﷺ کی ذات کے لیے واقع ہو رہا ہے اور ساتھ ہی حمد و تعریف کرنے کا فعل وہ فعل بھی ہے جو فاعل یعنی آنحضرت محمد ﷺ سے سرزد ہو رہا ہے۔ چنانچہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ہی وہ ذات ہیں جو اپنے پروردگار کی سب سے زیادہ حمد وثنا کرنے والے ہیں اور آپ ﷺ ہی کی ذات ہے جس کی تعریف وتوصیف تمام مخلوق نے دوسروں کے مقابلے میں سب سے زیادہ اور سب سے اعلیٰ انداز میں کی ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ احمد پہلے ہیں اور محمد ﷺ بعد میں جس کی وجہ انھوں نے یہ بیان کی ہے کہ آپ ﷺ محمد سے پہلے احمد ﷺ اس لیے ہیں کہ آپ ﷺ کی تعریف دوسروں نے بعد میں کی۔ اس سے پہلے آپ کی شان یہ ہے کہ آپ ﷺ خود اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد وثنا کرنے والے ہیں۔ اگرچہ قاضی عیاض کی کتاب شفاء میں بیان کیے گئے استدلال کے برخلاف علامہ عبداللہ سہیلی نے احمد کے یہ معنی مراد لیے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ تعریف کرے گا وہ احمد ہے۔ اسی لیے تو انھوں نے کہا کہ آنحضرت محمد ﷺ کی یہ شان پہلے ہے کہ آپ ﷺ احمد ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد وثنا کرنے والے۔

سابقہ کتب میں آپ ﷺ کو پہلے احمد کے نام سے پکارا گیا ہے اور محمد ﷺ کے نام سے بعد میں۔ اس لیے کہ پہلے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی خوب شان بیان کی۔ اس کے بعد اللہ کی مخلوق نے آپ ﷺ پہ خوب درود وسلام بھیجا اس لیے آپ ﷺ پہلے احمد ہیں اور پھر محمد ﷺ''۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

یہاں ہم محدثین کی کچھ روایات بیان کرنا چاہتے ہیں جن کا تعلق رسول اللہ ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اور اِن روایات میں محمد ﷺ اور احمد ﷺ کا تذکرہ ہے۔

☜ حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا؛

''انجیل میں میرا نام احمد ہے تورات میں محمد ہے اور قرآن میں بھی محمد ہے''۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

☜ آنحضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ؛

ہر ایسا دستر خوان جس پہ کوئی محمد یا احمد نامی شخص آ کے بیٹھا ہو اللہ تعالیٰ اس دستر خوان بچھانے والے گھر کے مکینوں کو دن میں دو بار برکت اور پاکیزگی عطا کرتا ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

☜ اور ایک روایت یہ ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ؛

جس شخص کے ہاں بیٹا ہوا اور اس نے میری محبت کی وجہ سے اپنے بیٹے کا نام محمد رکھا تو وہ شخص اور اس کا بیٹا دونوں جنت میں جائیں گے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

☜ اور ایک روایت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا؛

کہ اگر تمھاری محفل میں کوئی محمد نامی شخص داخل ہو تو اس کی تکریم کرو مجلس میں اس کے لیے جگہ بناؤ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد کے نام میں برکت رکھی ہے اور اس گھر میں بھی محبت رکھی ہے جس میں محمد نامی شخص رہتا ہو۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

☜ اور ایک روایت یہ ہے کہ؛

اگر تم اپنے بچے کا نام محمد رکھو تو پھر اس کو گالی مت دو۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

☜ ابن عباسؓ نے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے تین بیٹے عطا کیے مگر اُس نے اُن میں سے کسی ایک کا نام بھی میرے نام پہ یعنی محمد اور احمد نہ رکھا تو اس نے جہالت کا عمل کیا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

☜ محدثین نے یہ روایت بھی درج کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا؛

اگر کسی شخص کے ہاں بیٹا نہ ہوتا ہو تو اس کو چاہیے کہ جب اس کی بیوی حاملہ ہو تب وہ اپنی بیوی کے پیٹ پہ ہاتھ رکھے اور یہ نیت کرے کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے بیٹا عطا کرے تو وہ اس کا نام محمد رکھے گا تب اللہ تعالیٰ اس کو بیٹا عطا فرمائیں گے''۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

☜ ایک روایت یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ؛

جب لوگ کسی مشاورت کے لیے جمع ہوں اور اُن میں محمد یا احمد نامی شخص بھی شامل ہو تب اللہ تعالیٰ اُن کے لیے خیر کی کوئی راہ نکال دے گا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

☜ ایک روایت یہ بھی ہے کہ؛

ایک عورت نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئی اور عرض کی کہ اس کے ہاں بیٹی پیدا ہو تو زندہ رہتی ہے مگر بیٹا پیدا ہو تو مر جاتا ہے اور ایسا بارہا ہو چکا ہے اس لیے نبی اکرم ﷺ اُس کے لیے دعا کریں

نبی اکرم ﷺ نے اُس عورت سے کہا؛

اب جب تو حاملہ ہو تو نیت کرنا کہ اُس بچے کا نام محمد رکھوگی تو وہ زندہ رہے گا راویوں نے بیان کیا ہے کہ پھر اُس عورت کے ہاں بیٹے ہوئے اور زندہ بھی رہے''۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

☜ اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ!

عربوں کے ہاں دستور یہ تھا کہ جب وہ کسی شخص کی عزت واحترام کرتے تو اس کی کنیت یعنی لقب رکھتے اور اُن کی اولاد میں سے جو سب سے زیادہ لائق ہوتا وہ اسی کے نام پہ اپنی کنیت رکھا کرتے۔ چنانچہ حضرت علیؑ بن ابی طالب نے کہا کہ جنت میں ہر شخص کو اس کے نام ہی سے پکارا جائے گا مگر حضرت آدمؑ کو ابو محمد ﷺ کہہ کے پکارا جائے گا جس سے حضرت آدمؑ کی تعظیم اور آنحضرت محمد ﷺ کی توقیر واحترام مقصود ہوگا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

☜ اور ایک روایت یہ ہے کہ؛

جب قیامت کا دن ہوگا اور ایک پکارنے والا پکار کے کہے گا!

اے محمد!

اٹھو اور جنت میں داخل ہو جاؤ۔

فرشتے نے تو دراصل محمد ﷺ کو پکارا ہوگا مگر محمد نامی تمام اشخاص اٹھیں گے اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہو جائیں گے اور اُن کے نام کے احترام کی وجہ سے اِن میں سے کسی کو بھی نہیں روکا جائے گا۔[*11]

❖❖❖



علامہ ابن کثیر کی کتاب "**البدایہ والنہایہ**" میں بیان کیا گیا ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ پیدا ہوئے تب آپ ختنہ شدہ تھے۔ آپ ﷺ کی آنول بھی کٹی ہوئی تھی جس کو عام طور پہ بعد میں دایہ کاٹا کرتی ہے۔ چنانچہ حضرت عبدالمطلب یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور انھوں نے کہا یقیناً میرے اس بیٹے کی بڑی شان ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس خیال کو سچ کر دیا اور نبی اکرم ﷺ کی شان سب سے اونچی ہے۔ شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے بھی اس امر کو آپ ﷺ کی شان قرار دیا ہے اور اسے آپ ﷺ کی خصوصیات میں شامل کیا ہے۔ علاوہ ازیں علامہ برہان الدین حلبیؒ نے بھی سیرت حلبیہ میں ایسا ہی لکھا ہے۔ تاہم دیگر کئی مورخین نے اس نقطہ نظر پہ تنقید بھی کی ہے اس لیے کہ اُن کے مطابق ختنہ شدہ انسان کا پیدا ہونا معمول کی ایک بات ہے اور بہت سے لوگ ختنہ شدہ پیدا ہوتے ہیں اور یہ بات صرف انبیاء سے ہی مخصوص نہیں کہ وہ ختنہ شدہ پیدا ہوتے ہیں۔ بلکہ مورخین نے بہت سے ایسے لوگوں کا تذکرہ بھی کیا ہے جو عربوں میں ختنہ شدہ ہی پیدا ہوئے تھے۔ کیونکہ اگر ایسی بات نہ ہوتی تو اس کے متعلق عرب شعرا کے ہاں اور عام لوگوں کے ہاں وہ روایات جنم نہ لیتیں جو اس امر سے متعلق ہیں۔ اس لیے عربوں میں جب کوئی ایسا شخص جنم لیتا جس کا ختنہ ہوا ہوتا تو لوگ کہتے کہ اس شخص کا ختنہ چاند نے کیا ہے۔ اگر چہ یہ ایک لغو اور بے بنیاد بات تھی لیکن اس سے

اتنی بات ضرور ظاہر ہوتی ہے کہ عربوں میں ختنہ شدہ لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں۔عربوں کے علم منجم کے ماہرین نے لوگوں میں اس تاثر کو ابھار رکھا تھا کہ جو شخص برج قمر میں پیدا ہوتا ہے تو اس برج کے اثر سے عضو تناسل کے منہ پہ جو کھال یا جھلی ہوتی ہے وہ سکڑ جاتی ہے چنانچہ عضو ایسا محسوس ہونے لگتا ہے جیسا کہ اس کا ختنہ کر دیا گیا ہو۔بعض مورخین دور کی یہ کوڑی بھی لائے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا ختنہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس وقت کیا تھا جب انھوں نے آپ ﷺ کا سینہ چاک کیا تھا اور اس وقت آپ بیچ صحرا میں بنو سعد کے ہاں رہا کرتے تھے تاہم محدثین نے اس روایت کو رد کیا ہے۔

اس بات کا احتمال بہر حال موجود ہے کہ نبی اکرم ﷺ ختنہ شدہ پیدا کیے گئے ہوں اس لیے کہ علماء نے اس روایت کی تائید میں کئی دلائل پیش کیے ہیں کہ آپ ختنہ شدہ ہی پیدا ہوئے تھے اور اس امر کو مان لینے میں کوئی حرج بھی نہیں کہ آپ ﷺ اُس کھال یا جھلی کے بغیر پیدا کیے گئے ہوں جسے بعد میں کاٹ دیا جاتا ہے اور اسے ہی ختنہ کہا جاتا ہے۔اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ کو اس جھلی کے بغیر ہی پیدا کیا گیا ہو جس سے علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ اس سے نبی اکرم ﷺ کی انسانی خلقت مکمل ہو جاتی ہے کیونکہ یہ جھلی باقی نہیں رکھی جاتی اور اس کو کاٹ دیا جاتا ہے اور اسے یقیناً کوئی دوسرا شخص ہی کاٹتا ہے اس کے لیے شرم گاہ کا کھولنا بھی یقینی ہے جس سے اُس کی نظر نومولود کی شرمگاہ پہ بھی پڑتی ہے اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ یہ تو خود آدمی کی خلقت کا ایک نقص اور کمی ہے کہ اس کے جسم میں کوئی ایسا حصہ پایا جاتا ہو جس کی وجہ سے دوسرے لوگوں کی نگاہ اس کی شرمگاہ پہ پڑتی ہو چنانچہ ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ کو اس امر سے مبرا رکھا گیا ہو کہ کوئی شخص آپ ﷺ کی شرمگاہ پہ نظر ڈال سکے۔چنانچہ اس سے اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ خلقت کا یہ نقص اور یہ کمی تو خلقت کا عین کمال ہے برخلاف اُس سیاہ نقطے کے جو ہر انسان کے قلب میں پایا جاتا ہے اور جس کے بغیر انسان کی خلقت کو مکمل تصور نہیں کیا جاسکتا۔

وہ جسم کا ایسا حصہ ہے کہ اگر اُس سیاہ دانے کو جسم سے نکال دیا جائے تو اس سے انسان کی شرمگاہ پہ کسی دوسرے کی نظر پڑنے کا کوئی امکان موجود نہیں رہتا۔چنانچہ شق صدر کی روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کے جسم سے اس سیاہ نقطے کو الگ کر دیا گیا جو ہر انسان کے قلب میں یا اس کے

قریب ہی کہیں موجود ہوتا ہے اور علماء نے کہا کہ انسانی بدن میں یہی شیطان کا گھر ہے جہاں سے وہ پورے بدن میں سرایت کرتا ہے اور آدمی کو گناہ پہ آمادہ کرتا ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

حضرت حسن بصریؒ نے بعض مورخین کے اس خیال کی بھی سختی سے تردید کی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ کا ختنہ حضرت عبدالمطلب نے آپ ﷺ کی پیدائش کے ساتویں روز کیا تھا۔انھوں نے آپ ﷺ کی پیدائش کے بعد ساتویں روز اپنے خاندان کی دعوت ضرور کی تھی۔مگر وہ عقیقہ کی دعوت تھی جس میں حضرت عبدالمطلب نے آپ کا نام محمد رکھا تھا۔(ﷺ)

❖❖❖❖❖❖❖❖

ساتویں روز ختنہ کی تردید کرتے ہوئے انھوں نے یہ دلیل بھی پیش کی ہے کہ اس عمل میں یہودیوں سے تشابہ پایا جاتا ہے اور عرب خاص طور پہ قریش جو عربوں کے مذہبی راہنما بھی تھے یہودیوں کے طرز عمل سے اعراز برتتے تھے اور وہ یہودیوں کے خلاف جاتے تھے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسحاق علیہ السلام کا ختنہ اُن کی پیدائش کے ساتویں روز کیا تھا اس لیے نبی اسرائیل اس امر کو اپنی سنت جانتے تھے اور وہ اپنے بچوں کا ختنہ عام طور پہ پیدائش کے ساتویں روز ہی کیا کرتے تھے۔اس کے برعکس عرب چونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ختنہ اُن کے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن کی پیدائش کے گیارہویں سال کیا تھا اس لیے عرب اس امر کو سنت مانتے تھے اور وہ اپنے بچوں کا ختنہ اُن کے ایام بلوغت کے قریب ہی کرتے تھے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

حضرت ابن عباسؓ سے بھی اسی روایت کی تائید کی گئی ہے اس لیے کہ جب اُن سے پوچھا گیا کہ نبی اکرم ﷺ کی وفات کے وقت اُن کی عمر کیا تھی تو انھوں نے کہا میں ختنہ کی عمر کو پہنچ چکا تھا۔

اور اس وقت اُن کی عمر تقریباً تیرہ سال تھی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

علامہ شامی نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہو لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا :میرا شرف جو مجھ پہ میرے رب کی طرف سے ہے وہ یہ ہے کہ میں ختنہ شدہ پیدا ہوا تھا اور میری شرمگاہ آج تک کسی نے نہیں دیکھی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اور علامہ حاکم نے کہا:

اس سلسلے میں متواتر احادیث موجود ہیں کہ آپ ختنہ شدہ پیدا ہوئے تھے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اگر چہ بعض علماء نے اِن روایات کی مخالفت بھی کی ہے جیسا کہ علامہ ذہبیؒ وغیرہ۔

علامہ برہان الدین حلبیؒ نے لکھا ہے کہ!

اگر ختنہ شدہ پیدا ہونا نبوت کی خصوصیات میں شامل ہے تب بھی اس ضمن میں تنہا نبی اکرم ﷺ کا نام نہیں لیا جاسکتا کہ یہ خصوصیت صرف اُن کو عطا کی گئی تھی بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ عربوں نے سولہ ایسے انبیاء کے نام گنوائے ہیں جو ختنہ شدہ ہی پیدا ہوئے تھے''۔

اور اُن میں حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت شیث علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت یس علیہ السلام، حضرت محمد ﷺ [*12]

اور عربوں کے اس شاعر نے تو اُن کی تعداد سترہ بیان کی ہے شاعر کہتا ہے کہ!

وَفِی الرُّسُلِ مَخْتُوْنٌ لِعَمْرِكَ خَلْقَةً
ثَمَانٌ وَ تِسْعٌ طَيِّبُوْنَ اَكَارِمُ

قسم ہے کہ نبیوں میں پیدائشی طور پہ کچھ دوسرے نبی بھی مختون ہیں اور یہ سب بڑے بڑے پیغمبر کُل ملا کر آٹھ اور نو یعنی سترہ ہیں۔"

✡✡✡✡✡✡✡✡

هم زکریا ، شیث، ادریس، یوسف

وحَنظلَۃَ عیسیٰ و موسیٰ وآدم

اور اِن انبیاء میں حضرت زکریاؑ ،حضرت شیثؑ ،حضرت ادریسؑ ، حضرت یوسفؑ ،حضرت حنظلہؑ ،حضرت عیسیٰؑ ،حضرت موسیٰؑ ،حضرت آدم علیہ السلام شامل ہیں۔"

✡✡✡✡✡✡✡✡

وَ نُوح، شعیب، سام لوط و صالح

سلیمان یحیٰی ، هود ، یس و خاتم ﷺ

اور اِن کے علاوہ حضرت نوحؑ ،حضرت شعیبؑ ،حضرت لوطؑ ،حضرت صالحؑ ،حضرت سلیمانؑ ، حضرت یحییٰؑ ،حضرت ہودؑ ،حضرت یسؑ ، حضرت محمد ﷺ بھی شامل ہیں [13*] ۔"

✡✡✡✡✡✡✡✡

ہم کو کبھی کبھی اس حقیقت پہ غور ضرور کرنا چاہیے کہ وہ خالق جس نے کل کائنات کی ہر چیز کو پیدا کیا ہے وہ ہم کو کسی ہندو کسی مجوسی یا کسی یہودی کے گھر میں بھی تو پیدا کر سکتا تھا تب نجانے ہم رسول اللہ ﷺ کے نام سے بھی آگاہ ہوتے یا نہ ہوتے ، شکر کے جواز تو ہزاروں ہیں شکر کرنے والا دل بھی تو ہو۔

تاریخ ولادت کی تحقیق

مختلف روایات کی وجہ سے ایک عرصہ تک نبی اکرم ﷺ کی تاریخ پیدائش کے بارے میں امت متفرق رہی۔تاہم جب سائنس نے ترقی کی اور علم تقویم مستحکم ہوا اور لوگوں نے اس سلسلے میں موجود تمام روایات کا دقتِ نظر سے جائزہ لیا تب امت کا اس بات پہ تقریباً اجماع ہو گیا کہ نبی اکرم ﷺ کی تاریخ ولادت بارہ ربیع الاول ہے اور اُس روز دوشنبہ یعنی پیر کا دن تھا۔تاریخ نبوی کے ابتدائی دور سے ہی امت اس بات پہ تو مجتمع تھی کہ نبی اکرم ﷺ پیر کے روز پیدا ہوئے اور وہ ربیع الاول کا مہینہ تھا۔البتہ ماہ ربیع الاول کی وہ کون سی مبارک تاریخ تھی جس میں نبی اکرم ﷺ اس دنیا میں جلوہ افروز ہوئے اس بارے میں مختلف روایات کی وجہ سے لوگوں کی آراء مختلف رہی ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ اسلامی عہد کے آغاز سے ہی مورخین کی ایک بڑی تعداد نے اس خیال کی حمایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی تاریخ پیدائش بارہ ربیع الاول بروز پیر ہی ہے۔مثال کے طور پہ دیکھیں کہ تاریخ عالم کے سب سے پہلے سیرت نگار ابن اسحاقؒ

کے حوالے سے ابن ہشام نے لکھا ہے کہ:

"وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ لا ثْنَتَیْ عَشَرَۃَ لَیْلَۃً خَلَتْ مِنْ شَھْرِ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ عَامَ الْفِیْلِ۔

رسول اللہ ﷺ سوموار بارہ ربیع الاول کو عام الفیل میں پیدا ہوئے"۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

جامع الازہر مصر سے تعلق رکھنے والے عہد حاضر کے معروف سیرت نگار محمد الصادق ابراہیم عرجون نے اپنی سیرت کی کتاب "محمد رسول اللہ" میں نبی اکرم ﷺ کی تاریخ پیدائش کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

"وَقَدْ صَحَّ مِنْ طُرُقٍ کَثِیْرَۃٍ اَنَّ مُحَمَّدًا عَلَیْہِ السَّلَامُ وُلِدَ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ لِاِثْنَتَیْ عَشَرَۃَ مَضَتْ مِنْ شَھْرِ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ عَامَ الْفِیْلِ فِیْ زَمَنِ کِسْرٰی اَنُوْشِیْرَوَانَ وَیَقُوْلُ اَصْحٰبُ التَّوْفِیْقَاتِ التَّارِ یْخِیْنَۃِ اَنَّ ذٰلِکَ یُوَافِقُ الْیَوْمَ الْمُکَمَّلَ لِلْعَشْرِیْنَ مِنْ شَھْرِ اَغُسْطُسْ سنہ ۵۷۰م بَعْدَ مِیْلَادِ الْمَسِیْحِ عَلَیْہِ السَّلَامِ۔

ترجمہ:

"یہ بات اب متعدد ذرائع سے ثابت ہو چکی ہے کہ نبی اکرم ﷺ بروز دوشنبہ بارہ ربیع الاول عام الفیل کسریٰ نوشیرواں کے عہد حکومت میں پیدا ہوئے اور اُن علماء کے نزدیک جو مختلف سمتوں کی آپس میں تطبیق کرتے ہیں انھوں نے عیسوی تاریخ میں نبی اکرم ﷺ کی پیدائش ۲۰ اگست ۵۷۰ء بیان کی ہے"۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اسی ضمن میں علامہ ابن جوزی کی تحقیق ذیل میں پیش کی جارہی ہے وہ کہتے ہیں کہ:

"وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ ُتَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الْاِثْنَیْن لِعَشْرٍ خَلَوْنَ مِنْ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ عَامَ الْفِیْلِ وَقِیْلَ لِلَیْلَتَیْنِ خَلَتَا مِنْہُ قَالَ ابْنُ اِسْحَاقَ وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الِاثْنَیْنِ عَامَ الْفِیْلِ لا ثْنَتِیْ عَشْرَۃَ لَیْلَۃً مَضَتْ مِنْ شَھْرِ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ۔

ترجمہ:

"حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت با سعادت بروز سوموار دس ربیع الاول کو عام الفیل میں ہوئی یہ بھی کہا گیا ہے کہ ربیع الاول کی دوسری تاریخ تھی اور امام ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت مبارکہ بروز دوشنبہ بارہ ربیع الاول عام الفیل میں ہوئی"۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

علامہ ابن کثیر "سیرۃ النبویہ میں لکھتے ہیں کہ:

"وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ ُتَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الْاِثْنَیْن بِمَارَوَاہُ مُسْلِمُ فِیْ صَحِیْحِہٖ مِنْ حَدِیْثُ غَیْلَانِ بْنِ جَرِیْرٍ عَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ اَنَّ اَعْرَابِیًّا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا تَقُوْلُ فِیْ صَوْمِ یَوْمِ الا ثْنَیْنِ فَقَالَ ذَاكَ یَوْمِ الْاِثْنَیْنِ فَقَالَ ذَاكَ یَوْمٌ وُلِدْتُّ فِیْہِ وَ اُنْزِلَ عَلَیَّ فِیْہِ۔

ترجمہ:

"حضور اکرم ﷺ کی ولادت با سعادت سوموار کے روز ہوئی امام مسلم نے اپنی صحیح میں غیلان بن جریر کے واسطے سے ابی قتادہ سے روایت کیا ہے کہ ایک اعرابی نے عرض کیا یا رسول

اللہ آپ ﷺ سوموار کے زور کے بارے میں کیا فرماتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا! یہ وہ دن ہے جس دن میری ولادت ہوئی اور یہی وہ دن ہے جس دن مجھ پہ وحی کی گئی"۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

یہ قول بھی علامہ ابن کثیر ہی کا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میری ولادت بھی سوموار کے دن ہوئی، میری بعثت بھی سوموار کے دن ہوئی، مکہ سے ہجرت بھی سوموار کے دن ہوئی، مدینہ طیبہ میں تشریف آوری بھی سوموار کے دن ہوئی اور جس روز آپ ﷺ نے حجرِاسود نصب کیا تھا وہ دن بھی سوموار ہی کا دن تھا اور جس نے آپ ﷺ نے اس دارِفانی سے پردہ فرمایا اس دن بھی سوموار کا روز ہی تھا"۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

امام الحافظ ابو فتح محمد بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن یحییٰ بن سید الناس الشافعی الاندلسی نے اپنی مشہور زمانہ سیرت کی کتاب " عیون الاثر " میں لکھا ہے کہ !

"وُلِدَ سَيِّدُنَا وَ نَبِيُّنَا مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ لِاثْنَتَيْ عَشَرَةَ لَيْلَةً مَضَتْ مِنْ شَهْرِ رَبِيْعِ الْاَوَّلِ عَامَ الْفِيْلِ قِيْلَ بَعْدَ الْفِيْلِ بِخَمْسِيْنَ يَوْمًا۔

ترجمہ:

"ہمارے آقا محمد ﷺ جو اللہ کے رسول ہیں سوموار کے روز بارہ ربیع الاول کی تاریخ کو عام الفیل میں پیدا ہوئے بعض نے کہا ہے کہ واقعہ فیل کے ٹھیک پچاس روز بعد نبی اکرم ﷺ

اس دنیا میں تشریف لائے"۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

نبی اکرم ﷺ کی تاریخ پیدائش کے بارے میں علامہ ابن خلدون کا کہنا ہے کہ:

"وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفِیْلِ لِاثْنَتَیْ عَشَرَۃَ لَیْلَۃً خَلَتْ مِنْ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ لِاَرْبَعِیْنَ سَنَۃً مِّنْ مُّلْكِ کِسْرٰی اَنُوْشِیْرِوَانْ

ترجمہ:

"رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت عام الفیل کو ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو ہوئی اور وہ ایران پہ نوشیرواں کی حکومت کا چالیسواں سال تھا"۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اسلام کے بہت بڑے اور قدیمی تاریخ دان امام ابن جریر طبری نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف" تاریخ الامم و المملوك "میں نبی اکرم ﷺ کی تاریخ ولادت کے بارے میں لکھا ہے کہ :

"وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الْاِ ثْنَیْنِ عَامَ الْفِیْلِ لِاثْنَتَیْ عَشَرَۃَ لَیْلَۃً مَضَتْ مِنْ شَھْرِ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ۔

ترجمہ:

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک سوموار کے روز بارہ ربیع الاول کی تاریخ کو عام الفیل میں ہوئی"۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

مورخین نے نبی پاک ﷺ کی ولادت کے بارے میں بہت سی متفرق روایات درج کی ہیں جس کی وجہ سے معاملہ الجھ کے رہ گیا۔ تاہم اللہ کا شکر ہے کہ اب امت کا سوادِ اعظم اس بات پہ متفق ہے کہ نبی اکرم ﷺ پیر کے روز بارہ ربیع الاول کی تاریخ کو عام الفیل میں پیدا ہوئے۔ یہاں ہم کچھ ایسی روایات درج کرنا چاہتے ہیں جو قدماء کے ہاں پائی جاتی ہیں اور اُن کی تواریخ میں آج تک درج کی جاتی ہیں اور انھی روایات کی وجہ سے یہ معاملہ اشتباہ کا شکار ہوا ہے۔ چنانچہ ہم برہان الدین حلبیؒ کی سیرت حلبیہ سے چند روایات درج کرتے ہیں جو باہم متفرق ہیں۔

حضرت سعید بن مسیّبؓ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ دن کے وقت پیدا ہوئے اور اس وقت ربیع الاول کے گیارہ دن گزر چکے تھے۔

اور ربیع الاول کے مہینے میں پیدائش کا قول مورخین کے ہاں بہت ہی مقبول ہے چنانچہ کوئی عرب شاعر اپنے اشعار میں اسی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

يَقُوْلُ لَنَا لِسَانُ الحَالِ مِنْہُ
وَقَوْلِ الحَقِّ يُعَذِبُ لِلسَّمِيْعِ

زبان حال ہمیں بتا رہی ہے کہ سچی بات سننے والوں کو ہمیشہ میٹھی لگتی ہے۔"

✡✡✡✡✡✡✡✡

فَوَجْهِیْ وَالزَّمَانُ وَشَهْرُ وَضْعِیْ
رَبِيْع فِیْ رَبِيْع فِیْ رَبِيْع

میرا چہرہ اور میری پیدائش کا زمانہ اور میری پیدائش کا مہینہ چودھویں کے چاند کی طرح ہے فصل ربیع میں ہے ۔"

✡✡✡✡✡✡✡✡

علامہ شامیؒ کہتے ہیں کہ عربوں کے شہری علاقوں میں نبی پاک ﷺ کے یوم ولادت کے بارے میں کوئی ابہام نہ تھا۔لوگ خاص طور پہ مکے کے لوگ بارہ ربیع الاول ہی کے روز نبی اکرم ﷺ کے مرقد مبارک پہ فاتح کے لیے جایا کرتے تھے"۔

علامہ حافظ دمیاطیؒ نے نبی پاک ﷺ کے یوم ولادت کی تاریخ دس ربیع الاول لکھی ہے اور وہ اسی قول کو بہتر قرار دیتے ہیں۔

شاید اس اشکال کی وجہ وہ بشری کمزوری ہو جو ایک ہی عہد کے بڑے لوگوں میں ایک دوسرے کے متعلق پائی جاتی ہے کہ وہ ایک دوسرے سے حسد کا شکار ہو جاتے ہیں حالانکہ اُن کا علمی رتبہ بہت بلند ہوتا ہے یہی معاملہ ابن اسحاقؒ اور امام مالکؒ کے مابین بھی پیش آیا تھا۔

ابن دحیہؒ نے کہا کہ:

ابن اسحاقؒ نے بارہ ربیع الاول کی روایت بغیر راویوں کے بیان کی ہے۔اس کا ذکر مقطوع انداز میں کیا ہے اور یہ طریقہ درست نہیں ہوتا۔

پھر کہتے ہیں اگر ابن اسحاقؒ نے یہ روایت راویوں کے ذکر کے ساتھ بھی روایت کی ہوتی تب بھی اُن کی روایت کو قبول نہ کیا جاتا اس لیے کہ امام مالکؒ اُن پہ تنقید کرتے تھے اور اُن کی روایت کو قابل اعتبار قرار نہ دیتے تھے۔چنانچہ ابن مدینیؒ اور ابن معینؒ دونوں نے علامہ ابن اسحاقؒ پہ سخت نقطہ چینی کی ہے اور کہا کہ ان کی روایت کی ہوئی حدیثیں حجت اور دلیل نہیں بنائی جاسکتیں۔اور امام مالکؒ تو انھیں صریحاً جھوٹا کہتے ہیں جس کی وجہ سے ابن اسحاقؒ کو یہ کہنا پڑا کہ امام مالکؒ کی حدیثیں میرے سامنے بیان کرو کیونکہ میں اُن کی کمزوریوں کو جانتا ہوں۔

یہ بات جب امام مالکؒ نے سنی تو انھوں نے کہا:

ابن اسحاقؒ کا معاملہ تو یہ ہے کہ وہ دجالوں میں سے ایک دجال ہے جس کو ہم نے مدینے سے نکال دیا تھا۔

تاہم دیگر علماء کا خیال یہ ہے کہ ابن اسحاقؒ ایک معتبر فقیہہ ہیں۔

نبی پاک ﷺ کے یوم ولادت کے سلسلے میں ایک روایت یہ ہے کہ آپ ﷺ سترہ ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔

اور ابن دحیہؒ نے کہا کہ!

نبی اکرم ﷺ آٹھ ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔

علامہ قطب قسطلانیؒ کہتے ہیں کہ!

ربیع الاول کی آٹھویں تاریخ ہی نبی اکرم ﷺ کا یوم ولادت ہے اور انھیں امام حمیدیؒ اور اُن کے ستاد ابن حزمؒ جیسے محدثین کی حمایت بھی حاصل ہے۔

عربوں کے مشہور مورخ ابن عبدالبرؒ نے دو ربیع الاول کی تاریخ کو نبی ﷺ کا یوم ولادت قرار دیا ہے بلکہ اس پہ اصرار بھی کیا ہے۔

ابن ابی شیبہؒ نے کہا کہ!

نبی اکرم ﷺ اٹھارہ ربیع الاول کو پیدا ہوئے تاہم محدثین نے اس روایت کو کمزور قرار دیا ہے اور قابل اعتناء نہیں جانا۔

ایک روایت یہ ہے کہ!

نبی اکرم ﷺ رمضان المبارک کی بارہ تاریخ کو پیدا ہوئے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ رمضان المبارک کی آٹھ تاریخ کو پیدا ہوئے۔تاہم رمضان المبارک میں آپ ﷺ کی پیدائش کی یہ روایات قبول عام حاصل نہیں کرسکیں اور بہت سے لوگ اِن تاریخوں سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا ہے"۔

اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ!

نبی اکرم ﷺ محرم کی دس تاریخ کو پیدا ہوئے تاہم یہ روایت مجہول ہے۔

علامہ شامیؒ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ صفر کے مہینے میں پیدا ہوئے۔

کسی اور نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ ربیع الثانی میں پیدا ہوئے تاہم علامہ ذہبیؒ نے اِن روایات کو مردود قرار دیا ہے۔مورخین نے حضرت آمنہ کے حاملہ ہونے کے ایام سے جو حساب لگایا ہے اس سے انھی روایات کو قابل قدر قرار دیا جاسکتا ہے جو ربیع الاول کے متعلق ہیں۔دوسری تمام روایات میں یہ اشکال موجود ہے کہ اگر اُن کو درست تصور کیا جائے تب کہیں یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ حضرت آمنہ کے پیٹ میں چودہ مہینے تک رہے،کسی روایت سے تیرہ مہینے تک اور یہ خلاف

معمول بات ہے اور ثابت شدہ امر یہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عام معمول کے مطابق نو مہینے ہی اپنی والدہ کے پیٹ میں رہے۔

چنانچہ وہ علماء جنھوں نے بیان کیا ہے کہ حضرت آمنہ رجب کے مہینے میں حاملہ ہوئی تھیں اُن کا خیال درست معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ اگر وہ رجب میں حاملہ ہوئیں تو پھر نبی اکرم ﷺ کی ولادت ربیع الاول میں یقینی ہے اسی لیے علماء نے ربیع الاول کی روایات ہی کو اس بحث میں شامل کیا ہے۔

ایک روایت کے مطابق نبی اکرم ﷺ نو ربیع الاول کو پیدا ہوئے اور حال کے بہت سے سیرت نگاروں نے مصر کے محمود پاشا فلکی کے حساب تقویم کو درست قرار دیتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کا یوم پیدائش نو ربیع الاول ہی لکھا ہے۔ چنانچہ علامہ شبلی نعمانیؒ اور قاضی سلیمان سلمان منصور پوریؒ نے اپنی سیرت کی کتابوں میں نبی اکرم ﷺ کا یوم پیدائش نو ربیع الاول ہی لکھا ہے تاہم عصر حاضر کے ایک بہت بڑے سیرت نگار پیر محمد کرم شاہؒ نے ضیا النبی میں اُن سے اختلاف کیا ہے اور موثر انداز میں اُن کے استدلال کو رد کیا ہے۔

انھوں نے لکھا ہے کہ!

محمود پاشا فلکی کی تحقیق کو کسی بھی صورت جید صحابہ اور تابعین کی روایات پہ ترجیح نہیں دی جا سکتی چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ:

”وَلَوْلَا اَنَّ هٰذِهِ الرِّوَايَةَ لَيْسَتْ هِيَ الْمَشْهُوْرَةُ لَاَخَذْنَا بِهَا وَلٰكِنْ عِلْمَ الرِّوَايَةِ لَايَدْخُلُ التَّرْجِيْحُ فِيْهِ بِالْعَقْلِ“۔

ترجمہ:

”کہ جمہور علماء کے قول کے مقابلہ میں یہ روائتیں مشہور نہیں ہیں نیز علم روایت میں ترجیح کا دارومدار عقل پہ نہیں بلکہ نقل پہ ہوتا ہے“۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

پھر انھوں نے امام ابوزہرہ کی کتاب سیرت خاتم النبین سے بھی استدلال کیا ہے کہ:

''اَلْجَمْهَرَةُ الْعُظْمٰى مِنْ عُلَمَاءِ الرِّوَايَةِ عَلٰى اَنَّ مُوْلِدَهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فِىْ رَبِيْعِ الْاَوَّلِ مِنْ عَامِ الْفِيْلِ فِىْ لَيْلَةِ الثَّانِىْ عَشَرَ مِنْهُ وَقَدْ وَافَقَ مِيْلَادُهٗ بِالسَّنَةِ الشَّمْسِيَّةِ نِيْسَان''

ترجمہ؛

''علماء روایت کی ایک عظیم اکثریت اس بات پہ متفق ہے کہ یوم ولادت مصطفیٰ ﷺ عام الفیل ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو ہے۔''

❖❖❖❖❖❖❖

برصغیر پاک و ہند کے شیخ الحدیث شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق کتاب '' **مدارج النبوۃ** ''میں نبی اکرم ﷺ کے یوم ولادت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ!

''بداں کہ جمہور اہل سیر و تواریخ بر آنند کہ تولد آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم در عام الفیل بود از چہل روز یا پنجاہ روز و ایں قول اصح اقوال است مشہور آنست کہ در ربیع الاول بود و بعضے علماء دعوی اتفاق بریں قول نمودہ و دوازدہم ربیع الاول بود''۔

ترجمہ؛

''خوب جان لو کہ جمہور اہل سیر و تواریخ کی رائے یہ ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ کی پیدائش عام الفیل میں ہوئی اور واقعہ فیل کے چالیس روز یا پچپن روز بعد اور یہ دوسرا قول سب اقوال سے زیادہ صحیح ہے مشہور یہ ہے کہ ربیع الاول کا مہینہ اور بارہ تاریخ ہی نبی اکرم ﷺ کا یوم ولادت ہے۔ بعض علمانے اس قول پہ اتفاق کا دعوی کیا ہے یعنی اکثر علماء اس بات پہ متفق ہیں کہ یہی

سب سے درست روایت ہے یعنی پیر بروز بارہ ربیع الاول"۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اس کے بعد ہم شیخ الحدیث کے چند نعتیہ اشعار پیش کرتے ہیں۔

شب میلاد محمد چہ شب انور بود
کز در مکہ الی الشام منور گردید

محمد ﷺ کی پیدائش کی رات کس قدر روشن تھی کہ مکہ کے دروازے سے لے کر شام تک کا سارا علاقہ جگمگا اٹھا۔"

مکہ و شام چہ باشد کہ از شرق تا غرب
ھمہ را گشت محیط و ھمہ جادر گر دید

مکہ اور شام ہی نہیں بلکہ مشرق سے لے کر مغرب تک حضور ﷺ کا نور ہر جگہ پھیل گیا۔"

ھمہ آفاق زانوار منور گشتہ
ھمہ اکناف زاخلاق معطر گردید

اور اس جہاں کے سارے کنارے انوارِ رسالت سے منور ہو گئے اور حضور ﷺ کے اخلاق سے کائنات کا گوشہ گوشہ مہک اٹھا۔"

عاقبت بر فلک عز و علا جارد
هر کہ صدق و یقین خاک برین در گردید

انجام کار اس شخص کو عزت و بلندی کے آسمان پہ جگہ ملتی ہے جو شخص صدق و یقین کے ساتھ اس در کی خاک بن جاتا ہے۔"

✡✡✡✡✡✡✡✡

هر گز از هیچ سموے نپیزیز د خشکی
هر گیا هے کہ زابر کرمش تر گردید

کوئی بادِسموم اس گھاس کو خشک نہیں کر سکتی جس کو اس کے ابر کرم نے تر کیا ہو۔"

✡✡✡✡✡✡✡✡

للہ الحمد کہ از دنیا و دین حق از
همه از دولت آن شاہ میسر گردید

اللہ کا لاکھ شکر ہے کہ دین و دنیا کی ہر نعمت اس بادشاہ کے ہاں میسر ہے وہاں کوئی کمی نہیں ہے۔" [*14]

✡✡✡✡✡✡✡✡

40 قبل نبوت، 53 قبل ہجرت، مئی 571ء

رضاعت

حرم کے باسی زیادہ تر اہل قریش سے تھے چونکہ وہ عربوں کے مذہبی و روحانی راہنما بھی تھے اس لیے ایک درجہ خماری میں تھے۔ وہ دولت تجارت طاقت اور اولادوں میں بھی دوسرے عربوں سے بڑھے ہوئے تھے۔ اس لیے اُن میں ایک درجہ تکبر کا بھی پایا جاتا تھا۔ چونکہ اُن کے آباء دین ابراہیمی پر پختہ تھے اس لیے باوجود عربوں کی بت پرستی کے خاص قریش میں دین ابراہیمی کے متعلق ایک درجہ کا احساس برتری موجود تھا۔ اس لیے جب حضرت عبدالمطلب کو اپنے پوتے کی پیدائش کی خبر ملی تو سب سے پہلے انھوں نے اپنے پوتے کو بیت اللہ کا طواف کرانا پسند کیا۔ باقی سب امور موخر کر دیئے اس کے بعد جب وہ انھیں گھر لے کر آئے تو انھوں نے اپنی ماں حضرت آمنہ کا دودھ پیا مورخین نے لکھا ہے کہ:

آنحضرت محمد ﷺ نے کئی عورتوں کا دودھ پیا ہے ان میں ثوبیہ بھی شامل ہیں جو آپ ﷺ کے چچا ابولہب کی لونڈی تھی اور انھوں نے حضرت آمنہ کے بعد سب سے پہلے آنحضرت محمد ﷺ کو دودھ پلانے کی سعادت حاصل کی۔

بیان کیا گیا ہے کہ ابولہب کو اُن کی لونڈی ثوبیہ نے تلاش کیا اور اُن سے کہا؛

کیا میں آپ کو ایک خوشخبری دوں۔

ابولہب نے کہا: ضرور۔

تو ثوبیہ نے انھیں آنحضرت محمد ﷺ کی پیدائش کی خبر دی۔

جس سے ابولہب بہت خوش ہوا اور اس نے سچے موتیوں کا وہ ہار جو اس وقت اس کے ہاتھ میں تھا ثوبیہ کی طرف پھینکا۔یعنی اپنی لونڈی کو انعام واکرام سے نوازا۔مگر ثوبیہ کے لیے سب سے بڑھ کے جو انعام تھا وہ ابولہب کے یہ الفاظ تھے کہ آج سے تو آزاد ہے۔

بعد میں جب آنحضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے عربوں کی طرف مبعوث کیا اور آپ ﷺ نے عربوں کو دین حق کی طرف بلایا تب ابولہب آپ ﷺ کے بدترین دشمنوں میں شامل تھا اور اسی دشمنی کی حالت میں مرگیا۔اس کی موت کے بعد اُس کے رشتہ داروں میں سے کسی نے اسے خواب میں دیکھا تو اس نے پوچھا؟

مورخین نے کہا کہ وہ حضرت عباسؓ تھے جنھوں نے اُس کو خواب میں دیکھا۔

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ وہ بہت ہی برے حال میں تھا"۔

تاہم اُس نے مجھے بتایا کہ پیر کے روز جو کہ نبی اکرم ﷺ کا یوم ولادت ہے اس پہ عذاب میں تخفیف کردی جاتی ہے کہ اُس نے آنحضرت محمد ﷺ کے پیدا ہونے کی خوشی میں اپنی لونڈی ثوبیہ کو آزاد کردیا تھا۔

جن عورتوں نے نبی اکرم ﷺ کو دودھ پلایا اُن میں خولہ بنت منذر بھی شامل ہیں۔علامہ قضاعی نے اپنی کتاب "**عیون المعارف**" میں لکھا ہے کہ حضرت آمنہ نے دس روز تک نبی اکرم ﷺ کو دودھ پلایا اس کے بعد اُن کو ثوبیہ نے دودھ پلایا۔یہ روایت بھی موجود ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ نے اپنی ماں حضرت آمنہ کا دودھ ایک ماہ تک پیا تھا۔

تاہم حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی مکہ آمد سے پہلے کئی دن تک ثوبیہ نے ہی آنحضرت محمد ﷺ کو دودھ پلایا تھا۔اُس وقت ثوبیہ کا اپنا بیٹا مسروح بھی آنحضرت محمد ﷺ کے ساتھ دودھ پینے میں شریک تھا۔اس سے قبل ثوبیہ نے ہی ابوسفیان بن حرث کو بھی دودھ پلایا تھا جو آنحضرت محمد ﷺ کے چچا

تھے۔

سیرت شامی میں لکھا ہے کہ:

ابوسفیان بچپن میں نبی اکرم ﷺ کے گہرے دوست تھے وہ اُن سے بہت محبت کرتے تھے وہ بہت سا وقت آپ ﷺ کے ساتھ مکہ کی گلیوں میں گذارا کرتے تھے۔تاہم جب نبی اکرم ﷺ کو نبوت کے اعزاز سے نوازا گیا تب ابوسفیان آپ ﷺ کا بدترین دشمن ثابت ہوا۔اُس نے قریش کو مجتمع کر کے آپ ﷺ کے ساتھ جنگیں کیں۔اس سے قبل وہ آپ ﷺ کے صحابہ کی شان میں توہین آمیز اشعار کہا کرتا تھا کہ وہ ایک اچھا شاعر تھا۔فتح مکہ کے موقع پر ابوسفیان کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا فرمائی۔

ثوبیہ نے آنحضرت محمد ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کو بھی دودھ پلایا تھا جو آپ سے دو چار سال ہی بڑے تھے۔اسی طرح ثوبیہ نے نبی اکرم ﷺ کے بعد ابوسلمہ بن عبدالعزیٰ کو بھی دودھ پلایا تھا ۔اس طرح مسروح ،حضرت ابوسفیانؓ اور حضرت حمزہؓ اور ابوسلمہؓ بھی آپ کے رضائی بھائیوں میں شامل ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے ثوبیہ کا ہمیشہ خیال رکھا تھا۔

محمد بن عمرو نے کئی اہل علم سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب جوان ہوئے اور حضرت خدیجہؓ سے اُن کی شادی ہوگئی تب بھی آپ ﷺ ثوبیہ نگہداشت کرتے تھے اور ایک ماں کی طرح اُن کی تعظیم کرتے تھے۔حضرت خدیجہؓ بھی اُن کا بہت خیال رکھا کرتی تھیں۔

کفار قریش کی وجہ سے جب نبی اکرم ﷺ نے مدینہ ہجرت کی اور وہاں نبی اکرم ﷺ کو استحکام قوت حاصل ہوا تب بھی آپ ﷺ مدینہ سے اُن کے لیے ہدیئے اور کپڑے بھجوایا کرتے تھے تا آنکہ غزوہ خیبر سے واپسی پہ صحابہؓ نے آپ ﷺ کو ثوبیہ کے انتقال کی خبر دی اور یہ سات ہجری کی بات ہے۔

تب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے پوچھا ثوبیہ کے بیٹے مسروح کا کیا ہوا؟

تو لوگوں نے آپ ﷺ سے کہا وہ تو ثوبیہ سے بھی پہلے انتقال کر چکے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کو دودھ پلانے کی سب سے زیادہ سعادت تو حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے حصے میں آئی

تاہم قبیلہ بنوسعد کی ایک اور عورت نے بھی کئی بار آپ ﷺ کو اپنا دودھ پلایا وہ آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ شیر خدا کی رضائی ماں تھی۔ انھی دنوں میں جب آپ ﷺ بنوسعد میں پرورش پا رہے تھے تب حضرت حمزہؓ بھی بنوسعد ہی میں قیام پذیر تھے۔ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ آپ ﷺ اور آپ کے چچا حضرت حمزہؓ کی عمروں میں زیادہ فرق نہ تھا۔

❖ ❖ ❖

بیچ صحرا بنو سعد کے خیموں میں جس بابرکت ہستی نے نزول فرمایا تھا بنو سعد کو اُس کا احساس رسول اللہ ﷺ کی آمد کے پہلے روز ہی ہو گیا تھا جب انھوں نے اپنے کئی امور کو معمول سے ہٹتے دیکھا۔ بنو سعد کی خوشیوں اور خوش بختیوں کا کچھ تذکرہ یہاں مقصود ہے۔

40 قبل نبوت، 53 قبل ہجرت، جون 571ء



عربوں میں رواج تھا کہ وہ اپنے بچوں کی پرورش کے لیے کھلے صحرائی ماحول کو پسند کرتے تھے۔ صدیوں سے اُن کے ہاں یہ رسم قائم چلی آ رہی تھی کہ اُن کے بچے صحرا کی تند و تیز ہواؤں اور صبر آزما موسموں میں ہی پروان چڑھتے تھے۔ جس کی وجہ سے نہ صرف اُن کی جسمانی نشوونما اعلیٰ پیمانے پہ ہوتی تھی بلکہ اُن کی زبان کو وہ فصاحت اور بلاغت بھی حاصل ہو جاتی تھی جو صرف صحراؤں میں مقیم قبیلوں کا خاصہ تھی اور عرب زبان کے معاملے میں بہت حساس تھے۔ اسلام آنے بعد بھی عربوں نے مدتوں اس رسم کو قائم رکھا یہاں تک کہ بنوامیہ نے دمشق میں اپنا پایہ تخت قائم کیا اور شان و شوکت میں شاہانِ قیصر و کسریٰ کی ہمسری کی۔ مگر اِن حالات میں بھی اُن کے بچے صحراؤں میں ہی پروان چڑھتے تھے حتیٰ کہ اُن کو زبان کی وہ فصاحت اور بلاغت حاصل ہو جاتی جو عربوں کے لیے کسی سرمایہ سے کم نہ تھی۔[15*] بیان کیا گیا کہ بنوامیہ کے خاندان سے ولید بن عبدالملک اپنی ماں کا بہت لاڈلا تھا اور اپنی ماں کی اسی محبت کی وجہ سے وہ اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ صحرا میں پرورش نہ پا سکا۔ اس کی پرورش شاہی حرم میں ہی ہوئی جس کا نتیجہ یہ

نکلا کہ اسے ساری عمر عمدہ زبان بولنے کا موقع نہ مل سکا۔ سارے خاندان میں وہ واحد شخص تھا جس کے بارے میں لوگ جانتے تھے کہ اس شخص کی زبان عامیانہ ہے اور اسے فصاحت سے کوئی علاقہ نہیں۔ جس کی وجہ سے ولید بن عبدالملک کو ہمیشہ شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا ہر چند کہ وہ بڑی شان وشوکت کا حامل بادشاہ تھا۔[*16]

مورخین نے بہت سی ایسی وجوہات بیان کی ہیں جس کی بنا پہ عرب اپنے لڑکوں کے لیے پسند کرتے تھے کہ وہ صحرا کے خالص ماحول ہی میں پرورش پائیں۔ ایک وجہ یہ تھی کہ اُن کی بیویاں اپنے شوہروں کی خدمت کے لیے فارغ ہوجائیں اور اس لیے بھی کہ اُن کے بیٹے صحرائی زبان کا اعلیٰ شعور حاصل کرسکیں۔ جب وہ بڑے ہوں تو فصیح البیان مقرر اور قادر الکلام شاعر بن سکیں کہ اس کے بغیر کوئی عرب شان وشوکت کا مقام حاصل نہیں کرسکتا۔ صحرا کی آب وہوا پاک وصاف اور شہری آلودگیوں سے مبرا ہوتی ہے اور شہری وباؤں سے پُر آب وہوا اندرون صحرا تک رسائی حاصل نہیں کرسکتی۔ اُن کے بچے صحرا کی سختی اور جفاکشی میں پروان چڑھتے تو ساری عمر کے لیے تساہل اور کوتاہی سے دور ہو جاتے۔ اُن کی صحت صحرا کی خالص آب وہوا کی وجہ سے وہ عمدگی اختیار کرتی کہ بیماریاں اُن سے کوسوں دور بھاگتیں۔ اس لیے بھی کہ وہ اپنے جد امجد حضرت معد کی جسمانی قوت اور ہڈیوں کی مضبوطی اور اعصاب کی پختگی کو حاصل کرسکیں۔

اس لیے بھی کہ وہ صحرا کی کھردری چٹانوں اور اس کی نرم مگر آگ اگلتی ریت سے آشنائی حاصل کر سکیں کیونکہ اُن کی ساری زندگی اِنھی سختیوں کا سامنا کرتے گزرنے والی تھی اس لیے احسن یہی تھا کہ وہ بچپن ہی سے خود کو جفاکشی اور سخت گیری کا عادی بنالیں۔

اس لیے بھی کہ صحرا کی وسعتوں میں انسان حفاظت خود اختیاری میں اتنا چوکنا ہوجاتا ہے کہ دوسروں کی اعانت کا محتاج نہیں رہتا۔ وہ جانتا ہے کہ درپیش مصیبت سے اُس نے اکیلے ہی نمٹنا ہے دوسرا کوئی اس کی مدد کو نہ آئے گا۔ اس لیے اُن کے اندر دلیری اور شجاعت کے وہ اوصاف جنم لیتے ہیں جو ساری زندگی کے لیے اُن کا اثاثہ ہوجاتے ہیں۔

صحرا کی زندگی میں تعیش کے کچھ زیادہ مواقع نہیں ہوتے اس لیے صحرا میں پرورش پانے والا بے نیاز اور حرص سے آزاد ہوجاتا ہے۔ وہ بخل سے ہمیشہ کے لیے بچ جاتا ہے بلکہ اس کے برعکس اُس کے

اندر سخاوت اور فیاضی کے وہ اوصاف جنم لیتے ہیں جو عربوں میں نہایت ہی پسندیدہ افعال تصور کیے جاتے ہیں۔اس لیے عرب اس بات کو فوقیت دیتے کہ اُن کے بچے ماں کی نرم اور آسودگی بخش گود کی بجائے صحرا کی سخت اور بے رحم فضاؤں میں پرورش پائیں تاکہ اُن کی آنے والی زندگی پہ اس کے مثبت اثرات ثبت ہوسکیں۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

ہر عرب کی طرح حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ نے بھی یہ خواب دیکھ رکھا تھا کہ اُن کا بیٹا صحرا کی وسعتوں میں پرورش پائے گا۔مگر حضرت عبداللہ کی وفات سے حضرت آمنہ کا یہ خواب بکھر کے رہ گیا تھا۔

مگراس کے باوجود وہ اپنی لونڈی سے پوچھتی رہتیں کہ بنوسعد کی عورتوں سے تو کوئی نہیں آیا؟

مگر دور کہیں دل میں اُن کے اندر یہ گمان پرورش پا رہا تھا کہ شاید محمد ﷺ کی یتیمی کی وجہ سے بنوسعد کی عورتیں اِن کے دروازے پہ دستک نہ دیں۔حضرت عبداللہ نے چونکہ اپنے ورثے میں چند بکریوں اور ایک کنیز کے علاوہ کچھ نہیں چھوڑا تھا اس لیے بھی حضرت آمنہ کو اپنے اس خواب کی تعبیر مشکل نظر آ رہی تھی[17*] ۔

مگر وہ شاید نہیں جانتی تھیں کہ محمد ﷺ کے دادا بھی انھی سوچوں میں گم تھے اور وہ کئی بار منیٰ کی اس تلہٹی کی طرف گئے تھے جہاں بنوسعد کے قافلے آ کے رکا کرتے تھے۔اُن میں وہ مائیں شامل ہوتیں جو اہل مکہ کے سردار گھرانوں کے بیٹوں کو اپنے ساتھ صحرا میں لے جاتیں اُن کو اپنا دودھ پلاتیں اور صحرا کی وسعتوں میں عربوں کے نونہال پرورش پاتے تاکہ آنے والے دنوں میں اُن کی قائدانہ صلاحیتوں کو جلا ملے اور وہ اپنے قبیلے یا خاندان کی راہنمائی کرنے کے قابل ہوسکیں۔قصی بن کلاب کے عہد سے ہی منیٰ کا یہ نشیبی علاقہ جو شہر مکہ سے ذرا سا ہی باہر تھا بنوسعد اور دیگر صحرائی قبائل کے رکنے کی پسندیدہ جگہ کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔پھر اس سال جب نبی پاک ﷺ بھی اس دنیا میں تشریف لا چکے تھے بنوسعد کا پہلا قافلہ اترا [18*]۔

وہ ہر سال ایک خاص موسم میں یہاں اترا کرتے اور اپنے خیمے نصب کرتے۔اُن کے خیموں کی رونق

اور روشنیاں اہل مکہ کو باور کراتیں کہ جس نے اپنے بیٹے کی پرورش صحراؤں کی وسعت میں کرانی ہے وہ تیاری کر لے کہ آئندہ چند دنوں میں اِن خیموں سے کئی عورتیں نکلیں گی اور شہر مکہ کے اُن گھرانوں کا رخ کریں گی جہاں بیٹوں نے جنم لیا ہے اور اُن کے والدین اُن کی پرورش کے لیے خالص صحرائی ماحول کو پسند کرتے ہیں۔

منیٰ کی وہ تلہٹی جہاں بنو سعد کے قافلے اترا کرتے تھے کوہ ابو قبیس کے بالکل مقابل تھی جہاں سے ابو قبیس کی ڈھلوانوں پہ بنے ہر مکان کی کھڑکی سے دیکھا جا سکتا تھا کہ بنو سعد کے قافلے اتر آئے ہیں یا ابھی نہیں۔ منیٰ کی اس تلہٹی میں بنو سعد کے قافلے کو اترے آج تیسرا روز تھا مگر اُن کے خیموں میں اس بار پہلی سی رونق اور چہل پہل مفقود تھی۔ اِن کے جانوروں پہ کمزوری غالب تھی حتیٰ کہ اُن کی بکریوں کی پسلیاں بھی دکھائی دینے لگی تھیں۔ خود بنی سعد والوں کا رویہ عجیب سا تھا۔ قافلے کو اترے تین دِن ہو گئے تھے مگر اُن کے خیموں سے کوئی عورت برآمد نہ ہوئی تھی جو شہر مکہ کو جاتی اور وہاں کے سردار گھرانوں کے بیٹوں کی پرورش اور رضاعت کی ذمہ داری لیتی۔ اُن کے جانور تو ایک طرف رہے خود بنو سعد والوں کے چہروں کی رنگت بھی پہلے جیسی کھلی ہوئی نہ تھی جیسا کہ صحرا سے آنے والوں کے رنگ عمومی طور پہ ہوا کرتے تھے۔ اس بار اُن کے رنگ سورج کی تپش سے سلگے ہوئے لگتے تھے اور اِس دفعہ اُن کے چہرے نسبتاً زیادہ سیاہ تھے جس کی وجہ سے اُن کی آنکھوں کی چمک بھی معدوم ہو چکی تھی۔

مورخین نے لکھا ہے کہ بنو سعد کے اس پراسرار رویے کے پیچھے وہ قحط تھا جس کا سامنا اس سال اُن کو کرنا پڑا تھا۔ جس کی بنا پہ اُن کے جانور مر گئے تھے، اُن کی املاک تباہ ہو گئی تھیں، اُن کے پاس غلہ ختم ہو گیا تھا اور نوبت فاقوں تک پہنچ گئی تھی [19*]۔ ورنہ اس سے پہلے جب بنو سعد کے قافلے اترا کرتے تب اِس علاقے کی رونق دیکھنے کے قابل ہوتی تھی۔ اہل مکہ کے نوجوان اکثر اس تالاب پہ جمع ہو جایا کرتے تھے جو منیٰ کی تلہٹی میں ذرا سے فاصلے پر چٹانوں کے گھر جانے کی وجہ سے بن گیا تھا جس میں برسات کا پانی جمع ہو جانے سے وہ تالاب کی شکل اختیار کر لیا کرتا تھا۔ جہاں بنو سعد کی نوجوان لڑکیاں جب پانی لینے کے لیے اترتیں تو مکہ کے نوجوانوں سے اُن کی تکرار ہو جاتی۔ دراصل مکہ کے نوجوان اُن کی زبان کی فصاحت اور بلاغت کو محسوس کرنے کے لیے یہاں جمع ہوا

کرتے تھے کہ اِن نوجوانوں کے لیے بادیہ بنوسعد کی کھلی فضاؤں میں ڈھلی ہوئی زبان کا سننا اور اُن لڑکیوں سے مخاطب ہونا ایک دلفریب تجربہ تھا۔ جب وہ بنوسعد کی لڑکیوں کو پکارتے تو جواب میں اُن کو وہ چست حسین اور رنگین فقرے سننے کو ملتے جو ڈھلے ہوئے سکوں کی طرح کھنکتے اور اہل مکہ کے نوجوان جنھیں شعروادب کی گھٹی ملی ہوتی اور جو فصاحت و بلاغت پہ اپنا سب کچھ قربان کرنے کو ہر پل تیار رہتے۔[20*] جب کوئی شعر یا ایسا فقرہ جس میں زبان کی عمدگی پائی جاتی ہو سننے کو مل جاتا تب وہ اس کو اپنا سرمایہ جانتے اور مدتوں اپنی محفلوں میں اس کا تذکرہ کرتے رہتے۔ بنوسعد کے لوگ دراصل حارث اور حلیمہ کا انتظار کر رہے تھے جو اپنی لاغر گدھی کی وجہ سے قافلے سے پیچھے رہ گئے تھے۔

قافلہ پہنچنے کے تین دن بعد وہ بھی آ پہنچے۔

پھر اگلے دن بنوسعد کی عورتیں اپنے گھروں سے نکلیں اور شہر مکہ میں داخل ہوئیں۔ اکثر عورتوں کو جلد ہی اہل قریش کے گھرانوں سے بچے حاصل ہو گئے۔ تاہم حلیمہ سعدیہ کو اس روز کوئی بچہ نہ مل سکا۔ حالانکہ آنحضرت محمد ﷺ کے بارے میں حلیمہ کو معلوم تھا مگر وہ اُن کی یتیمی کی وجہ سے اُن کے گھر نہ گئیں اور دوسرے گھروں سے ہی بچے تلاش کرتی رہیں۔

حلیمہ سعدیہ رسول اللہ ﷺ کو حاصل کرنے کا واقعہ یوں بیان کرتی ہیں:

میں سعد ابن بکر ابن ہوازن کی دس عورتوں کے ہمراہ شہر مکہ کی طرف آئی۔ ہم سب اُن بچوں کی تلاش میں نکلیں تھیں جن کو دودھ پلانے کے عوض قریش کے سردار گھرانے ہماری غربت کی ڈھال بن سکتے تھے۔ اور یہ سال سخت قحط کا سال تھا جس نے بادیہ نشینوں کو نچوڑ دیا تھا۔ ہمارے پاس ایک بوڑھی اونٹنی تھی جس کے تھنوں میں دودھ کا ایک قطرہ تک نہ تھا۔ ہماری گدھی ایسے قدم اٹھاتی تھی جیسے وہ پتھر کی کوئی سل ہو جسے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا دشوار ثابت ہو رہا تھا۔ حضرت حلیمہ سعدیہ کہتی ہیں کہ ہمارے پاس اناج کا ایک دانہ بھی نہ تھا اس لیے گذشتہ رات میرا بیٹا رات بھر روتا رہا تھا کہ اسے دودھ کا ایک قطرہ بھی نہ ملا تھا۔ ایسے میں ہماری خواہش تھی کہ اہل قریش اپنے جودوسخا سے ہماری جھولیاں بھر دیں اور ہم اُن کو دعائیں دیں اور اُن کے بچوں کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھیں۔ چنانچہ امید کا کمزور دامن تھامے ہم شہر مکہ کی طرف رواں تھیں میری گدھی دو قدم اٹھاتی اور پھر کھڑی

ہو جاتی کہ قحط کی وجہ سے اُس کے پیٹ میں بھی نجانے کتنے دنوں سے اناج کا ایک دانا تک نہ گیا تھا ۔جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں بنوسعد کی دائیوں سے بار بار پیچھے رہ جاتی اور اُن کو رُک رُک کے میرا انتظار کرنا پڑتا جس کی وجہ سے مجھے کوفت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

آخر ہم لوگ مکے پہنچ گئے اور دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں لگ گئے ۔ جب ہمارا قافلہ شام ڈھلے منیٰ کی تلہٹی میں واپس اترا تب بہت سی عورتوں کو قریش کے بچے مل گئے تھے مگر میں خالی ہاتھ واپس آئی تھی اس لیے کہ سوائے عبدالمطلب کے یتیم پوتے کے مجھے کوئی اور بچہ نہ مل سکا تھا مگر میں نے اس یتیم کے گھر جانا مناسب خیال نہ کیا کہ اُن کے بوڑھے دادا ہماری کیا خدمت کر سکیں گے اس لیے میں اُس شب خالی ہاتھ ہی لوٹ آئی کہ اگلے روز پھر کوشش کروں گی ۔[21*] اگلی صبح مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ عبدالمطلب نے بنوسعد کی کئی دائیوں سے کہا تھا کہ وہ محمد ﷺ کو دودھ پلائیں ۔مگر میری طرح دوسری دائیوں نے بھی اُن کو اس لیے نظر انداز کیا تھا کہ وہ یتیم ہو چکے تھے ۔میں نے دو دن مزید کوشش کی اور دونوں دن مجھے عبدالمطلب ملتے رہے ۔قافلہ اب مکہ میں صرف میری وجہ سے ہی رکا ہوا تھا جس سے مجھے شرمندگی محسوس ہو رہی تھی اُس روز جب میں حضرت عبدالمطلب سے ملی تو انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ میں کون ہوں؟

میں نے کہا! میں قبیلہ بنوسعد کی ایک عورت ہوں اور میرا نام حلیمہ سعدیہ ہے۔

حضرت عبدالمطلب بہت خوش ہوئے اور کہا!

واہ واہ ،سعادت اور حلم ایک ساتھ کہ یہ دونوں ایسی خوبیاں ہیں جن میں زمانے کی بھلائی اور ہمیشہ ہمیشہ کی عزت ہے۔

اے حلیمہ! کیا تو میرے پوتے کو دودھ پلائے گی جو یتیم ہو چکا ہے؟

ہم تمھیں یقیناً انعام واکرام سے نوازیں گے ۔میں نے اپنے دل میں سوچا کہ کوئی اور بچہ تو مل نہیں رہا چلو یہی سہی۔

تاہم میں نے حضرت عبدالمطلب سے کہا:

اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے شوہر سے مشورہ کر لوں ۔اس بات پہ حضرت عبدالمطلب بہت خوش ہوئے اور کہا میں یہیں اسی جگہ تمہارا انتظار کروں گا۔میں تیزی سے بنوسعد کے خیموں کی طرف

روانہ ہوئی اور وہاں پہنچتے ہی اپنے شوہر کو تلاش کیا۔

حرث جانوروں کے لیے چارے کی تلاش میں نکلا تھا [22*] ۔

تھوڑی دیر بعد میں نے اسے تلاش کر لیا اور اس سے کہا:

حارث اگر تم کہو تو میں اس یتیم کو ہی لے آؤں کہ مجھے خالی ہاتھ واپس جانا اچھا نہیں لگ رہا۔

حارث نے کہا؛

کوئی حرج نہیں تم انھیں کو لے آؤ شاید اللہ تعالیٰ اُن کی بدولت ہماری حالت کو سنوار دے اور میں انھی قدموں پہ واپس مکہ لوٹ گئی۔حضرت عبدالمطلب وعدے کے مطابق وہیں کھڑے تھے جہاں میں انھیں چھوڑ کے آئی تھی۔

مجھے دیکھ کر حضرت عبدالمطلب کا چہرہ چمکنے لگا؛

انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے حضرت آمنہ کے گھر کی طرف لے کر چل دیئے۔

حضرت آمنہ نے مجھے خوش آمدید کہا؛

اور مجھے گھر کے اندر وہاں لے گئیں جہاں آنحضرت محمد ﷺ محو استراحت تھے میں نے دیکھا کہ اونی کپڑے میں ایک بچہ لپٹا ہوا ہے جس کا رنگ دودھ سے بھی زیادہ سفید ہے۔آپ ﷺ سبز رنگ کے ایک ریشمی بستر میں لپٹے ہوئے تھے اور سیدھے لیٹے ہوئے مزے سے سو رہے تھے۔مجھے اُن پہ خواہ مخواہ ہی پیار آنے لگا تھا۔میں نے محسوس کیا کہ اس حجرے میں کوئی ایسی خوشبو ہے جس سے میں اس سے قبل آشنا نہ تھی۔اس خوشبو کی عمدگی اس بات کا پتا دیتی تھی کہ یہ کسی اور ہی جہاں کی خوشبو ہے۔پھر میں نے نبی اکرم ﷺ کا بوسہ لینے کے لیے اپنا چہرہ اُن کے قریب کیا تو میں نے جانا کہ وہ خوشبو تو اس بچے سے اٹھ رہی ہے۔

تاہم میں نے آپ ﷺ کا بوسہ نہ لیا کہ مبادہ اُن کی نیند خراب ہو۔مجھے اس بچے کے حسن و جمال نے مسحور کر دیا اور میں اس بات پہ افسردہ تھی کہ میں دو دن تک اس بچے سے دور کیوں رہی ہوں۔میں نے پیار سے آپ ﷺ کے سینے پہ ہاتھ رکھا تو آپ ﷺ اپنی آنکھیں کھول کے مسکرانے لگے۔

میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی آنکھوں سے ایک نور نکلا اور آسمان تک چلا گیا تب میں جان گئی یہ

بچہ کوئی عام بچہ نہیں ہے بلکہ اللہ کی خاص رحمت ہے جو مجھے عطا کی گئی ہے[23*] ۔

حضرت آمنہ میری طرف دیکھ رہی تھیں۔

پھر انھوں نے مجھ سے کہا؛

جب یہ پیدا ہونے والا تھا تب کسی کہنے والے نے خواب اور بیداری کی درمیانی حالت میں مجھ سے کہا تھا کہ اول اس بچے کو قبیلہ بنو سعد بن بکر میں رکھنا پھر اس کی پرورش آل ابو ذویب میں کرانا[24*]۔

یہ سن کر حلیمہ سعدیہ مسکرادیں"۔

حضرت آمنہ نے اُن سے مسکرانے کی وجہ پوچھی تو انھوں نے کہا؛

میں اس لیے مسکرائی کہ ہمیں تو بنوسعد بن ابی بکر ہیں اور میری گود میں جو بچہ تم دیکھ رہی ہو اسی کا نام تو ذویب ہے۔اس پہ حضرت آمنہ مطمئن ہوگئیں اور انھوں نے نبی اکرم ﷺ کو ہاتھوں پہ اٹھایا اور انھیں پیار کیا پھر انھیں حلیمہ سعدیہ کے پھیلے دامن میں ڈال دیا اور اُس وقت حضرت آمنہ کے لبوں پہ یہ اشعار تھے۔

اُعیذُہٗ باللّٰہ ذی الجلال

من شر ما مرّ علی الجبال

جسم پہ جو شر گزرتے ہیں جو بدی و خرابی و خستگی لاحق ہوتی ہے جو آفات و امراض پیش آتے ہیں اِن سب سے میں اس بچے کو خدائے ذوالجلال کی پناہ میں دیتی ہوں اور اس کے لیے خدا سے پناہ مانگتی ہوں۔"

✡✡✡✡✡✡✡✡

حتی اراہٗ حامل الحلال

و یَفعل العُرفَ الی الموال

میں اس وقت تک کے لیے اس کو خدائے ذوالجلال کی پناہ میں دیتی ہوں اور اسے امر حلال کا

حامل اور اسے غلاموں کے ساتھ نیکی کرتے دیکھ لوں۔"

۞۞۞۞۞۞۞۞

وغیرھم من حثوۃ الرجال

اور صرف غلاموں ہی کے ساتھ نہیں بلکہ میں یہ بھی دیکھوں کہ اِن کے علاوہ دوسرے ادنیٰ درجے کے لوگوں کے ساتھ بھی وہ نیکیاں کر رہا ہے[25*] ۔"

۞۞۞۞۞۞۞۞

حضرت حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ؛

جب نبی اکرم ﷺ کو لے کر میں بنی سعد کے خیموں میں پہنچی تب مجھے اور میرے شوہر حارث کو یوں لگا جیسے اللہ تعالیٰ نے ہمارے دل کو خوشی اور مسرت سے بھر دیا ہو۔ میں نبی اکرم ﷺ کو لے کر اپنے خیمے میں آ گئی اور اُن کے منہ میں اپنا دایاں پستان دیا جس میں دودھ کم ہی تھا مگر دیکھتے ہی دیکھتے میری چھاتیوں میں دودھ یوں اترا جیسے آبشاروں سے پانی اترتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے خوب جی بھر کے دودھ پیا۔

اس کے بعد میں نے آپ کے منہ میں اپنا باہنا پستان ڈالا مگر آپ ﷺ نے اسے نہیں پکڑا دراصل یہ وہ عدل تھا جو نبی اکرم ﷺ کے شایانِ شان تھا کہ وہ جانتے تھے کہ اُن کا ایک بھائی بھی ہے۔ اُس کا بھی اس دودھ پہ حق ہے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ کے بعد میں نے اپنے بیٹے عبداللہ کو دودھ پلایا اُس نے بھی جی بھر کے دودھ پیا۔ اس کے بعد جتنا عرصہ نبی اکرم ﷺ نے میرا دودھ پیا انھوں نے کبھی بایاں پستان اپنے منہ میں نہیں لیا بلکہ اسے اپنے بھائی عبداللہ کے لیے چھوڑے رکھا۔ میرے شوہر حارث نے اپنی بوڑھی اونٹنی کو دیکھا تو اس نے جانا کہ اُس کے تھنوں سے بھی دودھ ابلنے کو تھا۔ حارث نے دودھ دھویا اور ہم دونوں نے خوب سیر ہو کے پیا۔ یہ سب کچھ نبی اکرم ﷺ کی بابرکت ذات کے کرشمے تھے جنھوں نے بنو سعد کی آسودگی کو آواز دی تھی۔ اُس رات

عبداللہ بھی خوب جی بھر کے سویا اور محمد ﷺ نے بھی جی بھر کے نیند لی حالانکہ اس سے قبل بھوک کی وجہ سے عبداللہ کئی رات سے نہ وہ خود سویا تھا نہ اُس نے ہمیں سونے دیا تھا۔

میرے شوہر نے اگلی صبح اس بات کا اظہار بھی کیا کہ حلیمہ خدا کی قسم؛ تم نے بہت ہی مبارک بچے کو حاصل کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے رضاعی بہن بھائیوں میں عبداللہ بن حارث، انیسہ بنت حارث اور خذامہ بنت حارث شامل تھے۔

خذامہ ہی کو مورخین نے شیما لکھا ہے وہ نبی اکرم ﷺ کو اپنی گود میں کھلایا کرتی تھیں۔

محمد ابن سعد نے حضرت حلیمہ سعدیہ کا نسب یوں بیان کیا ہے۔

"حلیمہ بنت عبداللہ بن الحارث بن شخبہ بن جابر بن ازرام بن ناصرہ بن فصیہ بن نصر بن سعد بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس بن عیلان بن مُضر"۔

حضرت حلیمہ سعدیہ کے شوہر حارث کا نسب یہ ہے۔

حارث ابن عبدالعزیٰ بن رفاعہ بن ملان بن ناصرہ بن فصیہ بن سعد بن بکر بن ہوازن"۔

اگلی صبح بنی سعد والوں کے قافلوں کو اپنے صحراؤں کی طرف لوٹنا تھا۔ بنی سعد کی کئی عورتیں اس امر سے آگاہ ہو چکی تھیں کہ حضرت حلیمہ نے جو بچہ حاصل کیا ہے وہ بہت بابرکت اور نصیب والا ہے اس لیے اُن میں سے کئی کے چہرے حسد سے سیاہ ہو رہے تھے۔

چنانچہ بنو سعد کا قافلہ اپنی پہلی منزل کے لیے نکلا۔

سب سے آگے حضرت حلیمہ سعدیہ کی وہ مریل گدھی تھی جس کا رنگ سبزی مائل خاکستری تھا اور وہ مکہ آتے ہوئے ایک ایک قدم مشکل سے اٹھاتی تھی مگر آج اُس کی حالت یہ تھی کہ وہ سب سے آگے تھی اُس کی چال میں وہ نزاکت اور پھرتی تھی کہ دوسری عورتوں کو کہنا پڑا۔

ارے او ابو ذویب کی بیٹی! ذرا سانس تو لے۔

ہمیں ساتھ لے کے چل!

پھر ہم لوگ بنو سعد کے صحرا میں اپنے خیموں میں پہنچے اور میں نہیں جانتی کہ میں نے اس سے زیادہ قحط سے جھلسی ہوئی کوئی زمین دیکھی ہو کہ دور دور تک زمین سبزے سے خالی تھی۔ مگر عجیب بات تو یہ تھی کہ میری بکریاں جب چرنے کے لیے جاتیں تو واپسی پہ اُن کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہوتے

۔جب کہ دوسرے لوگوں کے جانور اسی طرح بھوکے واپس آجاتے جس طرح کہ وہ صبح گئے تھے۔
اس لیے وہ لوگ اپنے چرواہوں کو ملامت کرتے کہ تم اپنے جانور اُس جگہ کیوں نہیں چراتے جہاں حلیمہ کی بکریاں چرتی ہیں۔
اور برکتیں تھی کہ ہماری جانب دوڑی چلی آرہی تھیں۔
نبی اکرم ﷺ تیزی سے پرورش پارہے تھے۔
ہم اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بہرہ مند ہوتے رہے۔
ہم وہ باتیں دیکھتے رہے جن کا ہم کو شعور نہ تھا،کبھی ہماری بکریاں نبی اکرم ﷺ کو سجدہ کرتیں اور کبھی اُن کے سر کے بوسے لیتیں،کبھی بادل نبی اکرم ﷺ پہ سایہ کیے رکھتے اور کبھی ہمیں محسوس ہوتا کہ قحط سالی کے باوجود ہمارے گھر میں ہر طرح سے آسودگی ہے۔
حضرت حلیمہ سعدیہ نبی اکرم ﷺ کے بارے میں فرماتی ہیں کہ؛
جب نبی اکرم ﷺ دو ماہ کے ہوئے تو وہ ہر طرف بھاگتے دوڑتے تھے اور جب آپ ﷺ آٹھ مہینے کے ہوئے تب آپ ﷺ اس طرح بولنے لگے تھے کہ آپ ﷺ کی ہر بات سمجھ میں آجاتی تھی۔نو ماہ کے ہوئے تو عقل کی باتیں کرنے لگے۔دس ماہ کی عمر میں آپ ﷺ اپنے سے کئی گنا بڑے بچوں کے ساتھ تیر چلانے لگے تھے۔
دو ہی سال میں نبی اکرم ﷺ ایک تندرست اور مضبوط لڑکے محسوس ہونے لگے تھے۔
حضرت حلیمہ سعدیہ بتاتی ہیں کہ؛
کہ قبیلے کا ہر فرد نبی اکرم ﷺ سے محبت کرتا تھا کبھی کوئی انھیں اٹھا کے لے جاتا تو کبھی کوئی دوسرا لے جاتا۔نبی اکرم ﷺ کے جسم سے ایسی خوشبو نکلتی تھی جو ہر کسی کو آپ ﷺ کا دیوانہ کیے رکھتی۔
گویا آپ قبیلے کی آنکھ کا تارا بنے ہوئے تھے اور لوگ حلیمہ کے مقدر پہ حیران تھے۔
نبی اکرم ﷺ نے جو دن بنو سعد میں گذارے انھیں قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے کچھ اس انداز سے پیش کیا کہ اُن کے بیان فصاحت پہ حیرت ہوتی ہے۔قصیدہ ہمزیہ سے کچھ اشعار یہاں پیش کیے جا رہے ہیں۔

وَبدت فی رضاعتہ معجزات

لیس فیها عن العیون خفاء

آنحضرت محمد ﷺ کے زمانہ رضاعت میں ایسے ایسے عجیب واقعات پیش آئے جو سب نے کھلی آنکھوں سے دیکھے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اذاتتہ لیتمہٖ مرضعا ت

فلن ما فی ائتیمہ عنا غناء

انھوں نے اُس کی غربت کی بناپہ اپنے بچے نہ دیئے اور اُس نے نبی اکرم ﷺ کو یتیم ہونے کی بناپہ نہ لیا مگر پھر جا کے لے آئی۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

فا تتہ من ال سعد فتاۃ

قدابتها لفقرها للمرضعاء

اُس نے (یعنی حلیمہ نے) بچے کو دودھ پلایا اور برکتیں اُس کے قبیلے کی طرف لپکنے لگیں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اوضعتہ لبا نها فسفتها

و بینها البا نهن الشاء

اُن کی بکریاں بے انتہا دودھ دینے لگیں۔ زبردست خشک سالی اور قحط کے بعد اُن کو زندگی کا عیش و آرام حاصل ہوا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اصبحت شولا عجانا وامست

مابہا شائل ولا عجفاء

حضرت حلیمہ نے اُن کو دودھ پلا کے شاداب کیا اور اُن کی بکریاں اور بوڑھی اونٹنیاں بھی دودھ دینے لگیں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اخصب العیش عندھا بعد محل

اذ غذ اللنبی منہا غذاء

یہ صرف اُن کی برکت تھی کہ دایہ حلیمہ کو آنحضرت محمد ﷺ کے لیے غذا اور خوراک حاصل کرنا تھی۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

یالھا منہ تعد صوعف الاجر

علیہا من جنسہا و الجزاء

انھوں نے آنحضرت محمد ﷺ کو دودھ پلایا تو اُن کو اس نعمت کے بدلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوہری نعمت عطا کی گئی۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

واذا سخرا لا لہٗ اناسا

لسعید فانھم سعداء

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ انسان جس طرح کی نیکی کرتا ہے اللہ اس کو اسی قسم کی جزا عطا فرماتا ہے[26*]۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت حلیمہ سعدیہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا زمانہ رضاعت اتنی تیزی سے گزرا کہ ہمیں احساس ہی نہ ہوا کہ دوسال ہوگئے ہیں۔اب اُن کو دودھ چھڑانا ہوگا میں اور میرے گھر والے، میرے قبیلے والے نبی اکرم ﷺ کے اس قدر عادی ہوچکے تھے کہ جب ہمیں یہ خیال آیا کہ اب انھیں واپس اِن والدین کولوٹانا ہوگا تو ہمارے دل بیٹھ گئے۔ہم دکھ اور درد سے بھر گئے کہ کل تک ہم کو اس جدائی کا ادراک نہ تھا اور آج جب نبی اکرم ﷺ کا دودھ چھڑایا گیا تب ہم نے جانا کہ یہ تو کسی کی امانت ہیں جن کو بہر حال یہاں سے جانا ہے۔

چنانچہ ہم بوجھل ارادوں اور غم سے بھرے دلوں کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کو لیے شہر مکہ کے لیے روانہ ہوئے۔

ہمارے دل میں یہ تمنا تھی کہ کاش یہ دن کبھی نہ آتا۔

ہم حضرت آمنہ کے ہاں پہنچے اور اُن کی امانت اُن کے سپرد کی۔

حضرت آمنہ اپنے بیٹے کو دیکھ کر کھل اٹھیں کہ یہی اُن کی ممتا کا تقاضا تھا۔

اس کے بعد چند دن ہم انھی کے ہاں ٹھہرے۔

اور جو بات ہمارے دل میں تھی اسے کہتے ہوئے ہم ڈرتے تھے مگر آخر ہم نے کہہ دیا کہ ہمیں مکہ کی وبا سے خطرہ ہے اس لیے اگر آپ مناسب جانیں تو محمد ﷺ کو ہم ابھی اپنے ساتھ لے جائیں اور مزید اِن کی تربیت کریں۔

مگر حضرت آمنہ نے انکار کر دیا۔

ہم اُن سے اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ ہم نے اُن کو منا ہی لیا۔

ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی اس لیے کہ واپسی پہ بھی نبی اکرم ﷺ ہمارے ساتھ ہی تھے۔جب ہم نبی اکرم ﷺ کو ساتھ لے کر بنی سعد کے خیموں میں پہنچے تو وہ برکتیں پھر سے اُمنڈ آئیں جن کے ہم متمنی تھے۔تب نبی اکرم ﷺ تھوڑے بڑے ہوگئے تھے اس لیے وہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے شوہر حارث کے ساتھ جنگل میں بکریاں چرانے کے لیے جایا کرتے۔

حارث اُن کو اپنے کندھوں پہ بٹھا کر لے جاتے تھے۔نبی اکرم ﷺ اُس جنگل میں اپنے رضاعی بھائی عبداللہ کے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔گھر میں اُن کی رضاعی بہن شیما اُن کا خیال رکھتی تھی۔

حضرت حلیمہ سعدیہؓ بیان کرتی ہیں:

جب ہم نبی اکرم ﷺ کو مکہ سے دوبارہ لائے تو اب ہم نبی اکرم ﷺ کا بہت خیال رکھتے تھے اور اُن کو بستی کے گھروں سے دور نہ جانے دیتے تھے مگر ایک دوپہر جب میں سوئی تو بہت غفلت کی نیند سوئی۔ پھر اچانک ہی میری آنکھ کھلی تو میں نے جانا کہ محمد ﷺ موجود نہیں ہیں۔

میں نے اُن کو تلاش کرنا شروع کیا اور میں بہت پریشان تھی پھر میں نے انھیں بستی سے ذرا باہر شیما کے ساتھ دھوپ میں کھیلتے دیکھا۔

تو میں نے شیما کو سرزنش کی کہ بھائی کو دھوپ میں لے کے کھڑی ہو انھیں لُو لگ جائے تو؟

مگر شیما نے معصومیت سے کہا!

بھائی کے سر پہ تو دھوپ آتی ہی نہیں اس لیے کہ وہ جہاں بھی جاتے ہیں ایک بادل اُن پہ سایہ کیے رکھتا ہے۔

حضرت حلیمہ سعدیہؓ کہتی ہیں پھر میں نے بھی اس حقیقت کو جان لیا کہ ایک بادل دھوپ سے آپ ﷺ کی حفاظت کرتا ہے۔

شیما دس بارہ سال کی لڑکی تھیں اور وہ آپ ﷺ کو گود میں اٹھائے بنوسعد کی بستی میں گھومتی رہتیں۔

شیما آپ ﷺ کو گود میں لیے رکھتیں اور یہ اشعار پڑھا کرتیں۔

هٰذَا اَخٌ لِی لَمْ تَلِدْهُ اُمِّیْ

وَلَیْسَ مِنْ نَسْلِ اَبِیْ وَ عَمِّیْ

اور یہ میرے ایسے بھائی ہیں جن کو میری ماں نے نہیں جنا اور نہ ہی یہ میرے چچا یا ماموں کے بیٹے ہیں۔

يَا رَبَّنَا اِبْقِ لَنَا مُحَمَّدًا
حَتّٰی اَرَاہُ یَافِعًا وَ اَمْرَدَا

اے میرے رب! میرے بھائی محمد کو ہمارے لیے سلامت رکھ حتیٰ کہ میں آپ ﷺ کو گھبرو جوان دیکھوں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

ثُمَّ اَرَاہُ سَیِّدًا مُسَوَّدًا
وَاَکْبِتْ اَعَادِیْہِ مَعًا وَالْحُسَّدَا

یہاں تک کہ میں آپ کو اپنی قوم کا سردار دیکھوں لوگ جس کی اطاعت کرر ہے ہوں اے میرے رب! محمد ﷺ کے دشمنوں اور حاسدوں کو ذلیل ورسوا کردو۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

وَاعْطِہٖ عِزًّا یَدُوْمُ اَبَدًا

اور انھیں وہ عزت عطا فرما جو تا ابد باقی رہے [27*]۔"

✡✡✡✡✡✡✡✡

ان صفحات میں شق صدر کا بیان ہے جو خالص اُن امور
سے مطابقت رکھتا ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں کے
مابین ہوتے ہیں اور ایسے معاملات میں عقل کو دخیل نہیں
ہونا چاہیے کہ یہ معاملہ اُس کی حد استطاعت سے ورا ہے
جن لوگوں نے ایسا کیا انھوں نے منزل نہیں پائی۔

37 قبل نبوت، 50 قبل ہجرت، دسمبر 573ء

شق صدر

شق صدر اسرارِ رسالت کے اُن امور میں سے ہے جن کے متعلق ہم زیادہ نہیں جانتے سوائے اس کے کہ ہم وہ بیان کریں جو نبی اکرم ﷺ کی زبان سے سن کے صحابہؓ نے روایت کیا ہے۔ چنانچہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ نے فرمایا کہ ہم حضرت آمنہؓ کی اجازت سے ایک بار پھر نبی اکرم ﷺ کو ہمراہ لے کر بادیہ بنوسعد کی طرف رواں تھے ہم اپنے اللہ کے شکر گذار تھے کہ اُس نے ایک بار پھر ہم کو نبی اکرم ﷺ کا ساتھ عطا فرمایا ہے۔ علامہ ابن جوزیؒ نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ دو سال کی عمر میں بھی ۶ چار سال کے بچوں جیسے نظر آتے تھے۔اس لیے اب وہ کبھی کبھار اپنے رضاعی باپ حارث اور بھائی عبداللہ کے ساتھ بکریاں چرانے کے لیے اُن کے ہمراہ جایا کرتے تھے۔

ابن جوزی نے لکھا ہے کہ؛

شاید دوسری بار بادیہ میں آنے کے بعد دو یا تین ماہ بعد کی بات ہے جب نبی اکرم ﷺ اپنے

رضائی بھائی کے ساتھ بنو سعد کی بستیوں سے دور بکریاں چرا رہے تھے۔

میں (حلیمہ سعدیہؓ) اور میرا شوہر حارث اپنے خیمے میں تھے کہ ہم نے عبداللہ کو دیکھا کہ اُس کا سانس اکھڑ رہا تھا اور وہ دوڑتا ہوا آیا تھا۔

ہم اسے اِس حالت میں دیکھ کر پریشان ہو گئے اور اس سے پوچھا؟

کیا ہوا ہے۔

میرے قریشی بھائی کی خبر لو دو آدمیوں نے انھیں پکڑ کر گرا لیا ہے اور ایک آدمی نے اُن کا سینہ چاک کر دیا، وہ انھیں قتل کر دیں گے۔

عبداللہ کے یہ الفاظ سنتے ہی ہمارے پاؤں کے نیچے سے زمین سرک گئی ہم یعنی میں اور حارث بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اُس مقام کی طرف دوڑے جہاں محمد ﷺ موجود تھے"۔

ہم نے انھیں دیکھا اور سکھ کا سانس لیا وہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھے البتہ اُن کا رنگ ہلدی کی طرح زرد ہو رہا تھا۔

ہم نے اُن سے پوچھا کیا ہوا تھا؟

انھوں نے کہا!

دو آدمی تھے جنھوں نے سفید رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے انھوں نے مجھے پکڑ کے زمین پہ لٹایا اور پھر میرے شکم کو چیر دیا اس میں سے کوئی چیز نکالی اور اسے باہر پھینک دیا اس کے بعد اُس شخص نے میرے پیٹ کو سی کر پہلے کی طرح کر دیا۔

ہم دونوں حضور ﷺ کو لے کر اپنے خیموں کی طرف آ گئے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

ابن اسحاقؒ کہتے ہیں کہ ثور بن یزید نے بعض اہل علم سے مجھے بیان کیا ہے اور میں گمان کرتا ہوں کہ یہ روایت خالد بن معدان الکلاعی سے ہی منقول ہے کہ چند صحابہ کرام نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کی!

یارسول اللہ ﷺ!

ہمیں اپنے متعلق کچھ آگاہ فرمائیں۔

آپ ﷺ نے ارشادفرمایا!

’’میں اپنے باپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولادھوں میں اپنے محترم بھائی عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں میں وہ خواب ہوں جو میری والدہ نے اس وقت دیکھا تھا جب میں اُن کے صدفِ بطن میں قرار پذیر ہوا تھا انھوں نے ملاحظہ کیا کہ اُن سے ایک نور کا ظہور ہوا ہے جس سے ملک شام کے محلات جگمگا اٹھے تھے اور میری رضاعت بنوسعد میں ہوئی تھی اسی اثناء میں کہ میں اپنے بھائی کے ساتھ اپنے گھر کے پیچھے بکریاں چرا رہا تھا کہ دو آدمی میرے پاس آئے۔انھوں نے سفید کپڑے زیب تن کیے ہوئے تھے ان کے پاس سونے کا تشت تھا جو ثلج سے لبریز تھا۔ان دونوں نے مجھے پکڑا اور میرے پیٹ کو چاک کیا۔میرا دل باہر نکالا اسے چیرا اور اس سے ایک کالا لوتھڑا نکال کر اسے دور پھینک دیا۔پھر انھوں نے میرے قلب انور اور میرے شکم مبارک کو اسی ثلج سے دھویا حتیٰ کہ قلبِ اطہر خوب پاک صاف ہوگیا۔پھر اِن میں ایک نے دوسرے سے کہا اِن کا وزن اِن کی امت کے دس افراد سے کرو۔اس نے مجھے دس افراد سے تولا مگر میرا وزن اُن سے زیادہ تھا۔اس نے کہا اِن کو امت کے سو افراد سے تولو چنانچہ مجھے سو افراد کے مقابل تولا گیا مگر میں پھر بھی بھاری تھا۔اس کے بعد اس شخص (فرشتے) نے کہا اب اِن کو ہزار افراد سے تولو۔چنانچہ ایک پلڑے میں مجھے رکھا گیا اور دوسرے پلڑے میں ایک ہزار افراد کو رکھا گیا مگر میرا وزن اُن سے اتنا زیادہ تھا کہ ہزار آدمیوں والا پلڑا آسمان میں لٹک رہا تھا اور اس سے آدمی پھسل پھسل کر میرے پلڑے میں گر رہے تھے اس پہ دوسرے شخص نے کہا! اِن کو چھوڑ دو اگر تم اِن کو اِن کی پوری امت سے بھی تولو گے تب بھی یہ بھاری پڑیں گے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

امام مسلم نے اس واقعہ کو یوں روایت کیا ہے!

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ثابتؓ نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! میں بنو سعد کے بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے انھوں نے مجھے پکڑ کر زمین پہ لٹا دیا پھر سینہ چاک کیا اور دل کو باہر نکال لیا۔ اس دل میں ایک سیاہ لوتھڑا تھا اس کو باہر نکالا اور کہا یہ شیطان کا حصہ ہے پھر دل مبارک کو سونے کے ایک تشت میں رکھا۔ اس کو آبِ زم زم سے دھویا پھر میرے شکم مبارک کو سی کر برابر کر دیا۔ وہ لڑکے جو حضور ﷺ کے ساتھ کھیل رہے تھے وہ دوڑتے ہوئے حضرت حلیمہ سعدیہ کے پاس آئے اور اُن سے کہا! محمد ﷺ کو قتل کر دیا گیا ہے۔ وہ سارے بھاگتے ہوئے وہاں پہنچے اور دیکھا کہ حضور ﷺ کھڑے ہیں اور اُن کے چہرے کا رنگ زردی کی طرف مائل ہے"۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اور حلبیہ میں اسی واقعے کے متعلق برہان الدین حلبی نے لکھا ہے کہ:

"کہ جب ہم محمد ﷺ کو واپس لے آئے تب ایک دن وہ اپنے دودھ شریک بھائی کے ساتھ مویشیوں کے گلے میں تھے جو ہمارے مکان کے پیچھے تھا کہ اچانک آپ کا دودھ شریک بھائی پریشان اور بھاگتا ہوا آیا اور مجھے (حلیمہ سعدیہ) اور اپنے باپ کو پکارا:

میرا جو قریشی بھائی ہے اُس کی خبر لو اُس کو دو آدمیوں نے پکڑ لیا ہے جو سفید کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ انھوں نے محمد کو زمین پہ لٹا کے اُن کا پیٹ چاک کر دیا ہے اور اپنا ہاتھ اُن کے پیٹ میں داخل کیے ہوئے ہے۔

دایہ حلیمہ سعدیہ کہتی ہیں کہ!

یہ سن کر میں اور میرے شوہر حارث فوراً وہاں پہنچے ہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ وہاں کھڑے ہیں۔ آپ کے چہرے مبارک کا رنگ اترا ہوا ہے اور آپ ﷺ کے چہرے مبارک کا رنگ فرشتوں کو دیکھنے کی وجہ سے بدلا ہوا تھا یا زردی مائل تھا اس لیے نہیں کہ آپ ﷺ کو سینے کے

چیرنے کے عمل سے کوئی مشقت یا تکلیف پہنچی تھی۔ کیونکہ بعض روایات میں آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے شق صدر یعنی سینہ کھولنے کے عمل سے کوئی احساس اور تکلیف نہ ہوئی تھی۔اسی لیے ابن جوزی کہتے ہیں کہ اس سے یعنی ملائکہ کے دیدار سے اُن پہ کچھ گھبراہٹ طاری ہوئی تھی اور آپ کے چہرے کا رنگ صرف اس وجہ سے بدلا تھا کہ یہ پہلی دفعہ تھا کہ آپ ﷺ نے فرشتوں کا سامنا کیا تھا جب کہ آپ ﷺ بادیہ بنوسعد میں تھے اور حلیمہ سعدیہ کے ہاں تھے اور آپ ﷺ کی عمر ابھی تھوڑی تھی۔ چنانچہ ہم وہاں پہنچے اور ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا؟ کیا ہوا تھا؟

آپ ﷺ نے فرمایا!

میرے پاس دو آدمی آئے تھے جو سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے یعنی وہ دونوں حضرت جبرائیل اور حضرت میکائیلؑ تھے۔یہی دونوں اس دوسری روایت میں بھی مراد ہیں جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے پاس دو سفید رنگ کے پرندے آئے جو عقاب کی طرح تھے۔غرض اِن دونوں آدمیوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا:

یہ وہی ہیں۔

دوسرے نے جواب دیا:

ہاں یہ وہی ہیں۔

پھر وہ دونوں میرے قریب آئے اور مجھے پکڑ کر زمین پہ لٹا دیا۔

اس کے بعد انھوں نے میرا پیٹ کھولا اور اس میں کوئی چیز تلاش کرنے لگے آخر انھیں وہ چیز مل گئی۔

انھوں نے اسے نکال کے باہر پھینک دیا مگر میں نہیں جانتا کہ وہ کیا چیز تھی۔

اس واقعے کی ایک سند قصیدہ ہمزیہ سے بھی فراہم کی جارہی ہے کہ بعض لوگوں کو اس واقعے کے بارے میں کچھ اشتباہ ہے۔اُن کا تفصیلی ذکر ہم آگے کریں گے۔ یاد رہے کہ اہل رواۃ میں یہ اصول رہا ہے کہ جس واقعے کے بارے میں عربوں کے ادب سے شعر مہیا ہو جائیں اُس واقعے کی تصدیق ہو جاتی ہے۔قصیدہ ہمزیہ کے یہ اشعار اس بات کے شاہد ہیں کہ شق صدر کا واقعہ اہل عرب میں معروف تھا۔

وَاَتَتْ جَدَّہٗ وَقَدْ فَصَّلَتْہُ
وَبِهَا مِنْ خِصَالِہٖ الْبَرْحَاءُ

جب آنحضرت ﷺ کا دودھ چھڑایا جاچکا تو دایہ حلیمہ آپ ﷺ کو لے کر آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کے پاس آئیں جبکہ اُن کا یہ حال تھا کہ وہ آپ ﷺ کا دودھ چھڑا دینے اور آپ ﷺ کی واپسی سے بے حد اداس اور غمگین تھیں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اِذَا حَاطَتْ بِہٖ مَلَائِکَۃُ اللّٰہِ
فَظَنَّتْ بِاَنَّهُمْ قُرَنَاءُ

مگر اُن کو محمد ﷺ کو واپس لانا پڑا کہ اور حضرت آمنہ کے سپرد کرنا پڑا کہ اس دوران شق صدر کا واقعہ پیش آگیا۔ آپ ﷺ کو فرشتوں نے گھیر لیا تھا جب کہ حضرت حلیمہ نے اُن کو شیطان سمجھا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

وَرَاٰی وَجْدَهَا بِہٖ وَمِنَ الْوَجْدِ
لُهَيْبٌ تَصَلّٰى بِہِ الْاَحْشَاءُ

انھیں آپ ﷺ کی جان کا خوف ہو گیا تھا چنانچہ وہ انھیں آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کے پاس لے آئیں اور انھوں نے بھی آنحضرت محمد ﷺ کے ساتھ اُن کی بے انتہا محبت اور وارفتگی کا اندازہ کیا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

فَارَقْتُہٗ کَرْھًا وَکَانَ لَدَیْھَا
ثَاوِیًا لَایُمَلُّ مِنْہُ السَّوَاءُ

آنحضرت محمد ﷺ کی جدائی سے اُن کو ایسا غم تھا جس کے شعلوں سے اُن کا جگر سلگ رہا تھا مگر وہ آپ ﷺ کو حضرت عبدالمطلب کے سپرد کر کے حسرت کے ساتھ واپس جا رہے تھے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

شَقَّ عَنْ قَلْبِہٖ وَاَخْرَجَ مِنْہُ
مُضْغَۃٌ عِنْدَ غَسْلِہٖ سَوَاءُ

حالانکہ آنحضرت محمد ﷺ اتنا عرصہ اُن کے ساتھ رہے تھے مگر اُن کا دل آپ ﷺ سے کبھی نہیں بھرا حتیٰ کہ شق صدر کا یہ واقعہ پیش آیا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

خَتَمَتْہُ یُمْنَی الْاَمِیْنِ وَقَدْاُوْ
دِعَ مَالَمْ یَدَعْ لَہُ الْاَنْبَاءُ

انھوں نے آپ ﷺ کے دل کو چاک کیا اور ایک سیاہ لوتھڑا نکال کے پھینک دیا پھر جبرائیل امین نے اپنے دائیں ہاتھ سے اُن کے دل پہ مہر لگائی۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

صَانَ اَسْرَارَهُ الْخِتَامُ فَلَا الْفَضُّ

مُلِمٌّ بِهِ وَلَا الْاِفْضَاءُ

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس دل میں ایسے راز ہائے سربستہ عنایت فرمائے تھے جو کبھی کسی پر نہیں کھلے کہ اِن رازوں سے صرف اللہ ہی واقف تھا اور اس مہر کے ذریعے اِن پوشیدہ رازوں کی حفاظت کی گئی تھی [28*]۔

بعض مورخین نے اگرچہ کئی بار شق صدر ہونے کے متعلق روایات بیان کی ہیں لیکن اس امر کے متعلق جو روایات پایہ استحکام کو پہنچی ہیں اُن کے مطابق نبی اکرم ﷺ کے ساتھ شق صدر کا واقعہ محض دو مرتبہ پیش آیا۔ ایک بار اس وقت جب آپ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے ہاں اپنا بچپن گذار رہے تھے اور بادیہ بنو سعد میں رونق افروز تھے۔ دوسری مرتبہ آپ ﷺ کو شق صدر کا واقعہ تب پیش آیا جب آپ ﷺ لامکاں کی سیاحت کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ اُن مقدس جہانوں کی طرف گئے جہاں ملائکہ کے بھی پر جلتے ہیں۔ اور یہ نبی اکرم ﷺ کے شرف وعظمت کی انتہا تھی۔ شق صدر کی بہت سی روایات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب آپ ﷺ اپنی رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے پاس تھے تب آپ ﷺ کا سینہ چاک کیا گیا۔ آپ ﷺ کے پاس سونے کا ایک تشت لایا گیا جس میں ثلج تھا اور اس ثلج کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کے قلب انور کو دھویا گیا۔ آپ ﷺ کے قلب مبارک میں ثلج انڈیلا گیا اور اس ثلج سے مراد یقین کی ثلج ہے تاکہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی واحدنیت اور اس امر کا یقین ہو جائے جو آپ ﷺ کے ساتھ مختص ہونا تھا۔

دوسری بار جب شق صدر ہوا تو اس وقت آپ ﷺ مرتبہ یقین پہ فائز تھے منصب نبوت سے سرفراز ہو چکے تھے۔

اس لیے اب کی بار کی طہارت کا مفہوم کچھ اور تھا کیونکہ آپ ﷺ نے حضرۃ القدس میں تشریف

لے جانا تھا اور وہاں آپ ﷺ پہ نماز فرض ہونا تھی اور آپ ﷺ کو خداوند قدوس سے ملاقات کا شرف حاصل کرنا تھا۔ اس لیے روح القدس نے آپ ﷺ کے قلب اطہر کو اس آبِ زم زم سے دھویا جو روح القدس ہی کا چشمہ ہے اور اس چشمہ کا فیضان ہے جو آپ ﷺ کے باپ حضرت اسماعیلؑ کے لیے رواں ہوا تھا۔ پھر حکمت و ایمان سے لبریز طشت لایا گیا اسے آپ ﷺ کے قلب انور میں انڈیلا گیا اگرچہ آپ ﷺ میں ایمان کی پہلے بھی کوئی کمی نہ تھی۔

امام عبداللہ سہیلی نے کہا کہ:

یہ جو سونے کے تشت کا تذکرہ ہے تو اس کی توجیہہ بھی قابل توجہ ہے۔

ہم اس سے حکمت و ایمان مراد لیتے ہیں اور سونے کے تشت کی تعبیر اسی طرح کی جائے گی جس طرح اس دودھ کی تعبیر علم سے کی گئی ہے جس میں سے آپ ﷺ نے کچھ نوش فرمایا اور بقیہ حضرت عمرؓ کے لیے چھوڑ دیا۔ چنانچہ آپ ﷺ کے قلب انور میں جو کچھ انڈیلا گیا اس کی تاویل حکمت و ایمان سے کی گئی ہے اور اس سونے کے تشت میں جو ثلج و برد تھا تو پہلی مرتبہ آپ ﷺ نے اس کی وہی تاویل کی جو آپ ﷺ نے اس کی ظاہری صورت میں ملاحظہ کی چونکہ اس وقت آپ ﷺ کم سن تھے۔ اس لیے جب سونے کے تشت میں ثلج دیکھا تو اس کو ثلج ہی کہا جب کہ دوسری دفعہ آپ کے قلب انور کو کھولا گیا تو اس وقت آپ مبعوث ہو چکے تھے اس لیے اب کے آپ ﷺ نے اس ثلج کی تعبیر علم و حکمت سے کی۔

یاد رہے کہ دونوں بار جب آپ ﷺ کے سینے کو شق کیا گیا تو دونوں بار آپ ﷺ کے قلب انور کے لیے سونے کا تشت لایا گیا۔ روایات میں لفظ ''ذھب'' استعمال کیا گیا ہے جو ''اِلاذھاب'' کے مطابق ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

اَرَادَ اَنْ اَنْ یُذْھِبَ عَنْہُ الرِّجْسَ وَیُطْھِیْرًا۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ الاحزاب ۳۳ ؛ ۳۳)

ترجمہ؛

''اللہ رب العزت نے ارادہ فرمایا کہ وہ آپ ﷺ سے ہر قسم کی ناپاکی کو دور فرمادے اور

آپ ﷺ کو خوب پاک صاف کردے۔"

❖❖❖❖❖❖❖❖

چنانچہ بیان کیا گیا کہ اگر انسان سونے کے اوصاف پہ غور کرے گا تو یہ امر معلوم ہو جائے گا کہ یہ تمام اشیاء سے صاف اور عمدہ ہوتا ہے کوئی دھات نہ سونے کے مثل صاف ہو سکتی ہے نہ عمدہ اس لیے روز اول سے ہی انسان سونے کو سب سے اعلیٰ دھات کے طور پہ جانتا رہا ہے۔

چنانچہ حضرت بریرہؓ حضرت اماں عائشہ صدیقہؓ کے فضائل بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ میں نے انھیں اس طرح پایا جس طرح سنار سرخ سونے کو عمدہ پاتا ہے۔

عرب اپنے اعلیٰ لوگوں کے لیے بطور نسبت سونے کے لفظ کا استعمال کرتے رہے ہیں۔مثال کے طور پہ حضرت حذیفہؓ اپنے ایک دوست ابن اشیم ؓ کے متعلق فرماتے ہیں کہ؛اِن کا دل تو سونے کا ہے۔

جریر بن حازم اپنے ایک دوست خلیل بن احمد کے متعلق کہتے ہیں کہ:

وہ شخص تو سونے کا ہے(یا سونے کی طرح عمدہ ہے)۔

اِن لوگوں کو سونے سے تشبیہ دینے سے مراد یہ ہے کہ وہ عیوب اور نقائص سے پاک وصاف لوگ تھے۔

سونے کے تشت سے نبی اکرم ﷺ کا قلب انور دھونے سے بھی یہی مطلوب ہے کہ آپ ﷺ کے دل کو پاک وصاف کیا جا سکے۔اسی طرح سونے کے اوصاف میں سے اس کا ثقل اور پختگی بھی ہے کہ اگر اس کو پارے میں بھی ڈال دیا جائے پھر بھی یہ مستحکم ہی رہتا ہے۔چنانچہ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ سونا ایک نفیس اور عمدہ دھات ہے اور لوگوں کے نزدیک بڑی قابل قدر ہے۔اس طرح سونے کی صفت معقولہ اور صفت محسوسہ دونوں کی مطابقت نبی اکرم ﷺ کی ذات کے ساتھ قائم ہو گئی کہ سونے کی خاصیت یہ ہے کہ اس کو آگ نہیں کھاتی اسی طرح نبی اکرم ﷺ کا جسم بھی آگ پہ حرام ہے اور جو دل بھی قرآن پاک کا مسکن ہو گا اس کو بھی آگ نہ چھو سکے گی۔

یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ آپ ﷺ کو اُن بھاری ذمہ داریوں کو اٹھانے کا خوگر بنایا جائے جو آپ

ﷺ پہ ڈالی جانے والی تھیں۔ چنانچہ اس ضمن میں قرآن حکیم سے اشارات ملتے ہے۔

مثلاً ارشاد ہوتا ہے کہ!

اِنَّا سَنُلۡقِیۡ عَلَیۡکَ قَوۡلًا ثَقِیۡلًا ۝

القرآن الحکیم (سورۃ المزّمل ۷۳ ؛ آیت ۵)

''بے شک ہم جلد ہی القا کریں گے آپ ﷺ پہ ایک بھاری کلام''۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

جس طرح سونے کی خصوصیات اس کے عمدہ اوصاف کی وجہ سے اسے لوگوں کے نزدیک محبوب بناتی ہیں۔ اسی طرح قرآنِ حکیم بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنی عمدگی اور خصوصیات کی بنا پہ ایک محبوب کتاب ہے جو نبی اکرم ﷺ پہ اتاری گئی ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

اِنَّهٗ لَکِتٰبٌ عَزِیۡزٌ ۝

القرآن الحکیم (سورۃ فصلت ۴۱ ؛ ۴۱)

''بے شک یہ بڑی عزت و حرمت والی کتاب ہے''۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

یہ بھی یاد رہے کہ!

اوپر بیان گئے سونے کے تمام اوصاف اس کی خصوصیات کے اعتبار سے تھے حالانکہ سونے کی ظاہری ہیت و ذات پہ غور کرنے سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ سونا دنیا کی زیب و آرائش بھی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ پہ ایمان لانے والوں کے لیے دنیا کے بادشاہوں کے خزانوں کو مغلوب کر دیا اور اُن کا تمام سونا چاندی اور زیب و آرائش حاملین قرآن کے قدموں میں ڈال دی۔ پھر قرآن حکیم پہ ایمان لانے والوں کو اس سے بڑھ کے خوشخبری بھی سنائی گئی کہ اللہ تعالیٰ انھیں جنت سے نوازے گا جس میں سونے اور چاندی کے محلات ہوں گے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا

کہ:

وہاں سونے کے دو باغ ہوں گے جن کی ہر چیز سونے کی ہوگی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ ○

القرآن الحکیم (سورۃ الزخرف ۴۳ ؛ ۷۱)

''اور گردش میں ہوں گے اُن پہ سونے کے تھال۔''

❖❖❖❖❖❖❖❖

مزید ارشاد ہوتا ہے کہ!

يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ○

القرآن الحکیم (سورۃ الحج ۲۲ ؛ ۲۳)

ترجمہ:

''اور انھیں پہنائے جائیں گے جنت میں سونے کے کنگن اور موتیوں کے ہار اور اُن کی پوشاک وہاں ریشمی ہوگی۔''

❖❖❖❖❖❖❖❖

مزید ارشاد ہوتا ہے کہ!

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ○ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ○ يَلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ○ كَذٰلِكَ وَ زَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ○ يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ○ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى وَوَقٰهُمْ

عَذَابَ الْجَحِيْمِ O

القرآن الحکیم (سورۃ الدخان ۴۴ ؛ ۵۱-۵۶)

ترجمہ؛

’’اور وہ لوگ جو اللہ پہ ایمان لائے امن کی جگہ میں ہوں گے باغوں اور چشموں میں حریر و دیبا کے لباس پہنے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے اور اُن کی بڑی شان ہوگی اور ہم (اللہ) گوری گوری اور آہو چشم عورتیں اِن سے بیاہ دیں گے اور وہ وہاں اطمینان سے ہر طرح کی لذیذ چیزیں طلب کریں گے اور وہ وہاں موت کا مزہ کبھی نہ چکھیں گے بس دنیا میں جو موت آچکی سو آچکی اور اللہ اپنے فضل سے اُن کو جہنم کے عذاب سے بچالے گا‘‘۔

شق صدر، ایک تحقیقی مطالعہ

شق صدر کے بارے میں بعد کے چند مسلمان دانش وروں نے شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔انھوں نے اس واقعے کے بارے میں معذرت خواہانہ رویہ اختیار کیا ہے۔دراصل یہ ایک خاص دور کے مسلمان علماء ہیں جنھوں نے اسلام کو عقل انسانی کے تابع کرنے کی کوشش کی ہے۔دین اور سائنس میں مطابقت پیدا کرنے کوشش میں وہ اتنے زیادہ آگے نکل گئے کہ واقعہ معراج شق صدر اور جنت دوزخ کے بارے میں بھی حرف زنی کرنے لگے۔یہ ایک طویل غلامی کا ردعمل تھا مسلمان جس سے ابھرنے کی کوشش کررہا تھا۔وہ اپنے نوجوان کو یہ بتانے سے گریزاں تھا کہ اُس کے آباء نے انھی لوگوں پہ ایک ہزار سال تک حکومت کی ہے جو آج کائنات کی ہر حقیقت کی عقلی اور سائنسی توجیہہ کرنے کے درپۓ ہیں۔اُن کے نزدیک یہ ایک امر محال ہے جس پہ ایمان لانا قطعاً ضروری نہیں۔انیسویں اور بیسویں صدی کو بلاشبہ سائنس کے عروج کا دور کہا جاسکتا ہے۔مگر یہ امر کہ ہر بات کو سائنس اور عقل کے ترازو پہ ہی تولا جائے اور اگر تو اس کی عقلی توجیہہ ممکن ہو تو اسے تسلیم کرلیا جائے اور اگر کوئی امر عقل کے احاطہ عمل سے باہر دکھائی

دے تو اس کا صاف انکار کر دیا جائے ایک پست رویہ ہے جس کے پیچھے کوئی عقلی دلیل موجود نہیں۔ یہ تو خیر غیروں کا وطیرہ تھا مگر اپنوں نے بھی یہ عجیب کام دکھایا کہ انھوں نے بعض امورِ نبوت کی ایسی توجیہہ کرنے کی کوشش کی جس سے وہ عقل کے تابع ہو جائیں۔ حالانکہ واقعہ معراج اور شق صدر جیسے امور کا تو آغاز ہی وہاں سے ہوتا ہے جہاں عقل کا اختتام ہوتا ہے۔

امورِ رسالت کی عقلی توجیح ایک سعی لا حاصل ہے جس سے کچھ بھی حاصل ہونے والا نہیں ہے۔ اگر کوئی آپ ﷺ کے شق صدر اور سیاحت لامکاں کے بارے میں یہ کہہ کے اپنے دل کو سہارا دینا چاہتا ہے کہ یہ تو خواب تھا تو اس سے بھی نبی اکرم ﷺ کی شان کم ہونے والی نہیں ہے۔ اگرچہ اُس کی شان ضرور متاثر ہوگی جس نے نبی اکرم ﷺ کی شان میں شک کرنے کی کوشش کی۔ ہم نے اِن واقعات کو خواب کہا تو غیروں میں سے "ولیم مور اور پروفیسر نکلسن" جیسے لوگوں کو یہ کہنے کی جرأت ہوئی کہ وحی وغیرہ کچھ نہیں یہ تو محض مرگی کے دورے ہیں [29*]۔ چنانچہ مستشرقین نے لوگوں میں یہ تصور ابھارنے کی کوشش کی کہ یہ بات کس طرح ممکن ہے کہ ایک شخص کا دل نکال کے الگ رکھ دیا جائے اور وہ پھر بھی زندہ رہے۔ حالانکہ ایک صدی بھی نہ گزری تھی کہ قحط عقل کے شکار اِن لوگوں کو جواب بھی سائنس نے ہی دیا۔ آج لوگ یہ بات جانتے ہیں اور یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ کوئی ماہر امراض قلب کسی مریض کا سینہ کھولتا ہے، اس کے بعد وہ اس دل کی سرجری کرتا ہے خون کو جانے والی شریانوں کے راستے کو پھر سے استوار کرتا ہے اس دوران انسان جس کا دل نکال لیا گیا ہوتا ہے مگر وہ بالکل مطمئن اور بے خوف ہوتا ہے کیونکہ جب وہ خود کو اپنے معالج کے حوالے کرتا ہے تو اسے اِن امور کا ادراک ہوتا ہے کہ اُس کا معالج اُس کے ساتھ رحم اور بہتری کا رویہ اختیار کرے گا۔

چنانچہ اُس کا معالج چابک دستی سے اس شخص کے دل کو اپنے علم کی بنا پہ استوار کرتا ہے اور اسے پھر سے اُس کے سینے میں رکھ کے اسے بند کر دیتا ہے۔ ہفتے عشرے کے بعد وہی شخص جس کے سینے کو کھول کر اس کے دل پہ عمل جراحت سے اس کے روگ کو دور کیا گیا تھا اسے اپنی گاڑی خود چلاتے ہوئے دیکھا جاسکتا ہے اور اس میں لوگوں کے لیے حیرت کا کوئی سامان نہیں۔ اس لیے کہ آج ہمارے مابین عارضہ قلب اور اس کے علاج کے معروف طریق کسی اجنبیت کے حامل نہیں ہیں۔ چنانچہ یہ کہنا کہ دل نکال لینے سے آدمی مر جاتا ہے غلط ثابت ہو گیا مگر عقلیت پسند کبھی یہ باور کرنے کو تیار نہیں ہوتا کہ اُس کی پروازِ عقل سے پرے

جہاں اور بھی ہیں۔ وہ محض اپنے تکبر اور خالق سے بے اعتنائی کی بنا پر اُن جہانِ دِگر سے نا آشنا رہتا ہے جہاں علم و حکمت کی وہ اقلیم ہے جس کا اسے شعور نہیں۔ چنانچہ اول اول جب کچھ مسلمان علماء نے واقعہ شق صدر کو اپنے شک کا ہدف بنایا تو اس سے واقعہ معراج اور کیفیت وحی بھی مبرا نہ رہ سکی۔ خاص طور پہ مغرب کے اہل علم نے اِن معاملات کو خوب اچھالا اور اسے ہدفِ قلم بنایا۔ اِن امور پہ لمبے لمبے مباحث وجود میں آئے جن کا اصل ہدف نبی اکرم ﷺ پہ کی گئی وحی کو موضوع گفتگو بنانا تھا۔ بالآخر وہ اس میں کامیاب ہوئے اور انھوں نے وحی کے انکار پہ بے شمار دلائل گھڑے۔ اگر چہ مسلمانوں سے اُن کو اس معاملے میں خاص حمایت حاصل نہ ہو سکی کہ کوئی مسلمان خواہ وہ خود کو کتنا ہی جدیدیت کا حامل تصور کرتا ہو قرآن سے انکار کرنا اس کے بس سے باہر ہے چہ جائے کہ وہ مسلمان امت سے باہر ہو جائے۔ اس لیے کہ اگر وہ وحی کا انکار کرے گا تب اسے بتانا ہوگا کہ قرآن کہاں سے آیا یا پھر اسے اہل یہود کے اُن مستشرقین کی بات ماننا ہوگی جن کے مطابق نبی اکرم ﷺ کے علوم کا ذریعہ بنی اسرائیل کے وہ عالم تھے جن کو کتاب کا علم عطا کیا گیا تھا۔

معاذاللہ

جن لوگوں نے اپنے یقین کا معیار سائنس کو قرار دیا ہے انھوں نے شاید عصر حاضر کے سب سے بڑے سائنس دان نیوٹن کے یہ الفاظ نہیں پڑھے ورنہ وہ کبھی بھی ایمانیات کو سائنس پہ ترجیح نہ دیتے۔ نیوٹن نے اپنی ایک کتاب میں فکر و عمل کے اس دقیق پہلو کی خوبصورت تشریح کی ہے وہ کہتا ہے کہ!

”میری مثال اس بچے کی سی ہے جو سمندر کنارے کے کھیل رہا ہو۔ مجھے اپنے ساتھیوں کی نسبت کوئی زیادہ خوبصورت سنگریزہ یا گھونگھا مل جاتا ہے لیکن ابھی حقیقت بحرِ زخار کی طرح میرے سامنے ہے جس کا ہمیں کوئی علم نہیں [30*]“۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اگر چہ ہم عقل کی وسعتوں اور اس کی پہنائیوں کے قائل ہیں اور اس بات کا ادراک بھی ہمیں حاصل ہے کہ عقل قدرت کی فیاضیوں میں سے ایک فیاضی ہے جس کی بنا پہ انسان نے اپنے عمل کی کمندیں

دور خلا تک ڈال رکھی ہیں۔ عقل کی فتوحات اور قوتِ تسخیر سے بھی ہم نا آشنا نہیں مگر اس کے باوجود یہ یاد رہے کہ مریخ پہ پہنچ کر بھی انسان کو اخلاقیات کے ایک نظم کی ضرورت ہوگی جس کے تحت وہ اپنی زندگی کو امن وسکون کی فضا فراہم کر سکے۔ مگر انسان کی دس ہزار سالہ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ انسان کبھی خود سے کوئی ایسا نظامِ عمل وضع نہیں کر سکا جس کی بنا پہ وہ دعویٰ کر سکے کہ عقل اُس کے لیے کافی ہوگئی ہے۔ اس سے لامحالہ وحی کی ضرورت ثابت ہوتی ہے کہ وہ انسان کی اِن امور میں راہنمائی کرتی ہے جو عقل کے دائرہ اختیار سے باہر ہیں۔

یہ ایک طویل بحث ہے جس پہ بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے مگر مادیت اور سائنس کو خدا جاننے والے ذہنوں کی تسخیر کے لیے دلائل ہمیشہ سے ناکافی رہے ہیں اس لیے کہ ہدایت کہیں اور سے فراہم کی جاتی ہے۔ چنانچہ اس خاص ذہنیت کے رد میں سیرۃ المزمّل کے مقدمہ خالق کی تلاش میں کئی عمدہ مباحث موجود ہیں جو وہاں سے دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہاں ہمارا موضوع اُن لوگوں کی عقلوں پہ نوحہ کرنا ہے جو امورِ رسالت میں دخل در معقولات کے مرتکب ہوئے ہیں اور انھوں نے یہ غور نہیں کیا کہ وہ ہستی کون سی ہے جس کا سینہ چاک کیا گیا اور اس مقدس سینے کو چاک کرنے والے بھی تو اللہ تعالیٰ کے مقربین ہی تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ خالق کی قدرت اور رسالت کی عظمت کو سمجھتے ہیں وہ اس طرح کی وادیوں میں نہیں اترتے جہاں شک کے اندھیرے اُن کو گھیر لیں۔ اس لیے کہ روشنی تو یقین سے ہے اور اگر کسی اندھے کو چیخ چیخ کر بھی دن کی تمازت کا احساس دلایا جائے تب بھی وہ دن کا کما حقہٗ شعور حاصل نہیں کر سکتا اس لیے کہ وہ دن سے ہی آشنا نہیں تو اسے سورج کی روشنی سے کیا واسطہ۔ چنانچہ شق صدر کے واقعے کے متعلق ہمیں اُن لوگوں نے خبر دی جن کی دیانت پہ ہمیں مکمل اعتماد ہے جن کی صداقت مسلّمہ اور ایمان پختہ تھے۔

پھر شق صدر تو دراصل اُس عمل ثقیل کی تمہید تھی جو نبی اکرم ﷺ کو سونپا جانے والا تھا خود قرآن اس امر کا شاہد ہے۔

اِنَّا سَنُلۡقِیۡ عَلَیۡكَ قَوۡلًا ثَقِیۡلًا ۝

القرآن الحکیم (سورۃ المزّمل ۷۳ ؛ آیت ۵)

”بے شک،ہم جلد ہی القا کریں گے آپﷺ پہ ایک بھاری کلام“

❖ ❖ ❖

مہر نبوت

مہر نبوت کے بارے میں متعدد روایات ہیں جن میں تفاوت پایا جاتا ہے۔انھی میں یہ بھی ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ بنوسعد کے ہاں صحرا میں اپنی رضاعت کی مدت گذار رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرائیلؑ اور حضرت اسرافیلؑ نے آپ ﷺ کا سینہ چاک کیا تب آپ ﷺ کے دل سے اُس سیاہ دانے کو دور کیا جس کو علماء نے انسانی جسم میں شیطان کا حصہ قرار دیا ہے اور مورخین نے اس واقعے کو شق صدر کے نام سے روایت کیا ہے۔چنانچہ شق صدر کی روایات میں سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

میں اُن دِنوں قبیلہ بنوسعد میں حضرت حلیمہ سعدیہ کا دودھ پیتا تھا تو ایک دن میں گھر والوں سے علیحدہ اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ وادیٔ میں بیٹھا ہوا تھا کہ میرے پاس تین آدمی آئے اُن کے ساتھ سونے کا ایک تشت بھی تھا جو برف سے بھرا ہوا تھا۔اُن لوگوں نے مجھے اپنے ساتھیوں سے الگ کر دیا اور مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔میرے ساتھی یہ دیکھ کر بھاگتے ہوئے وادیٔ کے کنارے پہ آ گئے اس کے

بعد وہ اِن تین آدمیوں کے سامنے آئے جنھوں نے مجھے تھام رکھا تھا۔ انھوں نے کہا! آپ اس لڑکے سے کیا چاہتے ہیں اور یہ تو ہم میں سے ہے بھی نہیں بلکہ اہل قریش سے ہے اور اُن کے ایک سردار کا بیٹا ہے یہ ہمارے قبیلے میں دودھ پیتا ہے یہ یتیم ہے اس لیے آپ لوگوں کو اس کے قتل سے کوئی فائدہ پہنچنے والا نہیں ہے اور اگر آپ ہم میں سے کسی کو قتل ہی کرنا چاہتے ہیں تب بھی اسے چھوڑ دیں اور ہم میں سے کسی کو اختیار کر لیں۔

تاہم جب اُن بچوں نے دیکھا کہ محمد ﷺ کو لے جانے والے لوگ اُن کی بات سننے کو تیار نہیں تب وہ بھاگتے ہوئے اپنے بڑوں کے پاس پہنچے اور اُن کو اس امر سے آگاہ کیا کہ کچھ لوگ محمد ﷺ کو اُن سے چھین کے لے جا رہے ہیں۔ جب بچے میری نظروں سے اوجھل ہو گئے تو اِن تینوں آدمیوں میں سے ایک میری طرف بڑھا اُس نے مجھے زمین پہ لٹا دیا وہ میرے ساتھ آہستگی اور نرمی کے ساتھ پیش آ رہا تھا۔ پھر اس نے میرے پیٹ کو سینے تک چاک کر دیا اور مجھے اس سے کسی تکلیف اور مشقت کا سامنا نہ تھا۔ پھر انھوں نے میرے پیٹ کے اندر کی کئی چیزوں کو نکالا اور اُس برف سے دھویا جو سونے کے تشت میں رکھی ہوئی تھی پھر اُن میں سے ایک نے اپنے دوسرے ساتھیوں سے کہا کہ وہ پیچھے ہو جائیں وہ دونوں پیچھے ہٹ گئے تب وہ آگے بڑھا اور اس نے اپنا ہاتھ میرے پیٹ میں ڈال کر میرا دل باہر نکال لیا اور میں اطمینان سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا مجھے ذرا سی بھی تکلیف نہیں ہو رہی تھی۔

پھر اس نے میرے دل کو کھولا وہ اس میں سے کوئی چیز تلاش کر رہا تھا پھر اس نے وہ چیز کھوج لی جس کو وہ تلاش کر رہا تھا۔ وہ سیاہ خون کا ایک لوتھڑا تھا جس کو اس نے میرے دل سے الگ کیا اور اسے دور پھینک دیا۔ پھر اس نے ثلج سے میرے دل کو دھویا اس کے ایک ہاتھ میں میرا دل تھا اس کا دوسرا ہاتھ اُس کی کمر کی طرف گیا اور اب اُس کے ہاتھ میں ایک مہر تھی جس سے بے پناہ روشنی نکل رہی تھی وہ نور یا روشنی اتنی مبسوط تھی کہ اُس کی طرف دیکھنا محال ہو رہا تھا۔ پھر اُس نے چمکتی ہوئی وہ مہر میرے دل پہ لگا دی اور اس مہر کے لگنے سے میرا دل نور سے بھر گیا۔ یہ نورِ نبوت اور حکمت کا نور تھا اور میں ہمیشہ اس مہر کی ٹھنڈک اپنے دل میں محسوس کرتا رہا ہوں پھر اس نے میرے دل کو دوبارہ اُس کی اصل جگہ پہ رکھا اور میرے سینے کو سی دیا۔ اس کے بعد انھوں نے مجھے امت کے بیس آدمیوں سے تولا

مگر میرا وزن زیادہ تھا۔اس کے بعد انھوں نے مجھے سو آدمیوں سے تولا تب بھی میرا وزن زیادہ تھا۔
اس کے بعد انھوں نے مجھے میری امت کے ہزار آدمیوں سے تولا تب بھی میرا وزن اُن سے زیادہ تھا۔پھر اُن میں سے ایک بولا!
رہنے دو اگر تم اِنھیں اِن کی پوری امت کے مقابل بھی تولو گے تب بھی یہ بھاری ہی نکلیں گے۔اس کے بعد اُن تینوں نے مجھے اپنے اپنے سینے سے لگایا اور میری آنکھوں کے بیچ میری پیشانی پہ بوسہ دیا پھر اُن میں سے ایک نے مجھے پکارا اور کہا!اے اللہ کے حبیب گھبرایئے مت اگر آپ ﷺ یہ جان لیں کہ آپ سے کتنی بڑی خیر ظاہر ہونے والی ہے تب آپ ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔
اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
ہم اسی حالت میں تھے کہ میرے والدین (یعنی رضاعی والدین)
بستی کے بہت سے لوگوں کو ساتھ لیے وہاں پہنچ گئے۔
میری ماں حلیمہ سعدیہ زور زور سے چیخ رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں۔
ہائے بیچارا۔
یہ سن کر وہ تینوں فرشتے مجھ پہ جھکے اور مجھے سینے سے لگا کر چوما پھر میرا سر اور پیشانی چومی اور کہا۔اللہ نہ کرے کہ آپ ﷺ بیچاروں میں سے ہوں۔
پھر میری دایہ نے کہا: ہائے میرا بچہ کیسا اکیلا رہ گیا ہے۔
اس پر فرشتوں نے پھر سے مجھے سینے سے لگایا اور چوما اور کہا:
اللہ نہ کرے کہ آپ ﷺ اکیلے ہوں بلکہ آپ ﷺ کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ ہیں،اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں اور اہل زمین میں سے مومنین آپ ﷺ کے ساتھ ہیں۔
اس کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہؓ نے کہا:
ہائے یہ یتیم اور بے کس بچہ،اپنے ساتھیوں میں تُو ہی سب سے کمزور تھا اور تجھے ہی قتل کر دیا گیا۔
یہ سن کر فرشتوں نے پھر مجھے اپنے سینے سے لگایا اور میرا ماتھا اور سینہ چوما اس کے بعد کہا:
اللہ نہ کرے کہ آپ کبھی کمزور ہوں اور لوگ کیا جانیں کہ آپ ﷺ کے ذریعے کتنی بڑی خیر ظاہر ہونے والی ہے۔

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

تب میری والدہ اور بستی کے لوگ وادی کے اس کنارے تک پہنچ چکے تھے جہاں میں فرشتوں کے ساتھ موجود تھا۔ چنانچہ جب حضرت حلیمہ سعدیہ وہاں پہنچیں تو خوش ہو کر بولیں۔ میں تو انھیں زندہ دیکھ رہی ہوں۔

پھر وہ میرے پاس آ گئیں اور مجھ پہ جھک پڑیں یعنی مجھے اپنے سینے سے لگا لیا۔

پس مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ میں اس حال میں تھا کہ مجھے میری ماں حلیمہ نے مجھے اپنے ساتھ لپٹا رکھا تھا مگر میرے ہاتھ بدستور فرشتوں کے ہاتھ میں تھے لیکن دوسروں کو اس امر کی کوئی خبر نہ تھی یعنی دوسرے لوگ فرشتوں کو نہ دیکھ سکتے تھے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

علما نے کہا ہے کہ!

ایک مہر نبوت تو وہ تھی جو پیدائشی طور پہ آپ ﷺ کے کندھے پہ موجود تھی اور ایک مہر یہ ہے جس کا تذکرہ اس روایت میں کیا گیا اِن دونوں روایات میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے مگر حقیقت میں ایسی کوئی بات نہیں۔

چنانچہ اِن روایات میں مطابقت پیدا کرنے کے لیے کتاب الشفاء میں لکھا ہے کہ! [31*]

اصل مہر آپ ﷺ کے سینے پہ ہی تھی اب رہی کندھوں کے درمیان والی مہر نبوت تو وہ اسی سینے کی مہر کا اثر و نشان تھا جو اُن کی پشت پہ ابھر آیا تھا۔

اور حافظ ابن حجر نے اس بارے میں کہا ہے: یہ بات حقیقت کے زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے کہ! [32*] مہر آپ ﷺ کے قلب پہ ہو اور اس کا نشان اور اثر آپ ﷺ کی کمر پہ بائیں کندھے کے پاس ظاہر ہو گیا ہو۔ اس لیے کہ دل بھی تو بائیں جانب ہی ہوتا ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

حافظ ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے کہ:

ایک مہر نبوت تو وہ تھی جو آپ ﷺ کے جسم پہ پیدائشی طور پہ موجود تھی اور جو آپ ﷺ کی نبوت کی ایک نشانی اور دلیل تھی۔ جو آپ ﷺ کے بائیں کندھے کے قریب موجود تھی اور یہ آپ ﷺ کی پیدائشی علامت نبوت تھی جب کہ وہ مہر جو شق صدر کے وقت آپ ﷺ کے دل پہ لگائی گئی تھی وہ دراصل اس ایمان اور حکمت کی حفاظت کے لیے لگائی گئی تھی جو آپ ﷺ پہ اتاری جانے والی تھی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

کتاب خصائص صغریٰ میں لکھا گیا ہے:

آنحضرت محمد ﷺ کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ ﷺ کی کمر پہ مہر نبوت ٹھیک اُن کے دل کے مقابل لگائی گئی جہاں شیطان آنحضرت ﷺ کے سوا دوسرے لوگوں کے دلوں میں گھستا ہے۔ یعنی آپ ﷺ کے مہر نبوت بائیں جانب تھی جب کہ اللہ کے دیگر تمام پیغمبروں کی مہر نبوت اُن کی کمر پہ دائیں طرف تھی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

کتاب مستدرک میں وہب ابن منبہ کی روایت ہے!

کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی نبی پیدا فرمائے ہیں اِن سب کی نبوت کی علامت اِن کے دائیں ہاتھ (یعنی دائیں طرف مونڈھے کے قریب تھی) لیکن رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی نشانی آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے بیچ میں تھی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اس ضمن علامہ عبداللہ سہیلی نے الروض الانف میں لکھا ہے کہ!

دراصل یہی مہر اصل مہر نبوت تھی اور کہتے ہیں کہ یہ حدیث آنحضرت محمد ﷺ کے دودھ پلانے کے زمانے کی ہے۔ شق صدر کا واقعہ اسی زمانے میں پیش آیا تھا۔ چنانچہ لوگ کہتے ہیں کہ اُن کو معلوم نہیں

کہ آپ ﷺ کے مہر نبوت پیدائشی طور پہ موجود تھی یا آپ ﷺ کی پیدائش کے فوراً بعد لگائی گئی یا آپ ﷺ کو نبوت ملنے سے قبل لگائی گئی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اس حدیث سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ!

مہر نبوت کب لگائی گئی، کیسے لگائی گئی اور کس نے لگائی چنانچہ علامہ سہیلیؒ کا موقف یہ ہے کہ آپ ﷺ کو مہر نبوت سے اس وقت نوازا گیا جب آپ ﷺ بادیہ بنو سعد میں مقیم تھے اور حضرت حلیمہ سعدیہ کا دودھ پیتے تھے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

حافظ ابن حجر اصابہ میں لکھتے ہیں کہ!

وہ تمام حدیثیں جن میں سینہ چاک کیے جانے اور مہر لگائے جانے کا ذکر ہے۔اِن سے معلوم ہوتا ہے کہ مہر نبوت آپ ﷺ کے جسم مبارک پہ آپ ﷺ کی ولادت کے وقت موجود نہ تھی بلکہ یہ پہلی مرتبہ اس وقت لگائی گئی جب آپ ﷺ حضرت حلیمہ سعدیہ کے ہاں مقیم تھے اور جب آپ ﷺ کا سینہ چاک کیا گیا تھا۔

تاہم یہ بات بعض اُن روایات کے خلاف ہے جن میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کے کندھوں درمیان جو مہر نبوت تھی وہ پیدائشی تھی۔

چنانچہ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اِن دونوں روایات میں مطابقت ممکن ہے اس لیے کہ کہا جا سکتا ہے کہ مہر نبوت اور چیز ہے اور شق صدر کے وقت جو مہر آپ ﷺ کے سینے پہ لگائی گئی وہ دوسری چیز ہے۔

یہ بات زیادہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ ہم ایک روایت کو درست کہیں اور دوسری کو غلط قرار دیں۔کیونکہ ایسا مان لینے سے دونوں قول درست ثابت ہو جاتے ہیں۔اس طرح پیدائش کے وقت لگائی گئی مہر کو اس لیے درست قرار دیا جا سکتا ہے کہ اس سے مراد مہر نبوت ہے اور یہ قول کہ مہر پیدائشی نہیں

بلکہ شق صدر کے وقت لگائی تھی اس طرح درست ہو جاتا ہے کہ یہ مہر نبوت نہیں بلکہ اس حکمت اور ایمان کی حفاظت کے لیے لگائی گئی کہ جو کہ عنقریب آپ ﷺ کے سینے میں ڈالا جانا تھا۔ اس طرح یہ دونوں قول جمع ہو جاتے ہیں یعنی دونوں درست قرار پاتے ہیں

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہی بہتر طرز عمل ہے کہ دونوں اقوال کو جمع کر دیا جائے بہ نسبت اس کے کہ پیدائش کے وقت لگائی گئی مہر کی روایات کو کمزور تصور کیا جائے۔

یاد رہے کہ صحابہ نے روایت کیا کہ آپ ﷺ کے کندھوں کے درمیان جو مہر نبوت تھی وہ ایک بڑے مسے جیسی تھی جس پہ بہت گھنے بال تھے۔

❖ ❖ ❖

35 قبل نبوت، 47 قبل ہجرت، 576ء

بنو سعد سے واپسی

نبی اکرم ﷺ سرادارِ قریش کے بیٹے تھے اس لیے اُن سے اس طرح کے پراسرار واقعات پیش آنے کی وجہ سے حضرت حلیمہ اور اُن کے شوہر حارث گھبرا گئے تھے۔ چنانچہ جب انھوں نے نبی اکرم ﷺ کو زندہ پالیا تو وہ انتہائی خوش ہوئے مگر اُن کے قبیلے کے ایک شخص نے رائے دی کہ محمد ﷺ پہ جنون کا اثر ہو گیا ہے اس لیے اسے کسی کاہن کے پاس لے جاؤ تا کہ وہ انھیں دیکھ لے اور اِن کا علاج کرے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ نے فوری طور پہ اس امر کو ضروری جانا اور گھر جانے سے پہلے ہی وہ نبی اکرم ﷺ کو علاقے کے ایک معروف کاہن کے پاس لے گئیں۔ اگر چہ نبی اکرم ﷺ نے اس بات سے انکار کیا۔ چنانچہ روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے والدین سے کہا دیکھ لیں میرا جسم بالکل درست ہے اور نہ ہی مجھے کہیں درد ہو رہا ہے اس لیے مجھے کسی کاہن کے پاس لے جانے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔

مگر ایک دو تین سال کے بچے کی بات کو والدین عموماً نظر انداز کر دیتے ہیں پھر حضرت حلیمہ سعدیہ اور حارث تو سخت پریشان تھے اس لیے کہ اُن کے سامنے یہ سوچ تھی کہ اگر نبی اکرم ﷺ کو کچھ

ہو گیا تو وہ اُن کے والدین اور سردارِ قریش حضرت عبدالمطلب کو کیا جواب دیں گے۔

دوسرے لوگوں نے بھی حارث اور حلیمہ سعدیہ کی تائید کی۔

اس لیے انھوں نے نبی اکرم ﷺ کی بات سنی ان سنی کر دی اور آپ ﷺ کو لے کر ایک کاہن کے پاس جا اترے۔

ہم نے کاہن کو تمام بات بتائی مگر کاہن نے ہماری بات سنی ان سنی کر دی اور کہا: لڑکا سمجھدار لگتا ہے اسے خود ہی بتانے دو کہ اس پہ کیا گزری۔

اس کے بعد کاہن نے مجھ سے پوچھا؟

اے لڑکے جو کچھ تجھے پیش آیا ہے وہ حرف بہ حرف مجھ سے بیان کر۔ چنانچہ میں نے کاہن کو تفصیلاً اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعات سے آگاہ کیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ میں جوں جوں اس واقعے کی تفصیل بیان کر رہا تھا کاہن کا رنگ بدلتا جا رہا تھا اور جب میں اُس کو پوری بات بتا چکا تب کاہن کی آنکھیں پھٹنے کے قریب تھیں۔

میں نے اپنی بات پوری کی تو کاہن نے مجھے اپنی باہوں میں بھینچ لیا۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا اور پکار کے کہنے لگا۔

اے اہل عرب! اس لڑکے کو قتل کر دو۔

لوگ کاہن کا یہ حکم سن کر حیران رہ گئے۔

آخر کچھ لوگوں نے ہمت کر کے کاہن سے پوچھ ہی لیا کہ ہم اس لڑکے کو آخر کیوں قتل کریں؟

کاہن چیخ رہا تھا اور بلند آواز سے عربوں کو قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس نے کہا:

اس لیے اس لڑکے کو قتل کر دو کہ اگر تم نے اس کو چھوڑ دیا اور یہ لڑکا سمجھ اور دانائی کی عمر کو پہنچ گیا تب یہ تمہارا دین بدل ڈالے گا لات اور عزیٰ کو گرا دے گا تمھارے آباء کو گمراہ کہے گا۔ یہ تمھیں ایک نئے دین کی طرف بلائے گا جس کو تم نہیں جانتے۔ یہ تمھاری عقلوں کو خراب کرے گا اور تمھارے بتوں جھٹلائے گا۔ وہ تم کو ایک ایسے پروردگار کی طرف بلائے گا ایسے دین کی دعوت دے گا جس سے تم آشنا نہیں ہو۔ اور جب تم اس کا انکار کرو گے تو یہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ تم سے جنگ کرے گا اور

تمھیں قتل کرے گا۔اس لیے جس قدر جلد ہو سکے تم اس بچے کو قتل کر دو۔اسی طرح تم اس آفت سے بچ سکتے جو تمھیں پیش آنے والی ہے۔

اتنا سننا تھا کہ میری ماں نے لپک کر مجھے کاہن سے الگ کر دیا اور اس کو جھڑک دیا اور اسے کہا!

خدا تمھارا برا کرے میں کبھی اس لڑکے کو قتل کرنے والی نہیں اور اگر مجھے کسی کے قتل کی ضرورت پیش آئی تو میں تجھے قتل کر دوں گی۔

چنانچہ ہم آنحضرت محمد ﷺ کو لے کر اپنے گھر آ گئے تاہم میں اور حارث بہت پریشان تھے۔

حارث نے کہا:

حلیمہ مجھے ڈر ہے کہ اس بچے کو کچھ ہو نہ جائے۔چنانچہ اس سے قبل کہ اس کو پھر اسی طرح کا کوئی واقعہ پیش آئے جس طرح کا واقعہ اسے آج پیش آیا ہے ہمیں چاہیے کہ ہم اس کی ذمہ داری سے الگ ہو جائیں اور نبی اکرم ﷺ کو اُن کے آباء کے حوالے کر دیں۔

چنانچہ کچھ دنوں بعد ہم نبی اکرم ﷺ کو ساتھ لیے ہوئے مکہ پہنچے اور حضرت آمنہ سے کہا:

ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے اس بچے کی جتنی تربیت کرنی تھی وہ ہم کر چکے ہیں اس لیے ہم نبی اکرم ﷺ کو آپ کے حوالے کرنے آئے ہیں۔

حضرت آمنہؓ نے حضرت سعدیہ سے کہا:

ابھی کل کی بات ہے کہ تم اتنی منتوں کے بعد آنحضرت محمد ﷺ کو لے گئی تھیں اس لیے مجھے اصل بات بتاؤ جو تمھارے دل میں ہے۔جو کچھ تم کہہ رہی ہو مجھے اس پہ یقین نہیں۔

بلکہ بات کچھ اور ہے اور جب تک تم مجھے حقیقت سے آگاہ نہیں کرتیں میں تمھیں چھوڑنے والی نہیں۔

چنانچہ ہم نے حضرت آمنہ کو تمام واقعے سے آگاہ کر دیا۔

جس کو سن کے وہ مسکرائیں اور کہا:

تم یہ سمجھتی ہو کہ میرے بیٹے پہ شیطان غلبہ حاصل کر لے گا تو اس بات کو بھول جاؤ تم نہیں جانتیں کہ اُن کی شان کتنی بلند ہے۔

اگر تم کہو تو میں تمھیں اپنے بیٹے کے بارے میں کچھ اور بتاؤں۔

حضرت حلیمہ سعدیہ نے کہا: ضرور۔

تب حضرت آمنہ نے اُن سے کہا:

جب مجھے نبی اکرم ﷺ کا حمل ہوا تو وہ اتنا ہلکا تھا کہ مجھے اُس کی خبر بھی نہ ہو سکی حتیٰ کہ اللہ کے فرشتوں نے مجھے اس امر سے آگاہ کیا۔ جب وہ پیدا ہوئے تب اُن کی پیدائش کے ساتھ ایک نور میرے جسم سے جدا ہوا جس سے شام کے محلات تک روشن ہو گئے۔ اس لیے خدا کی قسم تم اِن کے بارے میں کوئی اندیشہ نہ کرو شیطان اُن کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

ابھی مکے کی فضاؤں میں وبا کی وہ ہوا موجود ہے جس کے خوف سے تم محمد ﷺ کو اپنے ساتھ لے گئیں تھیں اس لیے ابھی اُن کو اپنے ساتھ ہی رکھو۔

حضرت حلیمہ سعدیہ کہتی ہیں کہ حضرت آمنہ کی اِن باتوں سے ہمارا دل ٹھہر گیا اور ہم محمد ﷺ کو اپنے ہمراہ لے کر پھر سے صحرا کی اُن وسعتوں میں پہنچ گئے جہاں ہمارے خیمے نصب تھے۔

حضرت حلیمہ سعدیہ اُس زمانے کی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ:

اب محمد ﷺ اپنے بھائی اور باپ کے ساتھ دور صحراؤں میں بکریاں چرانے جایا کرتے تھے اور اُن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہر فعل میں برکت عطا کر رکھی تھی۔

حضرت حلیمہ کہتی ہیں کہ:

ایک بار ہم سفر میں تھے اور محمد ﷺ بھی ہمارے ساتھ تھے تب ہمارے قریب سے ایک قافلہ گزرا اُس میں بنی اسرائیل کی کتاب کے عالم بھی تھے۔ جو لوگوں کے ہاتھ دیکھ کر اُن کو مستقبل سے آگاہ کرتے تھے۔ مجھے نہ جانے کیوں شوق آیا کہ میں بھی محمد ﷺ کو لے کر اُس عالم کی طرف چلی گئی۔

اُس نے محمد ﷺ کا ہاتھ پکڑا اور اُس کا رنگ اڑ گیا۔

وہ تیزی سے اُن کے متعلق سوالات کرتا چلا گیا۔

میں نے اسے اِن واقعات سے آگاہ کیا جو نبی اکرم ﷺ کی پیدائش کے وقت پیش آئے تھے۔

میں نے اس یہودی عالم کو یہی بتایا تھا کہ میں اِن کی ماں ہوں۔ یہودی عالم نے جب مجھ سے بہت سے سوال پوچھ لیے تب اُس نے اپنے لوگوں کو آواز دی اور کہا:

اس بچے کو پکڑ لو اور قتل کر دو۔

کیونکہ میں تو یہ سمجھا ہوں کہ یہ اللہ کے نبی ہیں۔

میں یہودی عالم کی بات سن کر بہت گھبرا گئی تھی۔

کہ اسی اثناء میں اُس یہودی عالم نے مجھ سے پوچھا؟

اس کا باپ کہاں ہے؟

تو میں نے حارث کی طرف اشارہ کر دیا۔

یہودی عالم سوچ میں پڑ گیا اور اس نے کہا اس بچے کو تو یتیم ہونا چاہیے تھا۔

پھر اُس نے حارث کی طرف غور سے دیکھا اور اپنے آدمیوں سے کہا:

اِن کو یعنی محمد ﷺ کو چھوڑ دو مجھے غلطی لگی ہے کیونکہ اگر یہ وہ ہوتے جن پہ اللہ تعالیٰ کتاب اتارنا چاہتا ہے تو اِس لڑکے کو یتیم ہونا چاہیے تھا۔

چنانچہ میں اُن کو لے کر تیزی سے وہاں سے ہٹ گئی۔

اور دایہ حلیمہ سعدیہ نے مزید کہا کہ:

ایک بار جب محمد ﷺ اُن کے ہاں پرورش پا رہے تھے تب میں انھیں لے کر عکاظ کے میلے میں گئی اور عکاظ کا میلا عربوں کا مشہور میلا تھا۔ یہ عہد جاہلیت کا ایک بازار تھا جو طائف اور نخلہ کے درمیان لگا کرتا تھا۔ عرب کے لوگ جب حج کرنے کو آتے تو شوال کا مہینہ اسی میلے میں گذارتے۔ لوگ اس میلے میں اپنے قبیلوں کی بڑائی بیان کرتے اور مفاخرت کے میدان سجا کرتے بعض مورخین نے لکھا ہے کہ یہ میلا بنی ثقیف اور قیس عیلان کا میلا تھا۔

میں نے دیکھا کہ عربوں کا ایک کاہن نبی اکرم ﷺ کو بہت غور سے دیکھ رہا ہے۔ پھر ہم جہاں جاتے اس کو وہیں پاتے۔ دراصل اُس نے محمد ﷺ میں اُس نورِ نبوت کو جانچ لیا تھا اس لیے اُس نے پکارنا شروع کر دیا۔ اے اہل عرب اس بچے کو قتل کر دو اس لیے کہ یہ تمھاری سلطنت کا بادشاہ بننے والا ہے۔

یہ تمھارے دین کو بگاڑ دے گا اور تمھیں قتل کرے گا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

وفاالوفا میں اسی واقعے کے بارے میں تھوڑے سے فرق کے ساتھ تحریر ہے کہ؛

جب عکاظ کا میلا شروع ہوا تب حضرت حلیمہ سعدیہ آپ ﷺ کو لے کر قبیلہ بنو ہذیل کے ایک کاہن کے پاس آئیں جس نے آپ ﷺ کو پہچان لیا۔

چنانچہ اُس نے بنو ہذیل کے لوگوں سے کہا:

اے بنو ہذیل اس بچے کو قتل کردو۔

حضرت حلیمہ سعدیہ کہتی ہیں کہ میں محمد ﷺ کو وہاں سے لے کر کھسک گئی اور وہ بچے کو تلاش ہی کرتے رہ گئے۔ پھر جب محمد ﷺ کی عمر پانچ برس اور دو ماہ کی ہوئی تب ہم نے سوچا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ محمد ﷺ کو اُن کے والدین کے حوالے کر دیا جائے۔ چنانچہ ہم محمد ﷺ کو لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے جب ہم مکہ میں داخل ہوئے تو ایک مجمع میں محمد ﷺ ہم سے کھو گئے۔

ہم سخت پریشان تھے اور ہر طرف محمد ﷺ کو تلاش کر رہے تھے۔ جب کافی دیر کی جہد وسعی کے بعد بھی نبی اکرم ﷺ ہم کو نہ ملے تب ہم اُن کے دادا کے پاس پہنچے اور اُن کو اس صورت حال سے آگاہ کیا۔ حضرت عبدالمطلب بھی محمد ﷺ کی گمشدگی کا سن کر سخت پریشان ہوا ٹھے۔

حضرت عبدالمطلب حرم شریف چلے گئے اور اپنے اللہ سے دعا کرنے لگے اس وقت جب وہ بیت اللہ میں اپنے پوتے کے لیے دعا کر رہے تھے تب اُن کے لبوں پہ یہ اشعار تھے۔

الھم ادّ راکبی محمد ﷺ

اَدّ ہ‘ واصطنع عندی یدا

اے میرے اللہ! میرے شہ سوار محمد ﷺ کو مجھے سونپ دے اسے مجھ کو دے دے۔ اسے میرے پاس بھیج دے، اور اپنی عنایت کی بدولت مجھ پہ اپنا فضل وکرم کر۔

انت الذی جعلۃ لی عضُدَا

لا یُبِعْد الدّھربِہٖ فلیعدا

اے میرے اللّٰہ ! تونے ہی تو اس لڑکے کو میرا بازو بنایا ہے یا اللہ ایسا نہ ہو کہ زمانہ اس کو مجھ سے دور کردے تو پھر یہ مجھ سے دور ہی ہو جائے گا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

انت الذی سَمَّیْتَہ‘ محمد ﷺ

اے میـــرے رب ! تونے ہی تو اس کا نام محمد ﷺ رکھا ہے اور اس کو ستودگی اور ستائش سے موسوم کیا ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

رُدُّ اِلی راکِبِی محمَّد ﷺ

رُدُّہ‘ اِلی و اصطنع عندی یدا

اے میـــرے رب ! محمد ﷺ کو میرے پاس بھیج دے اسے مجھ کو واپس لوٹا دے اور اس طرح تو میرے حق میں عنایت کر[33*]۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

مورخین نے لکھا ہے کہ:

محمد ﷺ مکہ کے بالائی کے حصے میں تھے اور ورقہ بن نوفل نے انھیں حضرت عبدالمطلب تک پہنچایا ۔اس کے بعد جب محمد ﷺ جوان ہوئے اور انھوں نے حضرت خدیجہؓ سے شادی کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عربوں میں مبعوث کیا تب آپ ﷺ ہر دم اپنے رضاعی ماں باپ کی عزت کرتے رہے تھے اپنی بہن اور بھائی کو یاد کرتے رہے۔جب نبی اکرم ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے شادی کی تب بنوسعد میں ایک بار پھر قحط آیا تو حضرت حلیمہ سعدیہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں

حاضر ہوئیں۔ نبی اکرم ﷺ نے اُن کو اپنے ہاں بہت عزت اور احترام سے رکھا اور جب وہ رخصت ہوئیں حضرت خدیجہؓ نے حضرت حلیمہ سعدیہ کو چالیس بکریاں اور کئی اونٹ دیئے جو مال و متاع سے لدے ہوئے تھے۔ جس سے حضرت سعدیہ کی پریشانی ختم ہوگئی۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح نبی اکرم ﷺ نے اپنی رضاعت کا حق ادا کیا دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

محمد بن المنکد ر سے روایت ہے!

رسول اللہ ﷺ کے حضور ایک عورت نے حاضری کی اجازت طلب کی اور کہا کہ میں نے انھیں دودھ پلایا ہے۔ اور جب وہ نبی اکرم ﷺ کے سامنے پہنچیں تو نبی اکرم ﷺ اُن کے احترام میں میری ماں میری ماں کہتے ہوئے کھڑے ہوگئے اور اُن کے لیے اپنی چادر بچھادی۔

آپ ﷺ نے محبت سے اُن کے کپڑوں میں ہاتھ ڈالا اور اُن کی ضرورت پوری کردی۔

اس کے بعد وہ حضرت ابو بکرؓ کے دور میں حاضر ہوئیں تو حضرت ابو بکرؓ نے اُن کے لیے اپنی چادر بچھائی اور اُن سے اجازت طلب کی کہ وہ باہر سے ہی اُن کے کپڑے کو چھولیں۔

حضرت حلیمہ سعدیہ نے اُن کو اجازت دے دی۔

اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے اُن کی ضرورت پوری کردی۔

پھر وہ حضرت عمرؓ کے دور حکومت میں آئیں اور انھوں نے بھی ایسا ہی کیا۔

اور روز حنین جب بنو ہوازن کو شکست ہوئی تب نبی اکرم ﷺ نے اس بات کا حق ادا کردیا کہ آپ ﷺ نے اُن کے قبیلے سے دودھ پیا تھا۔

آنحضرت محمد ﷺ کے گھوڑ سوار دستوں نے یوم حنین جب یلغار کی اور بہت سے لوگوں کو گرفتار کرلیا تب گرفتار ہونے والے لوگوں میں سے ایک عورت نے پکار کر سواروں کو بتایا کہ وہ اُن کے نبی محمد ﷺ رسول اللہ کی بہن ہیں لوگ انھیں آپ ﷺ کے پاس لے آئے۔

تو شیماء نے کہا:

یارسول اللہ ﷺ آپ نے مجھے پہچانا نہیں میں شیماء ہوں۔

اس بیچ چونکہ بہت سا وقت گزر چکا تھا اس وقت شیماء بد حال بھی تھیں اس لیے آپ ﷺ انھیں پہچان نہ سکے۔

نبی اکرم ﷺ کی خاموشی پہ شیماء نے کہا:

آپ ﷺ کو یاد نہیں کہ آپ ﷺ نے میری کمر کو اپنے دانتوں سے کاٹا تھا اُس کا نشان آج تک میری کمر پہ موجود ہے اور انھوں نے اپنی کمر سے کپڑا اٹھا دیا اور وہاں دانتوں سے کاٹے جانے کا نشان موجود تھا۔

تب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ہاں میں نے تمھیں پہچان لیا ہے آپ ﷺ نے انھیں گلے سے لگایا اور دلاسہ دیا اُن کے لیے اپنی چادر بچھائی اور اس پہ اُن کو بٹھایا اور اُن کی دلجوئی کی۔

زہری، عبداللہ بن جعفر اور ابن سبرہ وغیرہ کے حوالے سے محمد بن سعد نے روزِ حنین کے واقعات کو یوں روایت کیا ہے۔غزوہ حنین میں بنو ہوازن کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا اور اُن کے بہت سے اموال اور لوگ مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔

پھر بنو ہوازن کا چودہ رکنی وفد بمقام جعرانہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا اور انھوں نے اپنے اسلام لانے کی خبر دی۔اور پیچھے رہ جانے والوں کے اسلام کی خبر بھی دی۔اِن لوگوں کے سردار اور خطیب ابو مروز ہیر بن صرد تھے جنھوں نے عرض کی! یارسول اللہ ﷺ:

ہم آپ ہی کے بیخ و بن ہیں اور آپ ﷺ ہی کا خاندان ہیں اس لیے ہم آپ ﷺ سے صلہ رحمی کی توقع کرتے ہیں۔اور اسی وفد میں ابو ثروان بھی تھے جو حارث کے بھائی تھے اور حارث حضرت حلیمہ سعدیہ کے شوہر تھے۔اس ناتے ثروان آپ ﷺ کے رضاعی چچا لگتے تھے۔

انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کیا اور کہا:

جن لوگوں کو آپ ﷺ نے لونڈی غلام بنا لیا ہے اُن میں بہت سے وہ بھی ہیں جنھوں نے آپ ﷺ کو گودوں میں کھلایا ہے۔اپنے بازوؤں میں جھولا جھلایا ہے۔انھیں میں آپ ﷺ کی چچیاں ہیں، خالائیں ہیں، دائیاں ہیں اور وہ ہیں جن کی چھاتیوں نے آپ ﷺ کو پروان چڑھایا ہے

۔اِن میں وہ بھی ہیں جنھوں نے آپ ﷺ کو دودھ پلایا ہے اور وہ بھی ہیں جنھوں نے آپ ﷺ کو دودھ پیتے دیکھا ہے۔انھوں نے آپ ﷺ کو دودھ چھوڑتے بھی دیکھا ہے اور ہم نے آپ ﷺ سے اچھا کوئی بچہ نہیں دیکھا جس کا دودھ چھڑایا گیا ہو اور جب آپ ﷺ کو جوان دیکھا تب بھی ہم نے آپ ﷺ سے اچھا کوئی جوان نہیں دیکھا کہ گویا نیک خصلتیں آپ ﷺ میں درجہ کمال کو پہنچ چکی ہیں۔ بااین ہمہ ہم آپ ﷺ کی جڑ اور بنیاد ہیں ہم آپ ﷺ ہی کے خاندان سے ہیں اور ہم جس مصیبت میں مبتلا ہو چکے ہیں آپ ﷺ اُس سے بھی آگاہ ہیں اس لیے ہم آپ ﷺ سے احسان کے طالب ہیں۔اس لیے بھی کہ اگر ہم نے حارث بن ابی شمر(شاہ غسان)یا نعمان بن منذر(شاہ حیرہ) کو بھی دودھ پلایا ہوتا تو ہم اُن سے بھی عمدہ سلوک کی توقع کرتے اور آپ ﷺ تو ہیں ہی ہم میں سے اس لیے ہم پہ احسان فرمائیں کہ یہی آپ ﷺ کے شایانِ شان ہے کہ آپ ﷺ کا تعلق تو سخیوں کے اس خاندان سے ہے جس کی مثال عرب بھر میں دی جاتی ہے۔بنو ہاشم سے زیادہ سخی تو عرب بھر میں کوئی نہیں اور آپ ﷺ کبھی قریش کی شان تھے اور آج سارے عربوں کی شان آپ ﷺ سے ہی ہے۔

آپ ﷺ اُن کی بات خاموشی سے سنتے رہے اس کے بعد کہا:

تم لوگوں نے آنے میں اتنی سستی اور تاخیر کی کہ میں نے گمان کیا کہ اب تم نہیں آؤ گے اگر چہ مجھے تمھارا انتظار تھا۔

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے فرمایا؛

سب سے اچھی بات وہی ہے جو راستی میں سب سے اچھی ہو مسلمانوں میں جو میرے پاس ہیں تم انھیں دیکھ رہے ہو۔میں نے مال و اموال تقسیم کر دیا ہے اس لیے اب تم بتاؤ کہ تمھارے لیے تمھارے مال زیادہ اہم ہیں یا وہ لوگ جو مسلمانوں کے قبضے میں آچکے ہیں۔

بنو سعد کے وفد نے جواب دیا۔

اب جبکہ آپ ﷺ نے ہمیں حسب و مال میں سے ایک چیز چُن لینے کا اختیار دیا ہے تو ہم آپ ﷺ کو بتائیں کہ ہم اپنے حسب سے زیادہ کسی چیز کو اہمیت نہیں دیتے اور مال تو ڈھلتے سائے کی طرح ہے کبھی ہے تو کبھی نہیں۔

تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

تمہارا جو کچھ میرے لیے ہے اور اولادِ عبدالمطلب کے لیے ہے وہ تمھارا ہوا۔

اور میں مسلمانوں سے کہوں گا کہ تم سے صلہ رحمی کریں۔

پھر آپ ﷺ نے اُن کو فرمایا:

جب میں ظہر کی نماز پڑھ چکوں تب تم میں سے کوئی کھڑا ہو اور کہے۔

نستشفع بر رسول اللّٰہ الی المسلمین و بالمسلمین الی رسول اللّٰہ "

ہم مسلمانوں سے رسول اللہ ﷺ کے طفیل میں اور رسول اللہ ﷺ سے مسلمانوں کی بدولت شفاعت کے طلبگار ہیں۔

آپ ﷺ نے سب مسلمانوں کی موجودگی میں کہا:

میں نے بنو عبدالمطلب کی طرف سے اُن کے لونڈی اور غلام واپس کیے کہ اِن کا مجھ پہ رضاعت کی وجہ سے حق ہے۔

تب انصار مدینہ سے بھی ایک شخص اٹھا اور اس نے کہا:

ہم اس حق کو تسلیم کرتے ہیں اس لیے اہل مدینہ وہ تمام قیدی نبی اکرم ﷺ کی ذات پہ قربان کرتے ہیں جو اُن کے قبضے میں ہیں ہم بنو سعد کو اُن کے بال بچے واپس کرتے ہیں۔

اس پہ نبی اکرم ﷺ نے دوسرے لوگوں کو بھی اس بات کی ترغیب دی۔

جس پہ مہاجرین مکہ کی طرف سے بھی اعلان کیا گیا کہ انھوں نے بھی بنو سعد کے لونڈی غلام رسول اللہ ﷺ کے صدقے واپس کیے۔اس طرح بنو سعد کے اکثر قیدی واپس کر دیئے گئے۔

تاہم کچھ لوگوں نے بردے واپس کرنے سے ہاتھ روک لیے۔نبی اکرم ﷺ نے اِن لوگوں کو بلوایا اور اِن سے کہا:

تمھیں اس بات کا اختیار ہے کہ تم بردے روک لو مگر یہ لوگ میرے رشتے دار ہیں اس لیے تم اُن کو میرے ہاتھ فروخت کر دو۔

لوگوں نے اس پہ آمادگی ظاہر کی:

اس طرح جو لوگ رہ گئے تھے اور ابھی تک مسلمانوں کے ہاتھ قید تھے اُن کے بدلے رسول اللہ

ﷺ نے لوگوں کو اونٹ اور دیگر اموال دیئے اور اُن لوگوں کو گردنیں آزاد کرائیں جن کا تعلق بنو سعد سے تھا۔
اس طرح نبی اکرم ﷺ نے بنو سعد کو رضاعت کا اتنا عمدہ بدل دیا جس کی مثال نہیں دی جاسکتی ۔آپ نے ہمیشہ بنو سعد کی تکریم کی اور اس بات پہ آپ ﷺ نے ہمیشہ فخر کیا کہ اُن کا بچپن بنو سعد میں گزرا تھا۔ایک دن حضرت ابو بکرؓ نے نبی اکرم ﷺ سے فرمایا! یارسول اللہ ﷺ میں نے آج تک کسی شخص کو آپ ﷺ سے زیادہ فصیح البیان نہیں پایا۔
یہ سن کر نبی اکرم ﷺ مسکرائے اور فرمایا:
یہ کیوں نہ ہو آخر میرا تعلق قریش سے ہے اور میرا بچپن بنو سعد میں گزرا ہے۔
مورخین نے لکھا ہے کہ:
نبی اکرم ﷺ کے رضاعی ماں باپ اور بہن بھائیوں سب نے اسلام قبول کرلیا تھا۔
اگرچہ بعض مورخین نے اس بات سے انکار بھی کیا ہے مگر اُن کے انکار کے کے مقابل وہ روایات جن میں اس بات کو ثابت کیا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے رضاعی ماں باپ نے اسلام قبول کرلیا تھا زیادہ مستحکم ہیں۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

چنانچہ امام عبداللہ سہیلی نے الروض الانف میں آپ ﷺ کے باپ حارث کے بارے میں لکھا کہ انھوں نے ابن اسحٰق سے روایت کی ہے کہ ابن اسحٰق کو اُن کے باپ اسحٰق بن یسار نے بتایا کہ وہ بنو سعد بن بکر کے کچھ لوگوں سے روایت کیا کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے رضاعی والد حضرت حارث بن عبدالعزیٰ رسول اللہ کے پاس حاضر ہوئے اور اس وقت قرآن پاک کا نزول شروع ہو چکا تھا۔
لوگوں نے حارث سے اُن کے بیٹے محمد ﷺ کا شکوہ کیا کہ وہ اُن کے معبودوں کی توہین کرتے ہیں۔

حارث نے اُن سے پوچھا، محمد ﷺ کیا کہتے ہیں؟

قومِ قریش نے اُن کو بتایا کہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ موت کے بعد پھر سے ہر انسان کو زندہ کرے گا۔اپنے نافرمانوں کو سزا دے گا اور اپنے فرمانبرداروں پہ فضل و کرم کرے گا اور یہ کہ محمد ﷺ نے ہماری جمعیت کو منتشر کر دیا ہے۔ ہمارا شیرازہ بکھیر دیا ہے۔

حارث نے قریش کی باتیں سنیں۔ پھر محمد ﷺ کے پاس آئے اور اُن سے کہا:

میرے نورِ نظر تم کو کیا ہو گیا ہے، لوگ تمھارے بارے میں عجیب عجیب باتیں کر رہے ہیں جن سے مجھے دکھ پہنچا ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اُن سے کہا ہے کہ لوگوں کو مرنے کے بعد پھر سے اٹھایا جائے گا اور اُن کو جنت یا جہنم کی طرف لے جایا جائے گا۔

نبی اکرم ﷺ نے اُن کو فرمایا:

اے میرے باپ میں نے یہ سب کہا ہے اور روزِ محشر میں تمھارا ہاتھ پکڑ لوں گا اور آپ کو آج کے دن کی گفتگو یاد کراؤں گا۔

حارث کہتے ہیں کہ تب میرے دل سے سارے پردے ہٹ گئے اور مجھے ایمان کی دولت نصیب ہوئی۔ اس کے بعد حارث پختگی سے اپنے دین پہ کاربند رہے اور لوگوں سے فخریہ کہا کرتے کہ اگر میرے نورِ نظر نے روزِ محشر میرا ہاتھ پکڑ لیا تو پھر وہ میرا ہاتھ نہیں چھوڑیں گے حتیٰ کہ مجھے جنت میں داخل کر دیں۔

اور اللہ ہی ہے جس کی توفیق سے یہ حرف میرے قلم سے نکلے۔

❖ ❖ ❖

ان صفحات میں رسول اللہ ﷺ کی اوائل عمری کے واقعات بیان کیے جارہے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا بچپن دوسرے لوگوں سے بہت ہی مختلف تھا اور یہ سارا اہتمام تو اُس نبوت و رسالت کی تمہید تھا جو عنقریب آپ کو عطا کی جانے والی تھی۔

33 قبل نبوت، 46 قبل ہجرت، 577ء

حضرت آمنہ کی وفات

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنوسعد سے واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک پانچ سال اور چند ماہ تھی۔ بادیہ بنوسعد کی کھلی فضاؤں میں کئی برس گذارنے کی وجہ سے آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحت قابل رشک تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہم عمروں میں ممتاز نظر آتے تھے۔ اتنے برسوں کی جدائی کے بعد حضرت آمنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر وقت اپنے قریب رکھتی تھیں وہ اُن سے خوب محبت کرتیں اور آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن کے والد عبداللہ کی خوبیاں بیان کرتیں۔ جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتیں تو اُن کا دل مسرت سے بھر جاتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے جہاں اُن کی والدہ حضرت آمنہ کے چہرے پہ برسوں بعد مسکراہٹ دیکھی گئی تھی وہیں حضرت عبداللہ کی بہنیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھیاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خود سے ایک پل جدا رکھنا پسند نہ کرتی تھیں وہ اپنے بھائی کی اس اکلوتی نشانی کو دیکھ کر اپنے بھائی کی یاد میں کھو جاتیں پھر جب وہ اپنے بھانجے کو اپنے سینے سے لگاتیں تو اُن کو اپنے بھائی کی خوشبو حاصل ہو جاتی جس کی وجہ سے وہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے بے پناہ محبت کرتی تھیں۔

نبی اکرم ﷺ کے چچا حمزہ اور اُن کی چھوٹی بہن صفیہ بھی آپ ﷺ سے بے پناہ محبت کرتے تھے جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ آپ ﷺ کے ہم عمر تھے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ بنوسعد کے خیموں اور صحراؤں میں بھی ساتھ ساتھ کھیلے تھے اور بڑے ہوئے تھے۔

پھر آپ ﷺ کے تایا زبیر تھے جو آپ ﷺ کو اپنے ساتھ باہر لے جاتے آپ ﷺ کو گود میں اٹھاتے اُن کو لوریاں سنا کے سلاتے اور بہت محبت کرتے۔

پھر حضرت ابو طالب تھے جو آپ ﷺ سے بے حد محبت کرتے تھے۔

حضرت عبدالمطلب تو ایک پل بھی آپ ﷺ کو خود سے جدا نہ کرنا چاہتے تھے وہ اپنے آنگن میں جب آنحضرت محمد ﷺ کو کھیلتا دیکھتے تو اُن کو حضرت عبداللہ کی یاد بے چین کر دیتی۔ پھر آپ اللہ کا شکر ادا کرتے کہ اُس نے اُن کو عبداللہ کی یہ انمول نشانی عطا فرمائی ہے۔

پھر محبت اور وارفتگی کے یہ ایام تیزی سے بیت گئے اور تقریباً ایک سال بعد حضرت آمنہ نے حضرت عبدالمطلب سے کہا کہ وہ محمد ﷺ کو لے کر مدینہ جانا چاہتی ہیں تا کہ وہ اپنے شوہر کی قبر پہ حاضری دے سکیں۔

حضرت عبدالمطلب نے حضرت آمنہ کو اجازت دے دی۔

تب حضرت آمنہ اپنی کنیز برکتہ اور آنحضرت محمد ﷺ کو ساتھ لے کر شہر مدینہ کی طرف روانہ ہوئیں۔

طویل مسافت اور صحرا کے شدت بھرے سفر کے بعد حضرت آمنہ اپنے دل کے قرار آنحضرت محمد ﷺ کو لے کر مدینہ پہنچیں اور وہاں آپ نے بنونجار کے ہاں قیام کیا جو حضرت عبداللہ کے ننھال تھے۔

حضرت آمنہ نے نبی اکرم ﷺ کو ساتھ لیا اور اپنے شوہر کی قبر پہ پہنچیں جو ایک مکان میں تھی یہاں ہم صرف یہی بیان کر سکتے ہیں کہ حضرت آمنہ اپنے محبوب شوہر حضرت عبداللہ کی قبر پہ پہنچیں اور اُن محسوسات کا صرف ادراک کیا جا سکتا ہے جو آپ کو وہاں پیش آئے ہوں گے کہ تاریخ دراصل احساسات اور جذبات سے عاری شب و روز کا تذکرہ ہے جس میں جذبات اور احساسات کو چنداں

اہمیت نہیں دی جاتی مگر میرے خیال میں سیرت نگاری محض تاریخ کا بیان نہیں ہے بلکہ اس میں اُن لمحوں کا گداز اور اُن آنسوؤں کا نمک بھی شامل ہونا چاہیے جو وقت کے پس منظر میں اگر چہ پوشیدہ ہو چکے ہوتے ہیں مگر احساسات کبھی پرانے نہیں ہوتے اور قلم اُن کا احاطہ کرنے سے گریز کی راہ اختیار کرتا ہے اس لیے کہ جذبات واحساسات کی زبان حرفوں کی محتاج نہیں ہوتی اور قلم تو صرف حرف ابھار سکتا ہے۔ چنانچہ ایک مورخ کی حیثیت سے ہم اُن آنسوؤں کو تو بیان کر سکتے ہیں جو حضرت آمنہ کی آنکھوں سے بہے ہوں گے مگر اُن احساسات کو بیان کرنا جو اِن آنسوؤں کی وجہ بنے ایک امر دقیق ہے کہ احساسات کی زبان نہیں ہوا کرتی۔

حضرت آمنہ نے ایک ماہ تک مدینہ میں قیام کیا۔ مورخین نے لکھا کہ اس دوران کئی بار یہودی علماء نے نبی اکرم ﷺ کو روکا اور اُن کو پہچاننے کی کوشش کی جس کی وجہ سے حضرت آمنہ کچھ پریشان تھیں۔ اس لیے انھوں نے مناسب جانا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کو ساتھ لے کر مکہ واپس چلی جائیں چنانچہ انھوں نے اپنی کنیز برکتہ کو ساتھ لیا محمد ﷺ کے ساتھ مکہ کو روانہ ہوئیں۔

کئی منزلوں کے بعد جب حضرت آمنہ کا یہ مختصر قافلہ ابھی مکہ سے کئی سو کلو میٹر دور ہی تھا کہ اُن کی طبیعت سخت ناساز ہو گئی اس لیے اس مختصر سے قافلے کو مقام ابوا پہ قیام کرنا پڑا۔ حضرت آمنہ کی طبیعت نہ سنبھلی اور اگلے روز انھوں نے انتقال کیا۔

چنانچہ انھیں مقام ابوا پہ ہی دفن کیا گیا۔

اس کے بعد غم سے چور دو سوار مکہ کی طرف روانہ ہوئے نبی اکرم ﷺ اگر چہ چھ سات سال کے بچے تھے مگر ایک بچے کے لیے سب سے اذیت ناک لمحہ تو اُس کے والدین کی موت ہی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کی بناپہ نبی اکرم ﷺ کو یہ دکھ برداشت کرنا تھا۔ ابونعیم نے "**دلائل النبوۃ**" میں اسماء بنت رھم سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ میری ماں حضرت آمنہ کی وفات کے وقت اُن کے قریب ہی تھیں۔ انھوں نے دیکھا کہ آنحضرت محمد ﷺ اپنی والدہ کے سرہانے بیٹھے تھے اور ہلکے ہلکے رو رہے تھے۔ حضرت آمنہ کا جسم بخار کی شدت میں جھلس رہا تھا۔ ایک بار حضرت آمنہ نے اپنی آنکھیں کھولیں اور اپنی بالین کے نزدیک اپنے فرزند کو دیکھا تو یہ اشعار پڑھے۔

اِنْ صَحَّ مَا اَبْصَرْتُ فِی الْمَنَامِ

میں نے جو خواب میں دیکھا ہے کہ اگر وہ صحیح ہے تو۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

فَاَنْتَ مَبْعُوْثٌ اِلَی الْاَنَامِ

تُبْعَثُ فِی الْحِلِّ وَفِی الْحَرَامِ

تو پھر آپ ﷺ کو تمام لوگوں کی طرف نبی بنا کر مبعوث کیا جائے گا اور آپ ﷺ حرم کے اندر اور حرم کے باہر ہر جگہ نبی ہوں گے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

تُبْعَثُ فِی التَّحْقِیْقِ وَالْاِسْلَامِ

دِیْنِ اَبِیْکَ الْبَرِّ اِبْرَاھَامِ

اور آپ ﷺ اسلام لے کے آئیں گے اور یقیناً آپ ﷺ کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے دین پہ مبعوث کیا جائے گا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

فَاللّٰہُ اَنْھَاکَ عَنِ الْاَصْنَامِ

وَاَلَّا تُوَالِیْھَا مَعَ الْاَقْوَامِ

میں آپ ﷺ کو اللہ کا واسطہ دے کر بتوں کی پوجا سے روکتی ہوں کہ آپ دوسری قوموں سے مل کر ان سے دوستی اختیار نہ کریں [34*]۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اس کے بعد بہت دیر تک حضرت آمنہ کچھ نہ کہہ سکیں۔

جب انھوں نے انتقال کیا تو دم آخریں اُن کی زبان پہ یہ الفاظ تھے۔ جو صاف سنے جاسکتے تھے۔

وہ آہستہ آہستہ کہہ رہی تھیں:

كُلُّ حَيٍّ مَيِّتٌ وَ كُلُّ جَدِيْدٍ بَالٍ

ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔

وَكُلُّ كَبِيْرٍ يَفْنٰى وَاَنَا مَيِّتَةٌ

ہر نئی چیز پرانی ہو جائے گی اور ہر بڑی چیز فنا ہو جائے گی۔

وَ ذِكْرِي بَاقٍ وَوَلَدْتُ طُهْرًا

میں تو مر رہی ہوں مگر میرا ذکر ہمیشہ باقی رہے گا کہ میں نے ایک پاکباز بچہ جنا ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

نبی اکرم ﷺ نے اگرچہ کم سنی کی عمر میں ہی شہر مدینہ میں یہ مختصر قیام کیا تھا مگر اس قیام کی یادیں ہمیشہ آپ ﷺ کے ذہن میں موجود رہیں۔ چنانچہ جب آپ ﷺ مدینہ ہجرت کر کے تشریف لائے تب آپ ﷺ اپنے اصحاب سے فرمایا کرتے تھے۔ مجھے وہ زمانہ اچھی طرح یاد ہے جب میں اپنی والدہ کے ساتھ مدینہ آیا تھا اور یہاں پانی کے تالابوں میں میں نے پہلی بار تیرنا سیکھا تھا۔ میں مدینہ کی گلیوں میں انیسہ نامی ایک لڑکی کے ساتھ کھیلا کرتا تھا اور ہم چڑیوں کے گھونسلے تلاشا کرتے تھے۔

مجھے مدینے کی کھجوروں کے باغ بہت پسند آئے تھے اور بنی نجار کے لڑکے مجھے اپنے ساتھ پانی کے اُن تالابوں کی طرف لے جاتے تھے جہاں میں نے اُن کے ساتھ تیرتا تھا۔ اور ہم کم گہرے پانی میں تیرا کرتے تھے اور گہرے پانی کی طرف جانے سے ڈرتے تھے کہ ہم چھوٹے تھے اگرچہ بڑے لڑکے گہرے پانی تک بھی جاتے تھے۔ اور ہم تالاب کے کنارے درختوں سے پرندوں کو اڑا کر

خوش ہوا کرتے تھے اور وہیں ایک گھر کے اندر میرے والد کی قبر تھی۔

❖ ❖ ❖

33 قبل نبوت، 46 قبل ہجرت، 577ء

حضرتِ عبدالمطلب کے سائے میں

شام ڈھلے دو سواروں کا ایک قافلہ جب مکہ میں داخل ہوا تو بنو ہاشم کے لیے اُن کے پاس نہایت بری خبر تھی جس کا سب سے زیادہ دکھ حضرت عبدالمطلب کو ہوا کہ اُن کے پوتے کا دکھ اب سِوا ہو گیا تھا۔ وہ جی بھر کے اپنی بہو کا نوحہ بھی نہ کر سکے کہ مبادا اُن کے پوتے کے آنسو نکل آئیں۔ جوان بیٹے کا دکھ ابھی تازہ تھا کہ اب اُن کی بہو اُن سے روٹھ گئی تھی۔ حضرت عبدالمطلب کے لیے یقیناً یہ دکھ کی شام تھی جس کا مداوا ممکن نہ تھا۔ نبی اکرم ﷺ کو اپنی والدہ کی محبت سے بہت کم حصہ ملا تھا وہ اگرچہ اللہ کی رضا پہ راضی تھے مگر اُن کا دکھ اپنی جگہ موجود تھا کہ ماں وہ نعمت ہوتی ہے جس کا بدل ممکن ہی نہیں۔ حضرت عبدالمطلب کو اپنے پوتے کی محرومیوں کا شدت سے احساس تھا اس لیے انھوں نے اپنا کشادہ سینہ آپ ﷺ کے لیے وا کر دیا تھا اور اب آنحضرت محمد ﷺ اپنے دادا کے سایہ عاطفت میں تھے۔ ام ایمن اُن کی خدمت کرتی تھیں مگر آنحضرت محمد ﷺ اُن کو اپنی ماں ہی سمجھتے تھے اور ماں ہی کہتے تھے۔ حضرت عبدالمطلب اُن کو ہر جگہ اپنے ساتھ لے جاتے اور اُن سے بے پناہ محبت کرتے۔ حرم میں ایک گھنے درخت کے سائے تلے حضرت

عبدالمطلب کا تخت بچھایا جاتا جس پہ اُن کے بیٹے کسی کو بھی نہ بیٹھنے دیتے۔مگر آنحضرت محمد ﷺ کو یہ استثنیٰ حاصل تھا کہ وہ اپنے دادا کے تخت پہ بیٹھ سکتے تھے اس لیے کہ حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹوں سے کہہ رکھا تھا کہ کوئی محمد ﷺ کو اس تخت پہ چڑھنے سے نہ روکے۔

چنانچہ حضرت عبدالمطلب نے حضرت محمد ﷺ کی ہر طرح سے دلجوئی کی اور یہ کوشش کی کہ وہ اپنے یتیمی کے دکھ کو بھولے رہیں اور کسی حد تک وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب بھی رہے تھے۔اس لیے کہ اپنے دادا کی صحبت میں نبی اکرم ﷺ کا دل بہلا رہتا۔حضرت عبدالمطلب ہر وقت آپ ﷺ کو پکارتے رہتے وہ آپ ﷺ سے باتیں کرتے آپ ﷺ کو کہانیاں سناتے آپ ﷺ کو نہلاتے اور اپنے ساتھ بیت اللہ شریف لے جاتے۔

لوگ اپنے معاملات حضرت عبدالمطلب کے پاس لایا کرتے اور آپ اُن سے محو گفتگو ہوتے تب بھی آپ ﷺ اپنے دادا کے پہلو میں بیٹھے ہوتے یا اُن کے کندھے سے لگے کھڑے ہوتے۔

حضرت عبدالمطلب کہتے ہیں کہ:

جب اُن کی کوئی چیز کھو جاتی اور وہ کسی کو کہتے کہ تلاش کریں تو تلاش کرنے والے کھوجتے ہی رہ جاتے اور محمد ﷺ وہ چیز اپنے دادا کے سامنے لا رکھتے۔مورخین نے لکھا ہے کہ جب آپ ﷺ کی عمر سات سال کی ہوئی تب آپ ﷺ کو آشوب چشم کی تکلیف ہوگئی تو حضرت عبدالمطلب آپ ﷺ کو لے کر عکاظ کے علاقے میں ایک راہب کے پاس پہنچے جو آشوب چشم کا علاج کیا کرتا تھا۔

جب حضرت عبدالمطلب نبی اکرم ﷺ کو ساتھ لیے اُس راہب کی عبادت گاہ پہ پہنچے تو اس کا دروازہ بند تھا۔حضرت عبدالمطلب نے دراوزے پہ دستک دی۔

راہب نے باہر آنے میں کچھ دیر لگائی۔

اتنے میں زلزلہ آیا اور وہ پورا پہاڑ لرزنے لگا جس کی وجہ سے راہب دوڑتا ہوا باہر نکل آیا۔

حضرت عبدالمطلب چونکہ قریش کے سردار تھے اس لیے راہب اُن کو پہچانتا تھا پھر اس نے آنحضرت محمد ﷺ کو دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا اُس نے آپ ﷺ سے متعلق کچھ باتیں آپ کے دادا سے

پوچھیں؟

پھر اُس نے آپ ﷺ کی آنکھوں کا علاج کیا"۔

جب وہ واپس ہوئے تو راہب نے حضرت عبدالمطلب کو روک لیا اور کہا!

کیا تم جانتے ہو کہ یہ لڑکا اللہ کا نبی ہوگا اور وہ زلزلہ بھی اسی لیے آیا تھا کہ میرے دروازے پہ اللہ کا نبی کھڑا تھا اور میں نے باہر آنے میں دیر لگائی تھی۔

پھر دو سال بعد حضرت عبدالمطلب بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے تصور کیا جا سکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے ننھے سے دل پہ کیا گزری ہوگی۔

کہ ہر پل اُن کی محبت کا دم بھرنے والا ایک بار پھر اُن سے بچھڑ چکا تھا۔

اللہ تعالیٰ قدم قدم نبی اکرم ﷺ کو اس بھاری ذمہ داری کو اٹھانے کے قابل بنا رہے تھے جس کا بوجھ وہ اٹھانے جا رہے تھے۔اس لیے بچپن ہی سے آپ ﷺ کو ایسے ایسے امتحانات سے گذارا جا رہا تھا جن سے گزرنے کے بعد آپ ﷺ اُس ذہنی پختگی کو پہنچ سکیں جو اس منصب کے لیے مطلوب تھی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

مورخین نے بیان کیا ہے سردارِ قریش حضرت عبدالمطلب کی وفات اہل مکہ کے لیے کوئی معمولی واقعہ نہ تھا چنانچہ اُن کی موت سے سارے مکہ کا کاروبارِ زندگی معطل ہو کے رہ گیا تھا۔

برہان الدین حلبی نے لکھا ہے کہ:

مکے کے بازار بند تھے اور ہر شخص حضرت عبدالمطلب جیسے بڑے آدمی کی موت پہ نوحہ کناں تھا۔

جب حضرت عبدالمطلب کا جنازہ اٹھایا گیا تب اُن کا آٹھ سالہ پوتا آنحضرت محمد ﷺ بھی جنازے کے ساتھ تھا اور آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات جاری تھی۔حضرت عبدالمطلب کو حجون کے مقام پر اُن کے دادا قصی کے ساتھ دفن کیا گیا۔

❖❖❖

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگرچہ اللہ اپنے بندوں کی آزمائش کرتا ہے مگر سب سے زیادہ وہ اپنے نبیوں کو آزمائش میں مبتلا کرتا ہے چنانچہ ہم جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے والدین آپ ﷺ کے بچپن میں ہی رخصت ہو گئے تھے اس سے بڑی آزمائش کیا ہو سکتی ہے۔

32 قبل نبوت، 44 قبل ہجرت، 579ء

حضرت ابو طالب کے سائے میں

حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد نبی اکرم ﷺ اپنے چچا حضرت ابو طالب کی کفالت میں آ گئے۔حضرت ابو طالب نبی اکرم ﷺ کے والد حضرت عبداللہ کے سگے بھائی تھے۔اس لیے اپنی وفات سے قبل حضرت عبدالمطلب نے ابو طالب کو آنحضرت محمد ﷺ کا خیال رکھنے کی وصیت کی تھی۔ چنانچہ حضرت ابو طالب نے آنحضرت محمد ﷺ کو سینے سے لگایا اور آپ ﷺ کی دلجوئی کی۔ حضرت زبیرؓ بھی آپ ﷺ کی تربیت وکفالت میں حضرت ابوطالب کے ساتھ شامل تھے۔حضرت ابوطالب کا اصل نام عبدمناف تھا آپ کے چار بیٹے تھے جن میں حضرت جعفرؓ حضرت علیؓ حضرت عقیلؓ اور طالب شامل ہیں ۔طالب آپ کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔جن کی وجہ سے آپ کی کنیت ابو طالب تھی اور آپ کی کنیت اتنی معروف تھی کہ لوگ آپ کو ابوطالب کے نام سے ہی جانتے ہیں۔حضرت ابوطالب اور رسول اللہ ﷺ کے والد حضرت عبداللہ کی والدہ ایک ہی تھیں جن کا نام فاطمہ بنت عمرو بن عائذ مخزومی تھا۔چنانچہ وہ سگے بھائی تھے۔اسی لیے حضرت عبدالمطلب نے اپنی وفات کے وقت آنحضرت محمد ﷺ کا ہاتھ حضرت ابو

طالب کے ہاتھ میں دیا تھا۔

حضرت ابوطالب اہل قریش کے اُن لوگوں میں شامل تھے جنھوں نے عہد جاہلیت میں ہی شراب کو خود پہ حرام کر رکھا تھا۔حضرت ابوطالب قریش کے سردار تھے اور عرب کے صاحبِ عزت افراد میں شمار کیے جاتے تھے۔

مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت ابوطالب نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ محبت کرتے تھے وہ اُن کو اپنے ساتھ سلاتے اور جہاں کہیں جاتے اُن کو اپنے ساتھ لے جاتے تا کہ اُن کی توجہ اُس دکھ سے ہٹی رہے جو والدین کی وفات کی صورت اُن کو درپیش تھا۔اللہ تعالیٰ نے اگرچہ حضرت ابوطالب کو ایک فراخ دل عطا فرمایا تھا مگر اُن کی مالی حالت کچھ زیادہ اچھی نہ تھی۔

حضرت ابوطالب آنحضرت محمد ﷺ کو وہ کھانا کھلاتے جو بہترین ہوتا۔

جب نبی اکرم ﷺ صبح سویرے اٹھتے تو تروتازہ ہوتے اور اکثر آپ ﷺ ناشتے کی بجائے آبِ زم زم سے ہی سیر ہو جاتے۔

حضرت ابوطالب نے بیان کیا ہے:

جب سے نبی اکرم ﷺ اُن کے گھر اترے ہیں اللہ تعالیٰ نے اِن کو برکت عطا فرمائی ہے۔چنانچہ انھوں نے محسوس کیا کہ اگر اُن کے بیٹے اکیلے دسترخوان پہ بیٹھتے ہیں تو سیری سے پہلے ہی کھانا ختم ہو جاتا اور اگر نبی ﷺ بھی دسترخوان پہ موجود ہوتے تب وہ سب خوب پیٹ بھر کے کھانا کھاتے تب بھی کھانا بچ رہتا اور اگر دودھ ہوتا تو پہلے لکڑی کے ایک پیالے میں آنحضرت محمد ﷺ پیتے اُس کے بعد اُن کے بیٹے پیتے پھر بھی پیالے میں دودھ بچ رہتا۔

اس کے بعد معمول ہو گیا کہ جب دسترخوان لگایا جاتا تو حضرت ابوطالب اپنے بیٹوں سے کہتے کہ ابھی دسترخوان پہ مت بیٹھنا میرے بیٹے محمد ﷺ کو آ لینے دو۔چنانچہ آنحضرت محمد ﷺ تشریف لاتے تب وہ لوگ مل کر کھانا کھاتے اور اللہ تعالیٰ دستِ غیب سے اس کھانے میں برکت ڈال دیتا۔

اُم ایمن جو رسول اللہ ﷺ کی باندی تھیں بیان کرتی ہیں کہ!

جب رسول اللہ ﷺ صبح کو اٹھتے تب نہ اُن کے بال بکھرے ہوئے ہوتے نہ اُن پہ کسل مندی سوار ہوتی بلکہ وہ یوں تروتازہ اٹھتے کہ لگتا اُن کی آنکھوں میں سرمہ بھی لگا دیا گیا ہے۔

اُم ایمن مزید کہتی ہیں کہ!

میں نے برسوں رسول اللہ ﷺ کا خیال رکھا ہے اور وہ بھی مجھے اپنی ماں ہی جانتے مگر میں نے کبھی اُن کو عام بچوں کی طرح بھوک کی شکایت کرتے نہیں دیکھا۔ صحن حرم میں حضرت ابوطالب کے لیے ایک بستر تکیے سمیت پڑا رہتا اور کوئی اس پہ لیٹنے کی جرأت نہ کرتا۔ ایک دفعہ حضرت ابوطالب وہاں تشریف لائے تو انھوں نے دیکھا کہ آنحضرت محمد ﷺ اُن کا بستر بچھائے لیٹے ہیں تب آپ بہت خوش ہوئے اور کہا میرا بیٹا تو بطحاء کی شان ہے شرف بطحاء ہے اور اُن کو اپنے بلند مرتبے کا پورا احساس ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اُن کی چچی یعنی حضرت ابوطالب کی بیوی بھی اُن سے بہت محبت کرتی تھیں اور ہر طرح سے اُن کا خیال رکھتی تھی وہ اپنے بیٹوں پہ نبی اکرم ﷺ کو ترجیح دیتی تھیں۔

بہت سے مورخین نے اس واقعے کا بھی تذکرہ کیا ہے جس میں حضرت ابوطالب نے نبی اکرم ﷺ کے واسطے سے دعا مانگی اور اللہ تعالیٰ نے اہل عرب کی خشک سالی دور کردی۔

علامہ برہان الدین حلبی نے لکھا ہے کہ!

جہلمہ ابن عرفلہ نے بیان کیا کہ میں قحط کے زمانے میں مکہ آیا جب قریش خشک سالی اور سخت قحط کا شکار تھے وہ بہت پریشانی اور مصیبت کے دن تھے۔

تب کچھ لوگوں نے کہا:

لات وعزیٰ پہ بھروسہ کرو۔

کچھ لوگوں نے کہا:

تیسرے بڑے بت یعنی مناۃ سے دُعا کرو۔

تب اُس محفل سے ایک باوقار شخص اٹھا اور اُس نے کہا:

تم لوگ حق اور سچائی سے بھاگ رہے ہو اور اُن سہاروں پہ تکیہ کیے ہوئے ہو جن سے تمہیں کچھ حاصل ہونے والا نہیں۔

لوگوں نے کہا:

کھل کے بات کرو ہم تمہارا مطلب نہیں سمجھ سکے۔

اس شخص نے کہا!

میرا مطلب یہ ہے کہ جب تم میں ابراہیم علیہ السلام کی نشانی اور اسماعیلؑ کی اولاد موجود ہے تو تم اُن سے دعا کرانے کے بجائے اِن کھوکھلے سہاروں کی طرف کیوں بھاگتے ہو۔

لوگوں نے کہا! شاید تمھاری مراد ابوطالب سے ہے۔

اس شخص نے جواب دیا۔ ہاں! میرا یہی مطلب ہے۔

چنانچہ لوگ اٹھے اور ابوطالب کے گھر کی طرف چلے وہاں پہنچ کر انھوں نے حضرت ابوطالب کو آواز دی۔

تھوڑی دیر بعد سفید چمکتے ہوئے تہد میں ایک خوبصورت شخص باہر آیا۔

لوگ اِن کی طرف بڑھے اور اُن سے کہا اے ابوطالب۔

وادئ میں قحط پڑ رہا ہے جانوروں کے بعد اب بچے بھی بھوک سے مرنے لگے ہیں۔ ہم تمھارے پاس آئے ہیں کہ تم لوگ خالص حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے ہو اور حضرت ابراہیمؑ کے دین پہ ہو اس لیے ہمارے ساتھ نکلو اور بارش کے لیے دُعا کرو۔

چنانچہ ابوطالب باہر آئے اُن کے ساتھ اُن کے بیٹے بھی ساتھ تھے مگر جس لڑکے کا ہاتھ حضرت ابو طالب کے ہاتھ میں تھا وہ ایسے لگتا تھا جیسے اندھیرے میں اچانک چاند نکل آیا ہو۔ اور وہ محمد ﷺ تھے۔

چنانچہ وہ سب لوگ بیت اللہ شریف آئے اور حضرت ابوطالب نے بیت اللہ کا طواف کیا پھر کعبہ سے اپنی پشت لگائی اور دُعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اِس دوران انھوں نے آنحضرت محمد ﷺ کا ہاتھ بدستور تھامے رکھا تھا اور جب دُعا کا وقت آیا تب بھی انھوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا میرے ساتھ ہاتھ اٹھایئے۔

چنانچہ آنحضرت محمد ﷺ نے اپنے چچا کے ساتھ بارش کے لیے ہاتھ اٹھائے اور لوگوں نے کہا کہ اس سے قبل کہ ہم اپنے گھروں کو پہنچتے بادل اُمڈ اُمڈ کر آئے اور خوب کھل کے برسے حتیٰ کہ ہر طرف جل تھل ہو گیا اور اتنی بارش ہوئی کہ وادئ پانی سے بھر گئی شہر اور جنگل سیراب ہو گئے۔

اسی واقعے کا تذکرہ حضرت ابوطالب نے اپنے اشعار میں بھی کیا ہے۔

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ
ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

بادل ان ہی کے چہرے سے پانی حاصل کرتے ہیں جو یتیموں کا ٹھکانہ اور غریبوں اور مسکینوں کا سہارا ہیں [35*]۔"

✿✿✿✿✿✿✿✿

مورخین نے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں لکھا کہ!

آپ ﷺ نے اپنی زندگی کے چالیس سال مکہ مکرمہ میں گذارے جو کہ ایک بت پرست معاشرہ تھا مگر آپ ﷺ نے کبھی بتوں کی پوجا نہ کی بلکہ اس کے برعکس آپ ﷺ بتوں سے نفرت اور بے زاری کا اظہار کرتے تھے۔ایک دفعہ جب آپ ﷺ حضرت ابو طالب کے ہاں مقیم تھے تب آپ ﷺ کی پھوپھیاں آپ ﷺ کو زبردستی مکہ کے قریب بوانہ نامی ایک بت کے تہوار پہ لے گئیں جہاں کھجوروں کے جھنڈ میں کچھ درختوں کو مقدس خیال کیا جاتا تھا لوگ اپنے بچوں سمیت وہاں آیا کرتے۔وہاں جانور قربان کرتے اور اپنی حاجات اِن درختوں کے جھنڈ کو پیش کرتے اپنے سر کے بال منڈواتے اور اپنے بچوں کے لیے دعائیں مانگتے۔اہل قریش بھی اس تہوار میں شامل ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک بار جب حضرت ابو طالب اپنے بچوں کے ساتھ وہاں جا رہے تھے تب آپ ﷺ کے انکار کے باوجود آپ ﷺ کی پھوپھیاں آپ کو ساتھ لے گئیں اور حضرت ابو طالب کی بھی یہی خواہش تھی۔

چنانچہ جب آپ ﷺ نے اپنے مشفق چچا کے چہرے پہ ناراضگی کے آثار دیکھے تو بادل نخواستہ اُن کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئے۔

جب سب لوگ وہاں پہنچے تو گہما گہمی میں ہر کوئی مصروف ہو گیا تھوڑی دیر بعد حضرت ابو طالب کی بہنوں کو احساس ہوا کہ محمد ﷺ کہیں نظر نہیں آ رہے۔وہ پریشان ہو گئے۔انھوں نے آپ ﷺ کو

تلاش کرنا شروع کر دیا۔کافی دیر تلاش کرنے کے بعد بھی آپ ﷺ اُن کو نہ ملے۔

پھر آپ ﷺ خود ہی تشریف لے آئے۔تاہم آپ کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔آپ ﷺ کو اس حالت میں دیکھ کر حضرت ابو طالب اور اُن کے گھر والے پریشان ہو گئے۔

انھوں نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ آپ ﷺ کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا ہے۔

آپ ﷺ نے اُن کو بتایا کہ میں اُس بت خانے کے اندر داخل ہونا چاہتا تھا کہ ایک لمبے تڑنگے شخص نے مجھے سختی سے جھڑک دیا اور کہا اے محمد۔(ﷺ)

یہاں سے دور ہٹ جاؤ اور کسی چیز کو مت چھونا۔

اور ام ایمن نے کہا![*36]

اس کے بعد آپ ﷺ کبھی اُس تہوار میں شریک نہ ہوئے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے سر پہ نبوت کا تاج سجایا۔

اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی سے آپ ﷺ کو جہالت کے اُن امور سے محفوظ رکھا جن میں اہل عرب مبتلا تھے۔

اگرچہ کعبۃ اللہ میں تین سو ساٹھ بت سجے تھے اور آپ ﷺ بیت اللہ کے طواف کے لیے بھی جاتے رہتے تھے مگر آپ ﷺ نے کبھی کسی بت میں دلچسپی نہ لی اور نہ کبھی اُن سے مناجات کی بلکہ آپ ﷺ کی اِن بتوں سے بیزاری کا احوال اکثر لوگوں نے بیان کیا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ بچپن ہی سے بتوں سے نفرت کرتے تھے اور آپ ﷺ نے نبوت سے قبل ہی بت پرستی کی برائی شروع کر دی تھی۔

زید بن حارثہ نے بیان کیا ہے کہ ایک بار میں حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ طواف کر رہا تھا کہ دورانِ طواف میں نے حجر اسود کے پاس کھڑے ایک بت کو چھونا چاہا تو نبی اکرم ﷺ نے بلند آواز سے مجھے منع کر دیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا خبردار اس کے قریب بھی مت جانا اور نہ اس کو چھونا۔

کیونکہ مشرکین طواف کے دوران اس بت کو چھوا کرتے تھے۔

حضرت ابو طالب نے نبی اکرم ﷺ کے متعلق بیان کیا ہے کہ؛

ابن اسحاق نے کہا مجھ سے یحیٰی بن عباد بن عبداللہ بن زبیر نے بیان کہ کہ مجھ سے میرے باپ نے کہا کہ بنولہب کا ایک قیافہ شناس مکہ میں آیا کرتا تھا اور لہب بنواز دشنوۃ کا ایک خاندان تھا اور اُن کا قبیلہ ازد تھا۔ ایک اور سیرت نگار نے لکھا ہے کہ اُس قیافہ شناس کا نام لہب بن احجن بن کعب تھا۔ اُن کا قبیلہ قیافہ شناسی میں بڑی شہرت رکھتا تھا اور وہ شخص بھی تو خاندان لہبی سے ہی تھا جس نے حضرت عمرؓ کے متعلق قیافہ شناسی کی تھی یعنی جب حضرت عمر حج کر رہے تھے تو اُن کے سر پہ ایک سنگ ریزہ آ کے لگا تو لہبی خاندان کے ایک شخص نے کہا یہ عمر کا آخری حج ہے اور ایسا ہی ہوا کہ اگلا حج آنے سے پہلے ہی حضرت عمر کو شہید کر دیا گیا۔

چنانچہ بنولہب کا ایک قیافہ شناس جب مکہ میں آیا تو حضرت ابو طالب آنحضرت محمد ﷺ کو لے کر اس کے پاس پہنچے اور اس وقت اس کے پاس بہت ہجوم تھا اس نے آنحضرت محمد ﷺ کو دیکھا اور کہا:

میں اِن کے متعلق تھوڑی دیر میں بتاؤں گا پھر وہ دوسرے بچوں کے ساتھ مشغول ہو گیا اور جب فارغ ہوا تو کہا:

وہ بچہ کہاں ہے، وہ بچہ کہاں ہے؟

لوگوں نے پوچھا کونسا بچہ!

اس نے کہا!

ابھی جو یہاں کھڑا تھا اور جسے میں نے انتظار کے لیے کہا تھا۔

حضرت ابو طالب فرماتے ہیں کہ آنحضرت محمد ﷺ کے متعلق اس کی شدید حرص دیکھ کر میں نے آنحضرت محمد ﷺ کو وہاں سے ہٹا دیا تھا۔

وہ چیختا ہوا لوگوں سے کہتا رہا۔

تم پہ ہلاکت ہو لوگو!

مجھے بتاؤ وہ بچہ کدھر گیا ہے؟

خدا کی قسم اس کی بڑی شان ہوگی۔

اوائل عمری کے شب و روز

رحمت عالم ﷺ فرمایا کرتے کہ جب میں کسی ایسے کام کا ارادہ کرتا جو میرے منصب کے شایانِ شان نہ ہوتا تو دستِ غیب مجھے اس سے باز رکھتا۔ چونکہ آپ ﷺ کے سر پہ نبوت ورسالت کا تاج سجنے والا تھا اس لیے یہ امر یقینی ہے کہ آپ ﷺ کے بچپن اور اوائل عمری کے شب و روز عام بچوں اور نوجوانوں سے قدرے مختلف ہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ جاہلیت کی تمام باتوں اور گندگی سے دور رہے۔ مورخین اس بات پہ متفق ہیں اور بے شمار روایات بھی اس امر کی پشت پر ہیں کہ!

- نبی اکرم ﷺ نے کبھی شراب نہ پی تھی۔
- نبی اکرم ﷺ نے کبھی جھوٹ نہ بولا تھا۔
- نبی اکرم ﷺ نے کبھی کسی کو دھوکہ نہ دیا تھا۔
- نبی اکرم ﷺ نے کبھی کسی کا دل نہ دکھایا تھا۔
- نبی اکرم ﷺ نے کبھی بتوں کی پوجا نہ کی تھی۔

- نبی اکرم ﷺ نے کبھی بڑوں کی نافرمانی نہ کی تھی۔
- نبی اکرم ﷺ نے کبھی راستوں میں فضول نہ بیٹھنا پسند نہ کیا تھا۔
- نبی اکرم ﷺ نے کبھی دوستوں کا حق نہ کھایا تھا۔
- نبی اکرم ﷺ نے کبھی لغو محفلوں میں شرکت نہ کی تھی۔
- نبی اکرم ﷺ نے کبھی شعر نہ کہا تھا۔
- کبھی اپنی بڑائی بیان نہ کی تھی۔
- نبی اکرم ﷺ نے کبھی شرک نہ کیا تھا۔
- نبی اکرم ﷺ نے کبھی جاہلیت کی باتیں نہ کی تھیں۔
- نبی اکرم ﷺ نے کبھی فال نہ لی تھی۔
- نبی اکرم ﷺ نے کبھی برہنہ نہ ہونا پسند نہ کیا تھا۔
- نبی اکرم ﷺ نے کبھی بتوں کو ہاتھ نہ لگایا تھا۔
- نبی اکرم ﷺ نے کبھی گانا نہ سنا تھا۔
- نبی اکرم ﷺ نے کبھی کسی کی غیبت نہ کی تھی۔

اور یہ تمام امور عرب میں مروّج تھے اس لیے اسے اللہ تعالیٰ کی غیبی حفاظت ہی کہا جا سکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہمیشہ اِن سے دور رہے۔

یاد رہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جن امور سے محفوظ رکھا انھی امور کو شریعت محمدی ﷺ میں حرام قرار دیا گیا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو آپ ﷺ کا اعزاز مقصود تھا اس لیے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے نتیجے میں آپ ﷺ اپنی قوم کے بہترین فرد تھے۔

- آپ ﷺ عادات و اخلاق میں سب سے اعلیٰ تھے۔
- آپ ﷺ امانت و دیانت میں سب سے بڑھ کے تھے۔

- آپ ﷺ بے حد ایمان دار اور سچے تھے۔
- آپ ﷺ اعلیٰ پڑوسی اور بہترین دوست تھے۔
- آپ ﷺ پرعزم و پرجوش تھے۔
- آپ ﷺ سب سے محبت کرتے تھے۔
- آپ ﷺ سب سے خوبصورت تھے۔
- آپ ﷺ حسب ونسب میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔
- آپ ﷺ سخاوت میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔
- آپ ﷺ شرافت میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔
- آپ ﷺ حلم میں سے آگے تھے۔
- آپ ﷺ دانش میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔
- آپ ﷺ شجاعت میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔
- آپ ﷺ صبر وشکر کرنے والے تھے۔
- آپ ﷺ نرم مزاج اور نرم خو تھے۔
- آپ ﷺ انصاف پسند اور عادل تھے۔
- آپ ﷺ تواضع وانکساری میں سب سے آگے تھے۔
- آپ ﷺ زہد وتقویٰ میں سب سے منفرد تھے۔
- آپ ﷺ پاک دامن اور حیا والے تھے۔
- آپ ﷺ میں مروت اور رواداری پائی جاتی تھی۔
- آپ ﷺ قرابت داروں کا حق ادا کرنے والے تھے۔
- آپ ﷺ لوگوں کو معاف کر دینے والے تھے۔
- آپ ﷺ صفائی پسند تھے۔
- آپ ﷺ خوشبو لگانا پسند فرماتے تھے۔
- آپ ﷺ لوگوں کو تحائف دینے کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

- آپ ﷺ انسانوں کے علاوہ جانوروں پر بھی شفقت فرماتے تھے۔
- آپ ﷺ کا شمار معاشرے کے اہم لوگوں میں کیا جاتا تھا۔
- آپ ﷺ ایک کامیاب تاجر تھے جن پہ لوگوں کو اعتماد تھا۔
- آپ ﷺ نبوت سے پہلے بھی لوگوں کو بھلائی کی بات ہی کہتے تھے۔
- آپ ﷺ کا چہرہ ایسا تھا کہ لوگ دیکھتے ہی مرعوب ہو جاتے۔
- آپ ﷺ لوگوں کو عزت دیتے اُن کی تکریم کرتے۔
- آپ ﷺ کی عادات کی وجہ سے ہر کوئی آپ ﷺ سے محبت کرتا۔

اور یہی وہ بے شمار خوبیاں تھیں جن کی وجہ سے آپ ﷺ کو قریش نے قبل از نبوت ''امین'' کا خطاب دیا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

ابن اسحاقؒ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی حفاظت یوں فرمائی ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ!

ایک مرتبہ بچپن میں مَیں کچھ قریشی لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا جس میں ہم پتھر ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ لے جا رہے تھے۔ چنانچہ کئی لڑکوں نے اپنے تہبند کمر سے اتار کر کندھوں پہ رکھ لیے تھے۔میں نے بھی اُن کی پیروی میں اپنا تہبند اتار لیا اور اسے اپنے کندھے پہ رکھ لیا۔

تب میں نے ایک آدمی کو دیکھا جو بہت ہی بڑا تھا۔

یعنی وہ فرشتہ تھا اور میرے برہنہ ہونے کی بنا پہ نالاں تھا اس نے مجھے ایک زور کا ہاتھ مارا اور پھر مجھ سے کہا! اپنا تہبند باندھ لو۔

میں نے اپنا تہبند باندھ لیا اور اس کے بعد میں نے کبھی اُس شخص کو نہ دیکھا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

ابن اسحاق ہی نے ایک اور روایت بھی لی ہے جسے ہم نے دلائل ابونعیم سے درج کیا ہے کہ!

ایک بار جب حضرت ابوطالب زم زم کے کنویں کی مرمت کر رہے تھے۔تب نبی اکرم ﷺ کم سن ہی تھے وہ اپنے چچا کی مدد کر رہے تھے اور انھیں پتھر لا کر دے رہے تھے۔اسی دوران ایک بڑا پتھر اٹھانے کے لیے آپ ﷺ نے اپنا تہبند اتار کر اپنے کندھے پہ رکھ لیا تاکہ پتھر کی رگڑ سے محفوظ رہیں کہ آپ ﷺ اچانک ہی بے ہوش ہو گئے۔حضرت ابوطالب آپ ﷺ کی طرف دوڑے اور آپ ﷺ کو پانی پلایا۔جب آپ ﷺ کو ہوش آیا تو حضرت ابوطالب نے اُن سے پوچھا آپ ﷺ کو کیا ہوا تھا؟

آپ ﷺ نے فرمایا!

ایک شخص تھا جس نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے اس نے کہا!

اپنا ستر ڈھک لیں۔

میں اُس سے ڈر گیا تھا اس لیے بے ہوش ہو گیا تھا۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے ستر کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

کتاب خصائص الصغریٰ میں ہے کہ؛

آنحضرت محمد ﷺ کو برہنگی اور پوشیدہ حصے کھولنے سے نبوت سے پانچ سال پہلے ہی روک دیا گیا تھا۔یعنی اگرچہ بچپن میں آنحضرت محمد ﷺ نے خود کو فطری شرم و حیا اور ادب کی بنا پہ بدن کے پوشیدہ حصوں کو کھولنے پہ تنبیہ کی گئی تھی۔تاہم نبوت سے پہلے حق تعالیٰ کی طرف سے اس ضمن میں آپ ﷺ کو واضح ہدایات سے نواز دیا تھا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

جاہلیت کی برائیوں سے آپ ﷺ کی حفاظت کے ضمن میں حضرت علیؓ نے روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا؛

جاہلیت کے زمانے میں عرب جن برائیوں میں پڑے تھے اِن کا میں نے ساری عمر صرف دو مرتبہ

ارادہ کیا۔مگر دونوں مرتبہ اللہ جل شانہٗ نے میری حفاظت فرمائی۔یعنی اُن پہ عمل کرنے سے پہلے حق تعالیٰ سبحانہٗ نے آپ ﷺ کو اِن برائیوں سے بچالیا تھا۔

پہلی بار اُس وقت جب میں ایک قریشی لڑکے کے ساتھ مکہ کے بالائی حصے میں بکریاں چرا رہا تھا۔تب میں نے اُس لڑکے سے کہا؛

آج رات تم میری بکریوں کی حفاظت کرنا تاکہ آج میں بھی مکہ کی قصہ گوئی کی کسی مجلس میں شامل ہو سکوں۔

اس نے کہا!ٹھیک ہے آپ ﷺ جائیں میں آپ کی بکریوں کی حفاظت کروں گا۔چنانچہ میں مکہ کی طرف روانہ ہوا۔

جب میں مکے کے مکانوں میں سے ایک مکان کے قریب پہنچا تو مجھے گانے اور گاجے باجے کی آواز سنائی دی۔

میں نے کسی سے پوچھا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے؟

مجھے بتایا گیا کہ قریش کے فلاں آدمی کی فلاں عورت کے ساتھ شادی ہو رہی ہے۔میں اُس آواز کی طرف متوجہ ہو گیا جو اس گھر سے آ رہی تھی اور اس مجلس کو بھول گیا جس کے لیے میں مکہ میں اترا تھا۔ پھر میری آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگیں اور میں گہری نیند سو گیا۔اس کے بعد میری آنکھ اگلی صبح اس وقت کھلی جب سورج کی روشنی میری آنکھوں کو چبھ رہی تھی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

ایک جگہ یوں بھی لکھا ہے کہ میں شادی والے گھر کے پاس ہی بیٹھ گیا پھر اللہ تعالیٰ نے میری آنکھیں بند کر دیں اور میں بے خبر وہیں سو گیا پھر اگلی صبح جب سورج کافی نکل آیا تھا تب میری آنکھ کھلی۔

میں واپس اُس جگہ کی طرف چل دیا جہاں میری بکریاں تھیں۔

میرے ساتھی نے مجھ سے پوچھا؟ سناؤ کیا رہا۔

تو میں نے اسے بتایا کہ میں تو وہاں پہنچا ہی نہیں راستے میں ہی مجھے نیند نے آلیا تھا اور میں بے خبر سو گیا، یہ سن کر میرا ساتھی مسکرا دیا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

امام بخاری نے اپنی صحیح میں جو روایت درج کی ہے اس میں اتنا اضافہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا؛
کہ اس سے اگلی رات بھی میں نے اپنے ساتھی سے کہا تم آج رات پھر میری بکریوں کی حفاظت کرنا آج میں اُس محفل میں ضرور شرکت کروں گا۔اور اگلی رات بھی آپ ﷺ کے ساتھ وہی واقعہ پیش آیا کہ آپ ﷺ کو راستے میں نیند نے آلیا اور آپ ﷺ بے خبر سو رہے۔اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جاہلیت کی اُن باتوں سے محفوظ رکھا جو پسندیدہ نہ تھیں[37*] ۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

اور حضرت اُمّ ایمن نے روایت فرمائی ہے کہ؛
قریش کا ایک بت تھا جس کا نام بوانہ تھا قریش ہر سال اس کے پاس حاضری دیا کرتے تھے اور اس کی بے حد عزت و تعظیم کرتے تھے بوانہ کے پاس لوگ قربانی کے جانور ذبح کرتے، سر منڈاتے اور سارا دن وہیں قیام کرتے۔
چنانچہ حضرت ابو طالب بھی اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ اس بت کے پاس حاضری دیا کرتے تھے اور قریش ہر سال اس جگہ جمع ہوا کرتے تھے پچھلے کئی سال سے آنحضرت محمد ﷺ اپنے چچا حضرت ابو طالب ہی کے سایہ عاطفت میں زندگی بسر کر رہے تھے اور ہر سال جب بوانہ کا سالانہ تہوار آتا تو نبی اکرم ﷺ کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے اپنے گھر والوں کے ساتھ نہ جاتے۔
اُمّ ایمن کہتی ہیں کہ اب کی بار جب بوانہ کا تہوار آیا تب بھی آپ ﷺ نے ہمیشہ کی طرح وہاں جانے سے انکار کر دیا۔اور اس مرتبہ آنحضرت محمد ﷺ کے انکار سے حضرت ابو طالب کو بہت غصہ آیا اور آپ ﷺ کی پھوپھیاں بھی نالاں تھیں۔
انھوں نے آپ ﷺ سے کہا!
تم جو ہمارے معبودوں سے اس طرح بچتے اور پرہیز کرتے ہو تو ہمیں تمھاری طرف سے ڈر ہو گیا ہے۔

پھر وہ کہتیں محمد ﷺ تم نہیں چاہتے کہ اپنی قوم کی عید میں شامل ہوں۔ اپنا دل بہلائیں اور اُس رونق کا حصہ بنیں جو وہاں موجود ہوگی۔ چنانچہ جب سب نے آپ ﷺ سے ناراضگی کا اظہار کیا تب آپ ﷺ اُن کے ہمراہ ہو گئے۔ وہاں جتنی دیر اللہ نے چاہا آپ ﷺ غائب رہے پھر جب ظاہر ہوئے تو آپ ﷺ کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔

آپ ﷺ کے گھر والے آپ ﷺ کو اس حالت میں دیکھ کر پریشان ہو گئے اور انھوں نے آپ ﷺ سے اِس کی وجہ دریافت کی؟

آپ ﷺ نے اُن کو بتایا کہ میں جب بھی اس عبادت گاہ میں داخل ہونے کی کوشش کرتا تب ایک بڑے قد والا آدمی میرے سامنے آجاتا اور مجھے جھڑک دیتا وہ شاید فرشتوں میں سے تھا۔

وہ مجھ سے کہتا، اے محمد (ﷺ) یہاں سے دور رہو۔

محمد (ﷺ) پیچھے ہٹ جاؤ یہاں کی کسی چیز کو مت چھونا۔

تو میں اس سے بہت ڈر گیا تھا۔

اور آپ ﷺ نے یہ بھی کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ مجھ پہ بھوت پریت کا سایہ نہ ہو گیا ہو۔

تب آپ ﷺ کی پھوپھیوں نے کہا!

اللہ عزوجل تمہیں شیطان کے اثر سے محفوظ رکھے گا کیونکہ تم میں بہت سی نیک خصلتیں پائی جاتی ہیں۔

پھر ہم وہاں سے واپس پلٹ آئے۔

اور اُمّ ایمن نے کہا؛

خدا کی قسم اس کے بعد آپ ﷺ کبھی بوانہ کے تہوار پہ حاضر نہ ہوئے اور نہ ہی اس کے بعد آپ ﷺ کے گھر والوں نے کبھی اس بات کی ضد کی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

صاحبِ البدایہ والنہایہ یعنی امام ابن کثیر نے حضرت زید بن حارثہؓ کے حوالے سے درج کیا ہے کہ

بیت اللہ شریف میں تانبے کے دو بت رکھے تھے جن کے نام اساف اور نائلہ تھے۔ جب قریش حرم کا طواف کرتے تو حصول برکت کے لیے اُن بتوں کو چھوا کرتے۔ ایک بار جب میں آنحضرت محمد ﷺ کے ساتھ بیت اللہ میں موجود تھا اور ہم طواف میں مصروف تھے تب میں جب اُن بتوں کے قریب سے گزرا تو میں نے چاہا کہ میں انھیں چھولوں مگر آپ ﷺ نے فوراً مجھے روکا اور کہا زید اِن بتوں کو ہاتھ مت لگانا۔

زید کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہم پھر طواف میں مصروف ہو گئے میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اگلے چکر میں مَیں ضرور اِن بتوں کو چھوؤں گا کہ دیکھوں تو سہی کہ کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ اگلے بار جب میں پھر اِن بتوں کے قریب ہوا تو آنحضرت محمد ﷺ نے مجھے دور سے پکارا۔ میں نے تمھیں اس امر سے منع نہیں کیا۔

اور میں رُک گیا۔

اس کے بعد زید کہتے ہیں کہ مجھے قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے آنحضرت محمد ﷺ نے کبھی اُن بتوں کو نہ چھوا تھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وہ عزت عطا فرمائی جس کا فیصلہ وہ پہلے ہی کر چکا تھا۔ اس نے آپ ﷺ پہ اپنی کتاب نازل فرمائی اور آپ ﷺ کو بلند مرتبہ عطا فرمایا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

حضرت عائشہؓ سے امام بخاری نے روایت لی ہے کہ؛

آپ ﷺ کسی محفل میں موجود تھے جہاں زید بن عمرو بن نفیل بھی موجود تھے وہاں جب کھانا پیش کیا گیا تو وہ بکری کا وہ گوشت تھا جو بتوں کے نام پہ ذبح کی گئی تھی۔ آنحضرت محمد ﷺ کو اس امر کا علم نہ تھا اس کے باوجود جب کھانا آپ ﷺ کے سامنے آیا تو آپ ﷺ نے کھانے کے لیے ہاتھ نہ بڑھایا کہ آپ ﷺ کو خبر کر دی گئی تھی کہ یہ کھانا درست نہیں ہے مگر جب یہی کھانا زید بن عمرو بن نفیل کے سامنے پیش کیا گیا تو انھوں نے بھی اسے کھانے سے انکار کر دیا اور ساتھ ہی وجہ بھی بیان کی کہ بکری کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے پھر آسمان سے بارش برسائی تاکہ بکری کو گھاس ملے اور ایک تم

ہو کہ اللہ کے بجائے بکری کو اپنے بتوں کے نام پہ ذبح کرتے ہو۔زید بن عمرو اہل فترت میں سے تھے اور دین ابراہیم پہ قائم تھے وہ خود کو اُن برائیوں سے دور رکھتے جو اہل قریش میں جہالت کی وجہ سے جڑ پکڑ گئی تھیں وہ قریش کے اُن چار افراد میں شامل تھے جنھوں نے خود کو اپنی قوم سے الگ کر لیا تھا۔زید قریش کو اُن کی برائیوں سے روکا کرتے اور بت پرستی کے خلاف لوگوں کو ابھارا کرتے نبی اکرم ﷺ نے آپ کے بارے میں فرمایا ہے کہ قیامت کے روز زید اکیلا ایک امت کے طور پہ اٹھے گا۔زید کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ جب لوگ اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کرنے لگے تو جس گھر میں بھی بیٹی جنم لیتی وہ اس گھر پہنچ جاتے اور لوگوں سے کہتے کہ اگر انھوں نے اپنی بیٹی کو دفن کرنا ہے تو اسے سونپ دیں وہ اسے پال لے گا اس طرح اُس نے تین سو کے قریب لڑکیوں کی جان بچائی تھی۔

زید بن عمرو بن نفیل کے متعلق تفصیلاً تذکرہ اسی کتاب میں جلد ششم "**ادیان العرب**" میں گزر چکا ہے زید کے متعلق مزید تفصیلات وہاں سے دیکھی جا سکتی ہیں۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

چنانچہ مورخین اور اہل سیر نے لکھا ہے کہ؛

آنحضرت محمد ﷺ کے حلق سے کبھی کوئی نوالہ نہ اترا تھا جس میں اللہ کی منشا شامل نہ ہو یعنی کہ وہ حلال نہ ہو۔

حضرت علیؓ نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے زمانہ جاہلیت میں بھی بت پرستی کی نہ شراب پی۔

جب آپ ﷺ کو پوچھا گیا کہ آپ ﷺ نے کبھی شراب پی ہے۔

تو آپ ﷺ نے جواب دیا! نہیں ! بلکہ میں تو ہمیشہ سے اس بات کو جانتا تھا کہ جس شخص نے شراب پینے کا ارادہ کیا اُس نے کفر کیا حالانکہ میں نہیں جانتا تھا کہ کتاب اللہ کیا ہے اور ایمان کیا ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

علامہ برہان الدین حلبیؒ نے لکھا ہے کہ!

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اخلاق کی حفاظت اس طرح بھی فرمائی کہ آنحضرت محمد ﷺ کا وقت بکریاں چرانے میں صرف ہوتا تھا۔چنانچہ عرب کے وسیع ریگزاروں میں جب آپ ﷺ بکریاں چراتے تو آپ ﷺ کے پاس اس کائنات اور خالق کائنات پہ غور کرنے کے لیے کافی وقت بچ جاتا تھا جس کی بنا پہ آپ ﷺ غور وتفکر کیا کرتے تھے۔اپنے لوگوں کے اعمال کا تجزیہ کیا کرتے تھے جس سے اُن کی لغویت آپ ﷺ پہ کھل گئی تھی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ؛

جس نبی کو بھی اللہ پاک نے ظاہر کیا ہے اُس نے بکریاں چرانے کا کام ضرور کیا ہے۔

صحابہؓ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ آپ نے بھی!

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں میں نے بھی میں مکے والوں کے لیے قراریط کے بدلے بکریاں چرایا کرتا تھا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

آپ ﷺ نے مزید فرمایا کہ؛

جب موسیٰ کو نبی بنایا گیا تب وہ بکریاں چراتے تھے پھر داؤد کو نبوت عطا کی گئی تو وہ بھی بکریاں چراتے تھے اور جب مجھے نبوت عطا کی گئی تب میں بھی اجیاد کے مقام پر بکریاں چرایا کرتا تھا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

علمائے سیرت نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں استعمال کیے گئے لفظ قراریط کے بارے میں اختلاف آیا ہے۔کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد سکے ہیں جب کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قراریط مکہ

کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے کہ ہم آنحضرت محمد ﷺ کے ساتھ تھے۔
اور ہم پیلو کے درخت سے پھل توڑ کے کھا رہے تھے۔
تب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ؛
پیلو کے پھل سے سیاہ پھل ہی توڑا کرو کیونکہ وہ زیادہ عمدہ ہوتا ہے۔
ہم نے عرض یارسول ﷺ آپ کیسے جانتے ہیں کہ سیاہ پھل ہی عمدہ ہوتا ہے۔
تو نبی اکرم ﷺ نے جواب دیا۔
میں یہ بات تب سے جانتا ہوں جب میں بکریاں چرایا کرتا تھا۔
ہم نے حیرت سے پوچھا؟
یارسول اللہ ﷺ آپ نے بکریاں چرائی ہیں حالانکہ آپ اللہ کے محبوب رسول ہیں۔
نبی اکرم ﷺ نے فرمایا!
کوئی نبی ایسا نہیں جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے ایام میں نبی اکرم ﷺ کی اس طرح حفاظت کی کہ آپ ﷺ اُس عہد کی تمام برائیوں سے محفوظ رہے۔ دراصل یہ ایک کڑا اہتمام تھا کہ آپ ﷺ نے اپنی قوم کو نیکی اور راستی کی طرف بلانا تھا جس کے لیے ضروری تھا کہ خود آپ ﷺ کا دامن کسی آئینے کی طرح صاف ہو اور آپ ﷺ کی زندگی عربوں کے لیے ایک ایسا نمونہ تھی کہ باوجود اپنی ساری عداوت کے وہ آپ ﷺ کے دامن پہ کوئی ایسا دھبہ تلاش کرنے میں ناکام رہے جس کا وہ آپ ﷺ کو طعنہ دے سکیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ سورج کی طرح روشن، نور کی طرح اجلے، خوشبو کی طرح مہکے، قوس قزح کی طرح حسین، بہتے پانی کی طرح سخی، نخلستانوں کی طرح خنک، بیابانوں کی طرح سنجیدہ، چیتے کی طرح پھرتیلے، شیر کی

طرح بہادر، آسمان کی طرح بلند، دیوار کی طرح مضبوط، سمندر کی طرح گہرے متفکر، ساحل کی طرح پر امید، ابر کی طرح مہربان، زمین کی وسعتوں کی مانند فراغ دست، بادِ صبا کی طرح نرم خو، موسم بہار کی طرح خوش مزاج، پہاڑوں کی طرح مستحکم اور آسودہ، گلزاروں کی طرح خوش رو اور خوش گلو، صحراؤں کی طرح وسیع ظرف، ستاروں کی طرح چمکتے خیالات، سورج کی طرح روشن تعلیمات، ہواؤں کی طرح سبک خرام، گھنے درختوں کی طرح سایہ دار، گلوں کی طرح کھلے رنگوں کی بہار اور کسی مہکے چمن کی طرح حسین و پر بہار تھے۔

❖ ❖ ❖

30 قبل نبوت، 41 قبل ہجرت ، 581ء

سفر شام اور بحیرہ راہب

عرب تاجر پیشہ تھے خاص طور پہ شہری عرب، اور مکہ عرب شہروں کا سردار تھا۔شہر مکہ کے مکین اہل قریش تھے جو صدیوں سے تجارت سے وابستہ تھے۔ یہ بیان پہلے گزر چکا ہے کہ مکہ اور اس کے گردنواح میں اولادِ عبد مناف سے بڑا تاجر کوئی نہ تھا۔اُن کے چاروں بیٹوں کے تجارتی قافلے دور دراز کے ممالک تک سامان تجارت لاتے اور لے جاتے تھے۔شہر مکہ تو صدیوں سے عرب کی بہت اہم تجارتی منڈی تھا جس کی وجہ سے یہاں سے تجارتی قافلے روانہ بھی ہوتے رہتے تھے۔دور دراز کی مسافتوں کو طے کر کے تاجروں کے یہ قافلے شہر مکہ میں اترا بھی کرتے تھے۔اسی طرح کا ایک تجارتی قافلہ اُن دنوں بھی تیار ہوا جب نبی اکرم ﷺ حضرت ابو طالب کے ہاں مقیم تھے۔اس قافلے کے سردار حضرت ابو طالب تھے۔جب قافلہ روانہ ہونے کے لیے تیار ہوا تب آنحضرت محمد ﷺ نے اپنے چچا حضرت ابو طالب کے اونٹ کی مہار پکڑ لی اور ضد کی کہ وہ اِن کے ساتھ ہی جائیں گے۔حضرت ابو طالب خود آنحضرت محمد ﷺ سے جدا رہنا پسند نہ کرتے تھے اس کے باوجود وہ جانتے تھے کہ جس سفر پہ وہ نکلے ہیں وہ ایک طویل اور پر صعوبت

مسافت ہے جو ایک نو سالہ بچے کے لیے تکلیف دہ بھی ثابت ہو سکتی ہے۔

''بعض مورخین نے سفر شام پہ جاتے وقت آنحضرت محمد ﷺ کی عمر بارہ سال بھی لکھی ہے۔تاہم بہت سے اقوال اور روایات کی چھان بین سے ہم نے یہ جانا کہ نو سال کی عمر والا قول ہی زیادہ درست ہے اور بہت سے بلند پایہ مورخین نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ حضرت ابو طالب آپ ﷺ کو اپنے ہمراہ لے جانے کے خیال سے گریزاں تھے تاہم جب اُن کے پیارے بھتیجے آنحضرت محمد ﷺ نے اُن کے اونٹ کی نکیل پکڑ لی تب انھوں نے کہا:

دیکھا جائے گا۔

اور اپنے اونٹ کو نیچے بٹھا دیا تا کہ آپ ﷺ اُس پہ سوار ہو سکیں۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے چچا کے اونٹ کی نکیل پکڑی اور کہا!

مَسَكَ بِزِمَامِ نَاقَةِ اَبِیْ طَالِبٍ وَقَالَ یَا عَمِّ اِلٰی مَنْ تَکِلُفِیْ لَا اَبَ لِیْ وَلَا اُمّ۔

''حضور ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کے اونٹ کی مہار پکڑ لی اور فرمایا؛

اے میرے چچا؛

''مجھے کس کے سپرد کر کے جا رہے ہیں حالانکہ نہ میرا باپ زندہ ہے نہ ماں''۔

اگر چہ سفر شام سے قبل بھی مورخین نے چند ایسے سفروں کا تذکرہ کیا ہے جو آنحضرت محمد ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب یا دوسرے چچاؤں حارث یا زبیر کے ساتھ کیے تھے تاہم حقیقت یہی ہے سفر شام ہی آپ ﷺ کی زندگی کا سب سے بڑا اور اہم سفر تھا۔

چنانچہ آپ ﷺ اپنے چچا حضرت ابو طالب کے ساتھ سفر شام کے لیے روانہ ہو گئے۔عرب کے صحراؤں کا سفر خود اپنے اندر اتنے سبق اور اتنے شدائد رکھتا ہے کہ اُن کا ہر سفر یادگار بن جایا کرتا ۔چونکہ خود آنحضرت محمد ﷺ نے بھی آگے جا کر تجارت ہی کرنا تھی اس لیے اس سفر کو اُن کی عملی زندگی کا آغاز قرار دیا جا سکتا ہے۔یقینی بات ہے کہ اس سفر میں نبی اکرم ﷺ نے زندگی اور تجارت کے کئی سبق حاصل کیے ہوں گے۔صحرا کی وسعتیں تھیں اور قافلے کی رونق تھی،حدی خوانوں کے نغمے تھے اور رات کو بیچ صحرا کے ستاروں بھری راتیں تھیں۔اگر چہ اُس قافلے کی منزل شام کی

تجارتی منڈی تھی تاہم راستے میں کئی پڑاؤ تھے جو اس قافلے نے کرنے تھے، چنانچہ منزلوں پہ منزلیں مارتا یہ قافلہ بصریٰ پہنچا اور وہاں قیام کیا اور وہیں بحیریٰ راہب رہتا تھا جس کا اصل نام جرجیس تھا اُس کا مذہب عیسائیت تھا اور اللہ تعالیٰ نے اسے کتاب کا علم عطا کر رکھا تھا۔

وہاں اُس کی خانقاہ تھی جس میں وہ برسوں سے مکین تھا وہ لوگوں سے بہت ہی کم ملتا تھا اور اسے دنیا کے کاموں یا دنیاداروں سے کوئی سروکار نہ تھا۔ وہ اپنے حال میں مست رہتا یا اپنی عبادت کی طرف متوجہ رہتا۔ قریش کے قافلے اکثر اس کی خانقاہ کے نیچے سے گزرا کرتے اور کئی بار وہ وہاں قیام بھی کرتے مگر بحیریٰ راہب کو اُن سے کوئی سروکار نہ تھا۔ تاہم جب وہ قافلہ بحیریٰ راہب کی خانقاہ کے نیچے اترا جس میں آنحضرت محمد ﷺ بھی اپنے چچا کے ساتھ موجود تھے تو اتفاق سے بحیریٰ اُس وقت اپنی خانقاہ سے اس قافلے کو دیکھ رہا تھا۔

پھر اُس نے دیکھا کہ؛

اسی قافلے میں ایک نوعمر سوار ہے بادل جس پہ سایہ کرنے کو لپکتے ہیں۔

اور بحیریٰ راہب اُن بہت سے امور کو جانتا تھا جن سے عام لوگ بے خبر ہوتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو جو خصوصی علوم عطا کیے تھے وہ نسل در نسل منتقل ہوتے ہوئے بحیریٰ تک پہنچے تھے اور اُس وقت پوری دنیا میں صرف بحیریٰ راہب ہی اُن علوم کا امین تھا۔

بحیریٰ نے دیکھا کہ درخت اُس کو سجدہ کر رہے ہیں اور اُس سوار میں جو خاص بات تھی بحیریٰ اُس تک رسائی حاصل کرنے کے لیے بے چین تھا۔ جس وقت یہ قافلہ بحیرہ کی خانقاہ کے نیچے ایک گھنے درخت کے سائے تلے اترا اس وقت بحیریٰ اپنی خانقاہ سے اسی قافلے پر نگاہیں جمائے بیٹھا تھا۔ اس نے دیکھا کہ لوگ اُس گھنے درخت تلے جمع ہو رہے ہیں پھر سب لوگ اس درخت کے نیچے سما گئے مگر وہ نوعمر سوار درخت کے سائے میں جگہ نہ پا سکا تو درخت کی شاخیں بڑھیں اور اُس نوجوان کے سر پہ سایہ کیا اور بحیریٰ نے جانا کہ اس نوجوان میں کوئی خاص بات ہے۔ اب اُس کی دلچسپی اس نوجوان کے ساتھ بہت بڑھ چکی تھی چنانچہ وہ اپنی خانقاہ سے اترا اور اپنے لوگوں سے کہا:

باہر جو قافلہ اترا ہے اس کے لیے کھانا تیار کرو۔ پھر وہ اہل قریش کی طرف آیا اور اُن سے کہا:

تم سب لوگ آج شام کا کھانا ہمارے ساتھ کھاؤ۔

کچھ لوگوں نے بحیرٰی سے پوچھا؟

کہ ہم برسوں سے انھی راستوں سے گزرتے آئے ہیں اور درجنوں بار اس درخت تلے بھی اترے ہیں مگر آپ نے کبھی ہم سے بات تک کرنا گوارا نہیں کی اور اب کی بار آپ نے ہماری دعوت کر دی ہے۔

کیا اس میں کوئی خاص بات ہے۔

بحیرٰی اُس شخص کو ٹال گیا جس نے سوال کیا تھا۔

بحیرٰی نے کہا: کوئی خاص بات نہیں بس آپ لوگ دور دراز کی مسافت طے کر کے ہمارے ہاں اترے ہیں تو ہم نے سوچا کہ آپ لوگوں کی دعوت کی جائے شام کو سب لوگ بحیرٰی کی خانقاہ کی طرف کھانا کھانے کے لیے چل دیئے۔

انھوں نے نبی اکرم محمد ﷺ کو بچہ جان کر سامان کی حفاظت کے لیے اسی درخت کے نیچے چھوڑ دیا جس کے نیچے وہ صبح اترے تھے۔ بحیرٰی کی نگائیں اپنے مطلوب کو کھوجتی رہیں مگر ناکام رہیں۔

تب مجبوراً اُس نے اہل قافلہ سے پوچھا؟

کیا سب لوگ آچکے ہیں تاکہ کھانا لگایا جائے۔

قافلے والوں نے کہا ہاں سب لوگ آچکے ہیں۔

تب بحیرٰی نے بے زاری سے کہا؛

میں تو نہیں سمجھتا کہ سب لوگ آ گئے ہیں تم میں سے کوئی دیکھ آئے کہ پیچھے کوئی رہ تو نہیں گیا۔

قافلہ والوں نے پھر بحیرٰی کو یقین دلایا کہ سب آچکے ہیں صرف ایک بچہ ہے جسے ہم نے سامان کی حفاظت کی خاطر درخت کے نیچے چھوڑا ہے۔

بحیرٰی نے کہا؛

تمھارے سامان کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے تم اُس بچے کو بھی لے آؤ اس طرح اچھا نہیں لگتا۔

چنانچہ آنحضرت محمد ﷺ کے چچا حارث اٹھے وہ محمد ﷺ کو بھی ساتھ لے آئے۔

تب بحیرٰی نے اُن لوگوں کو کھانا دیا۔

دوسرے لوگوں کے ساتھ نبی اکرم ﷺ نے بھی کھانا کھایا۔

لوگ کھانا کھا کے واپس جانے لگے۔

تب بحیریٰ راہب نے آنحضرت محمد ﷺ کو روک لیا اور اُن سے کہا۔

اَسْئَلُكَ بِحَقِّ اللَّاتِ وَالْعُزّٰى اِلَّا مَا اَخْبَرْتَنِىْ عَمَّا اَسْئَلُكَ عَنْهُ

میں آپ کو لات وعزیٰ کے حق کے واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ جس بارے میں مَیں آپ سے پوچھوں آپ مجھے اُس کا درست جواب دیں گے۔

نبی اکرم ﷺ نے بے زاری سے جواب دیا۔

لَا تَسْئَلْنِىْ بِا للَّا تِ وَالْعُزّٰى شَيْئًا فَوَاللّٰهِ مَا اُبْغِضُ شَيْئًا قَطُّ بُغْضَهَا ۔

مجھ سے لات وعزیٰ کے واسطے سے کوئی بات نہ پوچھو بخدا مجھے اُن سے جتنی نفرت ہے اتنی کسی اور چیز سے نہیں۔

تب بحیریٰ نے کہا؛

فَبَاللّٰهِ اِلَّا مَا اَخْبَرْتَنِىْ عَمَّا اَسْئَلُكَ عَنْهُ

تو میں اللہ کے واسطے سے عرض کرتا ہوں کہ جو میں آپ سے پوچھوں اس کا جواب آپ مجھے مرحمت فرمائیں گے۔

فَقَالَ لَهٗ سَلْنِىْ مَا بَدَالَكَ

آنحضرت محمد ﷺ نے فرمایا!

ہاں اب پوچھو؟

تب بحیریٰ نے آپ ﷺ سے بہت سی باتیں پوچھیں۔ آپ ﷺ کی نیند اور بیداری کے احوال دریافت کیے۔ آپ کے خوابوں اور دیگر معمولات کے بارے میں سوالات کیے اور وہ باتیں آپ ﷺ سے دریافت کیں جو اُن کی کتابوں میں لکھی تھیں۔ پھر بحیریٰ نے آپ کی پشت سے کپڑا اٹھایا اور مہر نبوت وہاں موجود تھی جسے بحیریٰ نے بے ساختہ چوم لیا۔

کچھ اہل قافلہ جو وہاں موجود تھے اور وہ نبی اکرم ﷺ اور بحیریٰ کی باتوں کو غور سے سن رہے تھے۔

انھوں نے حضرت ابو طالب سے کہا؛

بحیریٰ کے ہاں تو تمھارے بھتیجے کی بڑی قدر و منزلت ہے۔

تب بحیریٰ نے اہل قافلہ سے پوچھا؟

اس بچے کا والی ون ہے۔

لوگوں نے حضرت ابوطالب کو آگے کر دیا۔

بحیریٰ اُن کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا؟

مَا هٰذَا الْغُلَامُ مِنْكَ

اس بچے سے آپ کا کیا رشتہ ہے؟

حضرت ابوطالب نے جواب دیا۔

یہ میرا بیٹا ہے۔

مَاهُوَابْنُكَ وَمَا يَنْبَغِىْ لِهٰذَا الْغُلَامِ اَنْ يَّكُوْنَ اَبُوْهُ حَيًّا،

یہ آپ کا بیٹا نہیں ہو سکتا اور نہ اس کے باپ کو زندہ ہونا چاہیے۔

بحیریٰ نے تیز لہجے میں کہا؛

تب حضرت ابوطالب نے آہستہ سے کہا؛

یہ میرا بھتیجا ہے۔

بحیریٰ نے پوچھا، اس کا باپ کیا ہوا؟

وہ تو اس وقت انتقال کر چکا تھا جب یہ بچہ پیدا ہوا۔

اب تم نے سچی بات کہی ہے۔

بحیریٰ نے کہا؛

اور اس کی ماں کہاں ہیں؟

تھوڑی مدت گزری کہ اس کا بھی انتقال ہو گیا تھا۔

یہ یتیم ہیں۔

ہاں میں جانتا ہوں۔ بحیریٰ نے کہا!

آپ کیسے جانتے ہیں؟

حضرت ابو طالب نے پوچھا؟

ہماری کتاب میں یہ باتیں لکھی ہوئی ہیں اور چونکہ آپ ﷺ اس بچے کے والی ہیں اس لیے میں آپ کو اس امر پہ متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ آپ اس بچے کو لے کر شام کی طرف نہ جائیں۔ کیونکہ جو اِن کے بارے میں میں جانتا ہوں اگر وہ سب کچھ یہودیوں نے جان لیا تو وہ اس بچے کی جان کے درپے ہو جائیں گے اس بچے کی بڑی شان ہوگی اور میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔

علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ بحیریٰ راہب نے صراحتاً حضرت ابو طالب کو بتا دیا تھا کہ اُن کا بھتیجا اللہ کا نبی ہے۔

اس نے کہا کہ؛

هٰذَا سَيِّدُ الْعٰلَمِيْنَ هٰذَا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ هٰذَايَبْعَثُهُ اللہ رَحْمَةً لِلْعٰلَمِيْنَ ۔

" کہ یہ سارے جہانوں کے سردار ہیں۔ یہ رب العالمین کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ انھیں رحمت للعالمین بنا کر مبعوث فرمائے گا"۔

اس واقعہ کے بعد حضرت ابو طالب نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ قریش کے اس قافلے کے ہمراہ شام کا رخ کیا اور وہاں جلدی جلدی اپنے امور نپٹائے اور آنحضرت محمد ﷺ کو لے کر مکہ واپس آ گئے"۔

حضرت ابو عیسیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو طالب کے یہ اشعار اسی واقعے کے بارے میں ہیں [38]!

أَلَمْ تَرَنِىْ مِنْ بَعْدِهَمٍّ هَمَمْتُه‘

بِفُرْقَةِ حُرِّ الْوَالِدَيْنِ كِرَامِ

کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ جب میں نے سفر کا پختہ ارادہ کر لیا تو کریم والدین کی طرف سے جدائی میں میری کیفیت کیا ہوئی۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

بَا َحمَدَ لَمَّا اَنْ شَدَدتُ مَطِیَّتِیْ
لِتَرْحَلْ اِذْ وَدَّعتُہ' بِسَلَامِ

یعنی احمد مجتبیٰ (ﷺ) کے فراق میں میری کیا حالت تھی جب میں نے روانگی کے لیے اپنی سواری کو کس لیا اور جب میں نے آپ ﷺ کو الوداع کہا۔"

✡✡✡✡✡✡✡✡

بَکٰی حَزَنًا وَالْعِیْسُ فَصَلَت ُبِنَا
وَاَمْسَکْت ُبِالْکَفَّیْنِ فَضْلَ زِمَامِ

آپ ﷺ غم واندوہ سے رونے لگے تھے وہ اونٹ ہم دونوں کے درمیان جدائی ڈال رہا تھا جس کی نکیل کا کنارا میں نے پکڑ رکھا تھا۔"

✡✡✡✡✡✡✡✡

ذَکَرْتُ اَبَاہُ ثُمَّ اَقْرَقْتُ عَبْرَۃً
تَجُوْد ُمِنَ العَیْنَیْنِ ذَاتَ سِجَامِ

میں نے آپ ﷺ کے والد کو یاد کیا اور میری آنکھوں سے آنسو چھلکنے لگے پھر دونوں آنکھوں سے لگا تار گرنے لگے۔"

✡✡✡✡✡✡✡✡

فَقُلْتُ تَرُوْحُ رَاشِدًا فِیْ عُمُوْمَۃٍ
مُوَاسِیْنَ فِی الْبَا سَاءِ غَیْرِ لِئَامِ

میں نے حضور ﷺ سے عرض کی! کہ آپ اپنے چچاؤں کے ساتھ عازم سفر ہوں جو مشکل گھڑی میں مدد کرنے والے اور کمینگی سے دور رہنے والے ہیں۔"

✡✡✡✡✡✡✡✡

فَرُحْنَا مَعَ الْعِيْرِ الَّتِیْ رَاحَ اَھْلُھَا
شَاٰمِیُ الْھَوٰی وَالْاَ صْلُ عِیْرُ شَاٰمِیُ

اور ہم اس قافلے کے ساتھ عازم سفر ہوئے جو شام کی طرف رواں دواں تھا اور شامی قافلہ ہی اصل ہے۔"

✡✡✡✡✡✡✡✡

فَلَمَّا ھَبَطْنَا اَرْضَ بُصْرٰی تَشَرَّقُوْا
لَنَا فَوْقَ دُوْرٍ یَنْظُرُوْنَ جِسَامِ

اور جب ہم بصریٰ کی سرزمین پہ خیمہ زن ہوئے تب لوگ اپنی چھتوں پہ چڑھ کے ہمیں دیکھنے لگے۔"

✡✡✡✡✡✡✡✡

فَجَاءَ بَحَیْرٰی عِنْدَ ذَالِکَ حَاشِدًا
لَنَا بِشَرَابٍ طَیِّبٍ وَطَعَامِ

اور تب بحیریٰ راہب بہترین کھانوں اور عمدہ پانی کے ساتھ ہمارے خیموں میں اترا۔"

✡✡✡✡✡✡✡✡

فَقَالَ اَجْمَعُوْا اَصْحَابَکُمْ لِطَعَامِنَا
فَقُلْنَا جَمَعْنَا الْقَوْمَ غَیْرَ غُلَامِ

بحیریٰ نے کہا! اپنے ساتھیوں کو جمع کرو تا کہ وہ ہمارے ساتھ کھانا کھالیں ہم نے کہا ایک بچے کے سوا ہم سب حاضر ہیں[39*] ۔"

✡✡✡✡✡✡✡✡

حرب فجار بھی عربوں کی اُسی روایت کا تسلسل ہے جس
کے پس منظر میں خون ہمیشہ بہتا رہتا۔اس قوم کی
شجاعت پر حیرت ہوتی ہے موت اُن کے نزدیک کوئی
ابتلا نہیں بلکہ ایک رومانس بن چکی تھی۔ وہ ہمیشہ ہتھیار
بند رہتے اور ذرا سی بات پر ان کو استعمال کرنے سے
بھی نہ ڈرتے۔

25 قبل نبوت، 37 قبل ہجرت، 586ء

حرب فجار

عربوں میں جنگ کوئی اجنبی چیز نہ تھی وہ تلواروں کی جھنکار میں پروان چڑھتے تھے۔وہ زخم لینے اور زخم دینے کے عادی تھے۔خون کا بہنا اُن کے لیے معمول کی بات تھی وہ زندگی کو پرکاہ کے برابر بھی حیثیت نہ دیتے۔اُن کے نزدیک بزدلی موت سے بدتر تھی اس لیے اُن کا ہر فرد بہادر تھا، جانباز تھا اور اپنے قبیلے کی آن پہ مر مٹنے کے لیے ہر پل تیار رہتا تھا۔اگرچہ اس کتاب میں ہم نے عربوں کی بہت سی جنگوں کا تذکرہ کیا ہے مگر یہ جنگ خاص ہمارے موضوع سے متعلق ہے کہ ہم نبی آخر پیغمبر اعظم رحمت للعالمین ﷺ کے شب و روز کا احوال جاننے کی کوشش کر رہے ہیں اور حرب فجار کے سلسلے کی آخری جنگ حرب براض میں نبی اکرم ﷺ خود بہ نفس نفیس اپنے چچاؤں کے ساتھ شریک تھے۔حرب فجار چار ہیں جب جنگوں کا یہ سلسلہ جب شروع ہوا تب نبی اکرم ﷺ کی عمر مبارک دس سال تھی اور جب حربِ فجار اختتام کو پہنچی تب آپ ﷺ بیس سال کے تھے اور حرب براض میں شامل تھے۔اِن جنگوں کو حرب فجار اس لیے کہا گیا کہ عربوں کے مابین یہ جنگیں حرام مہینوں میں ہوئیں تھیں۔عربوں نے خود پہ سال کے چار مہینے خون ریزی

کے لیے حرام کر رکھے تھے جن میں ذی قعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب کے مہینے شامل ہیں مگر یہ جنگیں چونکہ اِن مہینوں میں پیش آئیں اس لیے کہا گیا کہ یہ فجار ہے یعنی گناہ ہے اس لیے کہ اشہر حرام میں خون بہایا گیا تھا۔ مورخین نے بیان کیا ہے کہ فجار کے لفظی معنی پھٹن یا دو پہاڑوں کے درمیانی راستے کے ہیں۔

اور اسی لفظ کے معنی بعض لوگوں نے یہ بیان کیے ہیں کہ فجار سے مراد ہے گنہگار اور اپنی بڑائی بیان کرنے والا۔

نبی اکرم ﷺ نے حرب فجار کے بارے میں فرمایا کہ میں اپنے چچاؤں کے ساتھ اس جنگ میں شریک تھا اور میں نے اس میں تیر بھی چلائے تھے۔ مجھے اس بات پہ کبھی ندامت نہیں ہوئی اس لیے کہ اپنے قبیلے اور خاندان کی خاطر جنگ میں شامل ہونا کسی بھی عرب کی شان ہے۔

اگر چہ ہم حرب فجار کے سلسلے کی چاروں جنگوں کا تذکرہ یہاں کریں گے مگر پہلے ہم حرب براض کا ذکر کریں گے جو سلسلہ فجار کی چوتھی اور آخری جنگ تھی مگر اس جنگ میں خاص بات یہ ہے کہ اس میں نبی اکرم ﷺ بھی شامل تھے۔

چنانچہ حرب براض کے بارے میں علامہ برہان الدین حلبی لکھتے ہیں کہ؛

اس کا سبب یہ ہوا کہ نعمان بن منذر جو حیرہ کا بادشاہ تھا اور اس کے تجارتی قافلے دور دراز کے علاقوں تک جاتے تھے۔ تاہم وہ جب بھی اپنا کوئی تجارتی قافلہ روانہ کرتا تو اس کو کسی معروف اور طاقتور عرب کی پناہ میں روانہ کرتا کہ کھلے صحراؤں میں اس کے قافلے کو لوٹ نہ لیا جائے۔ چنانچہ نعمان بن منذر نے اپنا ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ تیار کیا جس میں خوشبوئیں کپڑے اور دیگر تجارتی سامان تھا۔ قافلہ روانہ ہونے سے پہلے عربوں کا ایک وفد حیرہ کے دربار میں موجود تھا جس میں بنو ہوازن اور بنو کنانہ کے رئیس بھی شامل تھے۔ چنانچہ جب نعمان بن منذر نے جب اپنے قافلے کو روانہ کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے عربوں سے پوچھا؟

تم میں سے کون ہے جو میرے قافلے کو اپنی پناہ میں لے اور وہ محفوظ و مامون مکہ تک پہنچ جائے۔

اپنے قافلے کو عربوں کی پناہ میں دے کر نعمان بن منذر یہ مقصد حاصل کرتا کہ عربوں کا کوئی معزز آدمی اس کے قافلے کو اپنی پناہ میں لے لیتا تو پھر اُس کا قافلہ صحرائے عرب کے لٹیروں سے محفوظ

ہو جاتا۔

جب نعمان بن منذر نے عربوں سے یہ سوال کیا کہ میرے قافلے کی ذمہ داری کون لیتا ہے تو بنو کنانہ کے ایک شخص براض نے ارادہ کیا کہ وہ اٹھے اور اس شرف کو حاصل کرے لگر اس سے قبل کہ وہ اٹھتا شراب کے نشے میں دھت بنو ہوازن کے ایک شخص عروۃ الرحال نے کہا:

میں اس قافلے کی ضمانت لیتا ہوں۔

نعمان بن منذر کو اس شخص کی ضمانت پہ کچھ زیادہ اعتماد نہ تھا اس لیے اُس نے کہا؛

میرا مقصد کسی ایک قبیلے کی طرف سے حفاظت نہیں ہے بلکہ مجھے کوئی ایسا آدمی چاہیے جو نجد اور تہامہ کے علاقے میں بھی میرے قافلے کی ضمانت لے۔

عروۃ چونکہ نشے میں تھا اس لیے اُس نے بڑھ ہانکی۔

میں آپ کے قافلے کو ہر طرح کی پناہ دیتا ہوں۔

ابن ہشام نے یہاں تک لکھا ہے کہ؛

عروۃ نے کہا میں دنیا کی ساری مخلوق کے مقابل آپ کے قافلے کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔

تب براض سے نہ رہا گیا اور وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

اس نے کہا؛

تمہیں یہ حق کس نے دیا ہے کہ تم بنو کنانہ کی طرف سے ضامن بن جاؤ۔

کیا تو بنو کنانہ کے مقابل بھی اس قافلے کو پناہ دیتا ہے۔

عروۃ نے کہا؛ ہاں۔

میں اس قافلے کو سب قبیلوں سے پناہ فراہم کروں گا۔

براض بیٹھ گیا مگر اُس نے اپنے دل میں کینہ پال لیا تھا چنانچہ جب قافلہ روانہ ہوا تو براض بھیس بدل کر اُس میں شامل ہو گیا اُس نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ وہ عروۃ کو قتل کر دے گا اور اُس کی ضمانت بھی جھوٹی ثابت کر دے گا۔

چنانچہ براض موقع کی تاک میں رہا۔

کچھ دنوں بعد ایک پڑاؤ میں اسے یہ موقع مل گیا کہ عروۃ نے شراب پی پھر لڑکیوں کا ڈانس دیکھا اور

مدہوش ہو کر اپنے خیمے میں چلا گیا جہاں وہ اکیلا تھا۔ براض آدھی رات کے بعد اُس کے خیمے میں پہنچا اور اُس نے اپنے پاؤں کی ٹھوکر سے عروۃ کو جگایا اور اس سے کہا؛

جاگ اور اپنی موت کا سامنا کر۔

عروۃ اپنے سامنے کھڑی موت کو دیکھ کر دہل گیا اور براض کی منت سماجت کرنے لگا۔

عروۃ نے براض سے کہا؛

خدا کے واسطے مجھے قتل مت کرنا میرے منہ سے وہ بات نشے کی حالت میں نکلی تھی کہ میں نے نعمان کے قافلے کو سارے قبیلوں سے پناہ فراہم کی۔

تاہم براض نے اُس کی خوشامد پہ کوئی دھیان نہ دیا اور جس مقصد کے لیے وہ آیا تھا اسے پورا کیا اور چپکے سے نکل گیا۔

اگلی صبح قافلے کو خبر ہوئی کہ اُن کا راہنما قتل ہو چکا ہے۔ تاہم یہ بات قافلے کے بہت سے لوگ جانتے تھے کہ بنو کنانہ کے براض نے ہی عروہ کو قتل کیا ہوگا۔ بنو کنانہ اُس وقت عکاظ کے میلے میں اپنی مجالس سجائے بیٹھے تھے جب کسی نے اُن کو خبر دی کہ اُن کے قبیلے کے ایک شخص براض نے بنو ہوازن کے ایک رئیس کو قتل کر دیا ہے۔ اس خبر سے بنو کنانہ کے لوگ بہت پریشان ہو گئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر یہ خبر بنو ہوازن تک بھی پہنچ چکی ہے تو ابھی یہیں جنگ چھڑ سکتی ہے چونکہ یہ گناہ اشہر حرم میں کیا گیا تھا اس لیے اس کی شدت زیادہ تھی۔ چنانچہ صورت حال کی نزاکت کی بنا پر اہل قریش نے فیصلہ کیا کہ وہ تیزی سے یہاں سے منتقل ہو جائیں۔ چنانچہ وہ مکہ کی طرف روانہ ہو گئے دوسرے قبائل اس بات پہ قدرے حیرت میں تھے کہ اہل قریش یہ بھرا میلا چھوڑ کر اچانک کیوں چل نکلے ہیں۔ تاہم جب قریش اور بنو کنانہ وہاں سے نکل گئے تو بات لوگوں کی سمجھ میں آ گئی کیونکہ بنو ہوازن کا مخبر بھی اُن کے خیموں میں پہنچ گیا تھا اور اُس نے لوگوں کو خبر کر دی تھی کہ بنو کنانہ کے براض نے بنو ہوازن کے عروۃ کو قتل کر دیا ہے تو بنو ہوازن فوراً ہتھیار بند ہو گئے اور انھوں نے قریش کا تعاقب شروع کر دیا۔ جب بنو ہوازن اُن تک پہنچے تو قریش اس وقت حرم میں داخل ہو رہے تھے اور حرم جس طرح قریش کے لیے قابل تعظیم تھا اسی طرح بنو ہوازن بھی جانتے تھے کہ حرم کے اندر خون نہیں بہایا جا سکتا۔

چنانچہ انھوں نے اپنے ہاتھ روک لیے اور اگلے روز تک رک گئے۔

مگر دوسرے دن بنو کنانہ کے لوگ بھی ہتھیار بند ہو کر نکل آئے اور بنو ہوازن کے مقابلے پہ آ گئے۔شدید جنگ ہوئی اور چار سے چھ دن تک جاری رہی مگر اُس کا کوئی فیصلہ نہ ہوسکا۔تب عرب رواج کے مطابق دونوں طرف سے اس بات کا فیصلہ سامنے آ گیا کہ جنگ کو اگلے سال تک موخر کر دیا جائے۔

چنانچہ طے پایا کہ ٹھیک اسی دن اگلے سال عکاظ کے میدان میں دونوں قبیلے آمنے سامنے ہوں گے ۔اور عہد کے مطابق ٹھیک ایک سال بعد اسی دن دونوں قبائل پھر سے ایک دوسرے کے مقابل اترے ۔اس بار قریش کی طرف سے اُن کا سپہ سالار حرب بن امیہ تھا جو قریش کا بھی سردار تھا [*40]۔

حرب بن امیہ کے بھائی ربیعہ کا انتقال ہوا تو اس کا بیٹا عتبہ حرب کی پرورش میں آ گیا چونکہ حرب اس سے اپنے بھائی کی وجہ سے بے پناہ محبت کرتا تھا اس لیے اُس نے عتبہ کو پیچھے ہی چھوڑ دیا اور میدانِ جنگ میں لانے سے گریز کیا کہ مبادا اُس کو کوئی نقصان پہنچے۔

مگر عتبہ جوان ہو چکا تھا اور وہ اپنے چچا سے چھپ کے اس جنگ میں شامل ہو چکا تھا اس امر کی خبر حرب کو اس وقت ہوئی جب اُس نے اپنے بھتیجے کو دشمن کی صفوں کے قریب دیکھا۔اس جنگ میں بنو کنانہ اور اُن کے حلیف قریش کا پلہ بھاری تھا اور بنو ہوازن جنگ ہار رہے تھے۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ؛

کئی دنوں تک جاری رہنے والی اس جنگ کی عجیب بات یہ تھی کہ جب بنو کنانہ کی طرف سے اس جنگ میں نبی اکرم ﷺ موجود ہوتے تو بنو کنانہ کا پلڑا بھاری ہوتا اور بنو ہوازن کو پسپائی اختیار کرنا پڑتی اور جب قریش کی طرف سے نبی اکرم ﷺ اُن کے لشکر میں موجود نہ ہوتے تب بنو ہوازن کا پلڑا بھاری ہوتا اور وہ آگے بڑھ بڑھ کے حملے کرتے ۔اس بات کو حضرت ابو طالب نے محسوس کر لیا تھا اس لیے آخری دو دنوں میں انھوں نے نبی اکرم ﷺ کو اپنے ساتھ اس جنگ میں شریک ہی رکھا ۔نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں اس جنگ تیر اٹھا اٹھا کر اپنے چچاؤں کو دیتا تھا۔

تاہم کتاب امتناع میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ؛

آنحضرت محمد ﷺ نے اس جنگ میں خود بھی تیر چلائے تھے اور جنگ کے دوران اُن کا نیزہ بنو ہوازن کے علم بردار ابو براء کو لگا جس کی وجہ سے وہ زخمی ہو گیا تھا۔ تاہم دیگر مورخین نے اس بات سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ جنگ فجار میں نبی اکرم ﷺ نے کسی کو زخمی نہیں کیا تھا۔ جنگ کے چوتھے دن تک اس معرکہ کا کوئی واضح نتیجہ سامنے نہ آیا تھا اور دونوں فریقوں کا کافی خون بہہ چکا تھا۔ چنانچہ اُس روز جب حرب بن امیہ نے دیکھا کہ اُس کا بھتیجا عتبہ دونوں لشکروں کے درمیان پہنچ گیا ہے۔ تب عتبہ نے دونوں طرف کے لشکروں کو پکارا اور کہا اے مضر کی اولا دو۔

یہ خون آخر کب تک بہے گا؟

بنو ہوازن کی طرف سے پوچھا گیا؟

تم کیا چاہتے ہو!

صلح، صلح میں صلح چاہتا ہوں۔

یہ کیسے ممکن ہے۔ کہا گیا۔

اس رعایت کے ساتھ کہ ہم یعنی بنو کنانہ تمھارے مقتولین کا خون بہا ادا کریں گے اور اپنے مقتولوں کا خون تم کو معاف کر دیں گے۔

بنو ہوازن کی طرف سے پوچھا گیا تم کون ہو؟

میں عتبہ ابن ربیعہ ابن عبد شمس ہوں۔

عتبہ جواب دیا۔

تمھاری بات کا ضامن کون ہے۔ بنو ہوازن نے پوچھا؟

ہم اپنے کچھ معزز سردار تمھارے قبضے میں دے دیں گے وہ تب تک تمھارے قبضے میں رہیں گے جب تک کہ ہم تمھارے مقتولین کا خون بہا ادا نہ کر دیں۔

دونوں فریق جنگ سے اکتا چکے تھے اس لیے بادل نخواستہ انھوں نے اس تجویز کو قبول کر لیا۔

چنانچہ بنو کنانہ کے چالیس لوگ بنو ہوازن کے حوالے کیے گئے جو اُن کے ہاں بطور رہن کچھ دن گذارنے والے تھے۔ اِن میں حکیم ابن حزام جیسے معتبر لوگ بھی شامل تھے وہ حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے تھے۔ چنانچہ بنو ہوازن کے مقتولین کی لاشیں بھی اُن کے حوالے کر دی گئیں اور مقتولین کا خون

بہا بھی دے دیا گیا۔تب بنو کنانہ کے رہن رکھے گئے لوگ بنو ہوازن نے واپس کر دیئے۔اس طرح جنگ کی آگ بجھ گئی اور وادی میں امن ہو گیا اور اس کا سہرہ عتبہ کے سر رہا۔مورخین نے کہا ہے کہ عربوں میں دو ہی شخص ایسے تھے جو غربت کے باوجود اپنی قوم کے سردار بنے جن کی بات غور سے سنی جاتی تھی اور مانی جاتی تھی۔اُن میں سے ایک تو یہی عتبہ بن ربعیہ تھا اور دوسرے حضرت ابو طالب بن عبدالمطلب تھے۔حضرت ابو طالب کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دولت سے نوازا جب کہ عتبہ کفر ہی کی حالت میں روز بدر قتل کیا گیا۔

حرب فجار (اول)

یادرر ہے کہ حرب فجار کے سلسلے کی جنگیں چار ہیں جن میں سے صرف آخری جنگ میں نبی اکرم ﷺ نے شرکت کی تھی۔جس کو جنگ براض کہا گیا ہے۔جس کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے اب ہم سلسلہ حربِ فجار کی دوسری جنگوں کا مختصر جائزہ لیں گے۔ چنانچہ حرب فجار اول کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا گیا کہ بدر ابن معشر غفاری نامی ایک شخص عکاظ کی ایک مجلس میں بیٹھا اپنی بڑائی بیان کرر ہا تھا وہ کہتا ہے کہ میں عربوں کا سب سے باعزت شخص ہوں اور جو شخص میرے اس دعویٰ کو جھٹلاتا ہے اس کو چاہیے کہ تلوار لے کر میرے سامنے آئے۔بنو عامر کے ایک شخص کو اس کی بات پہ غصہ آگیا اور اس نے تلوار نکال کے بدر کا گھٹنا کاٹ دیا بدر نے شور مچا کے دھائی دی اور اس کے قبیلے سے ہتھیار بند لوگ اس کی مدد کو دوڑے بنو عامر کے لوگ بھی آپہنچے اور دونوں قبائل کے درمیان جنگ چھڑ گئی چنانچہ اس طرح حربِ فجار کی بنا پڑی۔



حربِ فجار دوم کی وجہ بیان کرتے ہوئے مورخین نے کہا کہ قبیلہ بنو عامر کی ایک حسین عورت عکاظ کے بازار میں پہنچی اور اُس نے پردہ کیا ہوا تھا یعنی اُس نے اپنا چہرہ ڈھانپ رکھا تھا۔قبیلہ بنو کنانہ کے ایک شخص نے اُس عورت سے کہا؛

اپنا چہرہ کھول دو میں تمھارا حسن دیکھنا چاہتا ہوں۔

مگر بنو عامر کی اُس لڑکی نے نقاب اٹھانے سے انکار کر دیا۔

بنو کنانہ کا وہ لڑکا اسی کے گرد منڈلاتا رہا۔

وہ لڑکی ایک دوکان پہ کوئی چیز خریدنے کے لیے بیٹھی تو بنو کنانہ کے اُس لڑکے نے اُس لڑکی کی بے خبری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اُس کے دوپٹے کا پچھلا حصہ وہاں موجود ایک کانٹے میں پھنسا دیا جب وہ لڑکی اٹھی تو اس کا دوپٹہ اس کے چہرے اور سر سے اتر گیا اُس نے دھائی دی اور پکارا؛

اے عامر کی اولاد میری مدد کے لیے پہنچو۔

اس کی فریاد سن کر بنو عامر کے لوگ ہتھیار لگا لگا کے آنے لگے دوسری طرف بنو کنانہ کے لوگ بھی اکٹھے ہو گئے اور دونوں قبائل کے درمیان جنگ چھڑ گئی اس جنگ کو حرب فجار کے سلسلے کی دوسری جنگ کہا جاتا ہے جس میں دونوں قبائل کا کافی خون بہا۔

❖ ❖ ❖



حرب فجار کے سلسلے کی تیسری جنگ کی وجہ یہ بنی کہ نبو عامر کے کسی شخص کا بنو کنانہ کے ایک شخص پہ کچھ قرض تھا اور بنو کنانہ کا شخص اس کی ادائیگی میں ٹال مٹول سے کام لے رہا تھا اس پہ دونوں اشخاص کے درمیان دشمنی کی بنا پڑی اور پھر یہ دشمنی دونوں قبیلوں میں پھیل گئی۔ بنو عامر کے اُس شخص نے جس کا قرض بنو کنانہ کے شخص پہ تھا نے اُس پہ قاتلانہ حملہ کر دیا جس سے وہ زخمی ہو گیا اس کے بعد دونوں قبائل کے درمیان جنگ کی آگ بھڑک اٹھی جس میں دونوں قبائل کا کافی خون بہا۔ پھر بنو کنانہ کے رئیس عبداللہ بن جدعان نے بنو کنانہ کے اُس شخص کا قرض ادا کر دیا۔ تب کہیں جا کر یہ جنگ بند ہوئی جنگوں کے اس طویل سلسلے کے بارے میں عرب شعرا نے بہت کچھ لکھا ہے ہم یہاں محض چند شعر درج کرنے پہ ہی اکتفاء کریں گے۔

یہ اشعار البراض کے ہیں !

وَدَا هِيَةٍ تُهِمُّ النَّاسَ قَبْلِیْ
شَدَدْتُ لَهَا بَنِیْ بَكْرٍ ضُلُوْعِیْ

اے بنی بکر ! میں نے ایک ایسی آفت کے لیے کمر باندھ لی ہے جسے مجھ سے پہلے کے لوگ گراں سمجھتے تھے۔"

✡✡✡✡✡✡✡✡

هَدَمْتُ بِهَا بُيُوتَ بَنِىْ كَلَابٍ
وَاَرْضَعْتُ الْمَوَالِىَ بَالضُّرُوْعِ

میں نے اس ہمت کو بروئے کار لاتے ہوئے بنو کلاب کے گھروں کو ملیامیٹ کر دیا اور اُن کے حلیفوں کو اُن جگہوں تک پہنچا دیا جو اُن کے لیے موزوں تھی"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

رَفَعْتُ لَهٗ بِذِىْ طَلَالٍ كَفِّىْ
فَخَرَّ يَمَيْدُ كَالْجِذْعِ الصَّرِيْعِ

میں نے مقام ذی طلال میں اپنے ہاتھ اُس پہ اٹھائے تو وہ گھوم کر شہتیر کی طرح زمین پہ اوندھے منہ گرا۔"

✡✡✡✡✡✡✡✡

اَبْلِغْ اِنْ عَرَضْتَ بَنِىْ كَلَابٍ
وَعَامِرَ وَالْخُطُوْبُ لَهَا مَوَالِىْ

اے شخص اگر تو بنی کلاب سے ملے تو اُن تک میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ بنی عامر اور بنی الخطوب تو اُن کے ساتھ وابستہ ہیں۔"

✡✡✡✡✡✡✡✡

وَبَلِّغْ اِنْ عَرَضْتَ بَنِیْ نُمَیْرٍ
وَاَخْوَالَ الْقَتِیْلِ بَنِیْ هِلَالِ

اور اگر تو بنو نمیر سے ملے تو اُن کو بھی یہی پیغام دینا اور مقتول کے ماموؤں یعنی بنو ہلال سے ملو تو انھیں بھی یہی پیغام دینا۔"

✡✡✡✡✡✡✡✡

بِاَنَّ الْوَافِدَ الرَّحَّال اُمْسَی
مُقِیْمًا عِنْدَ تَیْمَنَ ذِیْ طِلَالِ

کہ وفد الرحال ذی طلال کے مقام تیمن میں سر شام آ کے ٹھہر گیا ہے اور تمھارے مقابلے کے لیے تیار ہے [41*] ۔"

✡✡✡✡✡✡✡✡

عربوں میں کوئی بادشاہ نہ تھا اُن کا ہر شخص خود کو بادشاہ ہی
تصور کرتا اُن کی اس حالت کے باوجود کہ وہ کسی سیاسی نظم
کے تحت زندگی نہ کرتے تھے اُن میں اخلاقی جرائم اس
کثرت سے نہ تھے جیسا کہ اُن کے معاصر معاشروں میں
نظر آتے ہیں، معاشرہ اس کے خلاف مزاحم تھا جیسا کہ
معاہدہ حلف الفضول میں نظر آتا ہے۔

25 قبل نبوت، 37 قبل ہجرت، 586ء

حلف الفضول

اسلام سے قبل عرب معاشرہ عدل وانصاف سے عاری ظلم کا ایک معاشرہ تھا۔جس میں عدل کے نرالے اصول رائج تھے کہ وہاں صرف طاقت کا قانون چلتا تھا۔صرف طاقت کی زبان سمجھی جاتی تھی۔ پورا عرب قبائلی نظام میں جکڑا ہوا تھا۔چنانچہ اگر عربوں میں سے کوئی شخص قتل کر دیا جاتا تو مقتول کے لواحقین خاص قاتل سے بدلہ نہ لیتے تھے بلکہ قاتل کے پورے قبیلے پہ حملہ کر دیتے تھے۔چونکہ جزیرۃ العرب میں کوئی بادشاہ نہ تھا کہ قوم کسی نظم وقانون کی پابند ہوتی اس لیے سوائے قبیلے کے سردار کے کوئی ایسا در نہ تھا جسے انسان عدل کے لیے وا کر سکے۔خاص مکہ شہر میں جہاں قریش کے بہت سے قبائل بستے تھے اور وہ ایک دوسرے کے حلیف تھے۔وہ اگرچہ حرم کے پاسبان تھے اور خود کو لوگوں کا مذہبی پیشوا جانتے تھے مگر عدل و انصاف کے حوالے سے اِن کی حالت بھی نہایت ابتر تھی۔مورخین نے لکھا ہے کہ معاہدہ حلف الفضول کے وقت نبی اکرم ﷺ کی عمر بیس سال تھی اور یہ معاہدہ حرب فجار کے بعد طے پایا۔جس کی بنیاد یہ واقعہ

بنا۔

مکہ میں شہر زبید کا ایک شخص اپنا سامانِ تجارت لے کے آیا اُس نے اپنا سامان قریش کے ایک رئیس عاص بن وائل کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ عاص بن وائل نے اُس کا مال تو لے لیا مگر قیمت چکانے سے انکار کر دیا۔ زبید کے اُس شخص نے مکہ کے بہت سے لوگوں سے کہا کہ وہ اس کے ساتھ انصاف کریں اور اُس کا حق اُس کو واپس دلوائیں۔ مگر کوئی شخص اِس کی بات سننے کو تیار نہ ہوا۔ اس لیے کہ وہ آپس میں حلیف تھے۔ زبیدی تاجر نے عاص کے حلیف قبائل بنو عبدالدار، بنی مخزوم، بنی جمح، بنی سہم اور بنو عدی کے سامنے بھی فریاد کی کہ اُس کو شہر مکہ میں لوٹ لیا گیا ہے۔ مگر اِن لوگوں نے زبید کے اس شخص کو جھڑک دیا اور اس کی مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ زبید کے تاجر نے جب کوئی چارۂ کار نہ دیکھا تو وہ جبل ابی قبیس پہ چڑھ گیا اور وہاں سے بلند آواز میں فریاد کی۔

اس وقت اہل قریش صحن حرم میں اپنی مجالس سجائے بیٹھے تھے چنانچہ ہر کوئی اس کی طرف متوجہ ہو گیا زبیدی تاجر کہہ رہا تھا کہ؛

يَا اٰلَ فِهۡرٍ لِمَظۡلُوۡمٍ بَضَاعَتُهٗ
بِبَطۡنِ مَكَّةَ نَائِی الدَّارِ وَالنَّضَرِ

اے آلِ فہر کی اولاد اس مظلوم کی فریاد سنو؛ جس کا مال ومتاع شہر مکہ میں ظلماً چھین لیا گیا ہے، وہ غریب الدیار ہے اور اپنے وطن سے دور اپنے مددگاروں سے دور ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

وَمُحۡرِمٍ اَشۡعَثٍ لَمۡ يَقۡضِ عُمۡرَتَهٗ
يَا لَلرِّجَالَ وَبَيۡنَ الۡحَجۡرِ وَالۡحَجَرِ

وہ ابھی احرام کی حالت میں ہے اور اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں اس نے ابھی عمرہ بھی ادا نہیں کیا! کہ اے مکہ کے رئیسو! میری فریاد سنو! مجھ پہ حطیم اور حجر اسود کے درمیان ظلم کیا گیا ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اِنَّ الْحَرَامَ لِمَنْ تَمَّتْ كَرَامَتُہ'
وَلَا حَرَامَ لِثَوْبِ الفَاجِرِ الغَدَرِ

اورعزت وحرمت تواس کی ہے جس کی شرافت کامل ہوجوفاجراوردھوکاباز ہواس کے لباس کی تو کوئی حرمت ہی نہیں [42*] ۔''

✡✡✡✡✡✡✡✡

حرم میں موجودسارے قریشیوں نے اس شخص کی فریادسنی اورسب سے پہلے جس شخص نے زبید کے مظلوم تاجرکی آوازپہ کان دھرے وہ آنحضرت محمدﷺ کے چچاحضرت زبیربن عبدالمطلب تھے۔

وہ اٹھ کھڑے ہوئے اورکہا؛

اب اس فریادکونظرانداز کرنامیرے بس سے باہرہے۔

چنانچہ انھوں نے لوگوں کوعدل کی ترغیب دلائی تو بنوہاشم بنوعبدالمطلب ،اسدبن العزیٰ،زہرہ بن کلاب اورتیم بن مرہ نے حضرت زبیرکی دعوت قبول فرمالی ۔یہ لوگ مکہ کے ایک رئیس عبداللہ بن جدعان تیمی کے گھرجمع ہوئے۔ابن جدعان نے اِن لوگوں کے لیے پرتکلف دعوت کااہتمام کیانبی اکرمﷺ بھی اس محفل میں موجودتھے۔

وہاں اِن لوگوں کے درمیان یہ معاہدہ طے پایاکہ وہ ظلم اورناانصافی کوقبول نہیں کریں گے اوراس کے خلاف آوازاٹھائیں گے۔اس معاہدے کوحلف اس لیے کہاگیاکہ معاہدہ کرنے والے لوگوں نے اس پہ کاربندرہنے کی قسم کھائی تھی اوراس کوحلف الفضول اس لیے کہاگیاکہ اس معاہدے میں فضیل بن شراعۃ ،فضل بن وداعہ اورفضل بن قضاعہ شامل تھے اس لیے اس کوحلف الفضول کہاگیا۔

جب یہ معاہدہ طے پاگیاتب وہ لوگ زبیدکے اس تاجرکے ہمراہ عاص بن وائل کے ہاں گئے اب مکہ کے اتنے معتبرلوگوں کی وجہ سے عاص مجبورہوگیااوراُس نے زبیدکے تاجرکاحق اداکردیا۔زبید کے تاجرنے ارکان حلف الفضول کودعائیں دیں۔

زبیدی تاجرکاحق واپس دلوانے پہ حضرت زبیرکوبہت خوشی حاصل ہوئی تھی چنانچہ اپنی مسرت کوانھوں

نے شعر کی زبان دی، اس موقع پہ کہے گئے کچھ شعر پیش خدمت ہیں۔

خَلَفْتُ لَنَعْقِدَنَّ حَلَفًا عَلَيْهِمْ
وَاِنْ كُنَّا جَمِيْعًا اَهْلَ الدَارِ

میں نے قسم اٹھائی کہ ہم اِن ظالموں کے خلاف ضرور معاہدہ کریں گے اگرچہ ہم تمام ہی مکہ کے مقیم ہیں۔“

✡✡✡✡✡✡✡✡

نُسَمِّيْهِ الفُضُوْلَ إِذَا عَقَدْنَا
يَعِزُّبِهِ الغَرِيْبُ لَدَى الْجِوَارِ

ہم نے اس کا نام حلف الفضول رکھا ہے کہ اس سے اجنبی مسافر بھی اپنے پناہ دینے والوں کے ہاں معزز ہو جائے گا۔“

✡✡✡✡✡✡✡✡

وَيَعْلَمُ مَنْ حَوَا لِى الْبَيْتِ اَنَّا
اُبَاةُ الضَيْمِ نَمْنَعُ كُلَّ عَارٍ

بیت اللہ کے ارد گرد بسنے والا جان لے گا کہ ہم ظلم کا انکار کرتے ہیں اور ظالم کو روکنے والے ہیں۔“

✡✡✡✡✡✡✡✡

إِنَّ الفُضُوْلَ تَحَالَفُوْا وَتَعَاقَدُوْا
اَلاَّ يُقِيْمَ بِبَطِنِ مَكَّةَ ظَالِمُ
حلف الفضول میں شامل لوگوں نے قسم کھائی ہے کہ اب کوئی ظالم مکہ میں نہ ٹھہر سکے گا۔"

۞۞۞۞۞۞۞۞

اَمْرٌ عَلَيْهِ تَعَاهَدُوْا وَتَوَاثَقُوْا
فَالْجَارُ وَالْمُعْتَرُّ فِيْهِمْ سَالِمُ
یہ امر متفقہ ہے جس پہ سب نے اتفاق کیا ہے کہ پردیسی اور فقیر جو اِن کے ہاں پناہ لے گا وہ ہر قسم کے ظلم سے محفوظ ہوجائے گا[43*] ۔"

۞۞۞۞۞۞۞۞

نبی اکرم ﷺ نے مدتوں اس معاہدے کو یاد رکھا اور آپ ﷺ ہمیشہ اس کی تعریف کیا کرتے تھے چنانچہ ایک دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں عبداللہ بن جدعان کے گھر اُس وقت موجود تھا جب ہم لوگوں نے حلف الفضول پہ قسم کھائی تھی۔وہ معاہدہ مجھے اس قدر محبوب ہے کہ اگر اس کے بدلے کوئی مجھے سو سرخ اونٹ بھی دے میں تب بھی اس معاہدے سے منحرف نہ ہوں۔ایک اور جگہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر آج بھی مجھے کوئی اس قسم کے معاہدے کے لیے پکارے تو میں دوڑ کر اُن میں شامل ہوجاؤں۔حلف الفضول کے معاہدے سے اہل مکہ کو یہ فائدہ حاصل ہوا کہ اُن کی نیک نامی کو استحکام حاصل ہوگیا اور وہ تھوڑے سے لوگ جو معاشرے میں گند پھیلا رہے تھے اب اُن کے سامنے حلف الفضول کے معاہدے پہ کاربند قبائل کے ہتھیار بند نوجوان تھے جو ظالم کے لیے قہر تھے۔

چنانچہ مورخین نے حلف الفضول کے کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ بنو خثعم کا ایک شخص عمرے کی نیت سے شہر مکہ میں اترا اُس کے ساتھ اُس کی نوجوان بیٹی بھی تھی جس کا حسن لوگوں کو

دیوانہ کیے دیتا تھا اور شہر مکہ کے بدکاروں کی نظریں اس پہ ٹھہری سی گئی تھیں۔

پھر مکہ کے ایک شخص عبیہہ بن حجاج نے اس لڑکی کو اغوا کرلیا۔

تو وہ خثمی شخص بیت اللہ میں آیا اور دہائی دی کہ شہر مکہ میں اس پہ ظلم ہوا ہے تو کون ہے جو اس ظلم کے خلاف میری مدد کو آئے۔

لوگ اس کے پاس پہنچے اور کہا!

ماجرہ کیا ہے؟ اس شخص نے جواب دیا کہ مکہ کے فلاں شخص نے میری نوجوان اور خوبرو بیٹی کو اغوا کرلیا ہے۔

لوگوں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ حلف الفضول والوں کے پاس جائے۔

چنانچہ وہ حضرت زبیر بن عبدالمطلب کے پاس پہنچا؟

حضرت زبیر بن عبدالمطلب نے اپنے ساتھیوں کو اکٹھا کیا اور بہت سے تلوار بردار نبیہہ بن حجاج کے گھر پہنچے۔

اہل حلف الفضول نے نبیہہ بن حجاج سے کہا اس سے قبل کہ تیرا خون زمین پہ گرے اس شخص کی لڑکی کو واپس کردو ورنہ تُو جانتا ہے کہ ہم اہل حلف الفضول ہیں اور ہم نے قسم کھائی ہے کہ ظالم کو اس کے ظلم سے روک کے رہیں گے۔

نبیہہ بن حجاج نے رعونت سے کہا؛

ٹھیک ہے لڑکی میرے پاس ہے کل صبح اسے لے جانا۔

تب حضرت زبیر کے ساتھ آئے لوگوں میں سے کسی نے اس کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر اسے اُس کے گھر سے باہر کھینچ لیا اور کہا؛

تم نے جو بات کہی ہے وہ اسی طرح ناممکن ہے جس طرح حاملہ اونٹنی سے دودھ نہیں نکالا جاسکتا۔

نبیہہ بن حجاج نے اُس شخص سے کہا:

جس نے اُس کے گریبان میں ہاتھ ڈال رکھا تھا"۔

آج سے میری تمھاری جنگ ہے دراصل وہ کہنا چاہتا تھا کہ میرا قبیلہ طاقتور ہے اور تمھارا قبیلہ کمزور

تب حضرت زبیر نے اس سے کہا؛

تو بنو کنانہ کی لاشوں سے گزر کر ہی اس شخص تک پہنچ سکتا ہے۔

تب وہ شخص یعنی نبیہ بن حجاج سمجھ گیا کہ اس کی خیریت اسی میں ہے کہ وہ اس لڑکی کو اس کے وارث کے حوالے کر دے۔

چنانچہ اہل حلف الفضول نے لڑکی کو اس کے باپ کے حوالے کر دیا جس نے انھیں دعائیں دی اور اہل مکہ کے عدل وانصاف کو داد دی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

مورخین نے بیان کیا ہے کہ پھر ایک مدت تک شہر مکہ میں کسی پہ ظلم نہیں کیا گیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان آنحضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ یاد رہے کہ نبی اکرم ﷺ حلف الفضول کے ارکان میں شامل تھے اور نہایت رغبت کے ساتھ نکلا کرتے تاکہ ظلم کا استحصال کیا جا سکے۔ قبل از نبوت آنحضرت محمد ﷺ کی زندگی پہ نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ اگر چہ آپ ﷺ عرب کی روایتی برائیوں سے محفوظ تھے اور آپ ﷺ نے نہ کبھی عرب شعرا کی محفل میں شرکت کی نہ قصہ گوئی کی کسی محفل میں بیٹھے نہ آپ ﷺ نے اپنی بڑائی بیان کی اور نہ کبھی ایسے لوگوں کے ساتھ محفل کی جن کی شہرت داغدار تھی۔

مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ ﷺ اپنے معاشرے سے الگ تھلگ کوئی راہبانہ قسم کی زندگی بسر کرتے تھے بلکہ اس کے برعکس آپ لوگوں کے غم میں شامل ہوتے تھے۔ اُن کی خوشی میں شرکت کرتے تھے قوم اور قبیلے کے معاملات پہ نظر رکھتے تھے۔ اپنے چچا حضرت ابو طالب کی خوب معاونت کرتے تھے اور تجارت میں مشغول رہتے تھے۔ آپ ﷺ کے بہت سے تجارتی سفروں کا ذکر مورخین نے کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہمیشہ کامیابی سے ہمکنار کیا۔ چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے معاشرے کے ایک متحرک اور فعال شخص تھے اپنی قوم کے سیاسی، معاشی، ثقافتی اور سماجی معاملوں میں پوری طرح دخیل تھے۔ آپ ﷺ کی رائے کو صائب تصور کیا جاتا جیسا کہ عرب کے اہل دانش کی باتوں کو رد نہیں کیا جاتا اور حلف الفضول بھی تو آپ ﷺ کی سماجی زندگی کی

ایک جھلک ہے۔تجارت میں آپ ﷺ کی امانت اور دیانت اور آپ ﷺ کے لوگوں کے ساتھ دیگر معاملات میں احسن عمل اور خوش اخلاقی کی وجہ سے بعثت سے بہت پہلے ہی اہل مکہ نے آپ ﷺ کو صادق اور امین جیسے لقب عطا کر دیئے تھے۔اگر چہ وہ نہیں جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کا نام تو اتنا بلند کرنے والے ہیں جس کا عربوں نے کبھی تصور بھی نہ کیا ہوگا۔

حلف الفضول جیسے معاہدے میں شرکت کرنے سے آپ ﷺ نے جس فخر کا اظہار کیا ہے اس سے آپ ﷺ کے رجحانات کا اندازہ با آسانی لگایا جا سکتا ہے۔چنانچہ ابھی اوپر جس واقعے کا ذکر گزرا ہے کہ بنو خثم کی اغوا شدہ لڑکی کو جس طرح اہل حلف الفضول نے رہائی دلائی تو یہ عربوں کے لیے ایک اجنبی منظر تھا اس لیے کہ اس سے قبل تو یہ ہوتا آیا تھا کہ اگر کسی سے زیادتی ہوتی تو اگر اس کا قبیلہ طاقتور ہوتا تو بدلہ لے لیتا ورنہ خاموش ہو رہتا اور اس طرح کے خدائی فوجدار عرب معاشرے میں ناپید تھے جس کی بنا آنخضرت محمد ﷺ نے اپنے چچاؤں کے ساتھ مل کے اس معاہدے بنا رکھی تھی۔چنانچہ ابن نبیہہ سے جب وہ لڑکی بازیاب کرالی گئی کہ ابھی اُس نے اپنی خواہش بھی پوری نہ کی تھی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اس دکھ میں ابن نبیہہ نے کچھ اشعار کہے انتخاب پیش خدمت ہے۔

رَاحَ صُبْحِیْ وَلَمْ اُحَیِّ الفَتُوْلَا

لَمْ اُدَدِّعُھُمْ وِدَاعًا جَمِیْلًا

میرے ساتھی میرے پاس آ گئے اگر چہ میں نے ابھی تک فتول کا سلام بھی نہ کیا تھا اور نہ ہی اسے اچھی طرح الوادع کہا تھا۔"

❖❖❖❖❖❖❖❖

اِذْ اَجِدُ الفُضُوْلَ یَمْنَعُوْھَا
قَدْ اَرَانِیْ وَلَا اَخَافُ الفَضَوْلَا

پھر میں نے یہ جانا کہ حلف الفضول والے اس کا دفاع کر رہے لیکن میں اُن سے خوفزدہ نہ تھا۔"

۞۞۞۞۞۞۞۞

حَلَّت بِھا مَۃ حِلَّۃَ
مِنْ بَیْتِھَا وَطَائِھَا

میں نے سنا کہ تہامہ کے گھروں اور پست زمینوں میں ایک قبیلہ فروکش ہوا ہے۔"

۞۞۞۞۞۞۞۞

وَلَھَا بِمَکَّۃَ مَنْزِلٌ
مِنْ سَھلِھَا وَحَرَئِھَا

وہ مکہ کے میدانوں اور اس کی وادیٔ میں خیمہ زن ہوئے اور اُن کا قیام مکہ معظّمہ کی وادیٔ میں تھا۔"

۞۞۞۞۞۞۞۞

اَخَذَتْ بَشَاشَۃَ قَلْبِہِ
وَنَاتْ فَکَیْفَ بَنَا بِھَا

میرے دل نے اُس کے دل کی خوشی کو پکڑ لیا اور وہ چلائی پر اس کا چلانا کیسا تھا۔"

۞۞۞۞۞۞۞۞

ایک تاجر کے طور پر رسول اللہ ﷺ کے حالات اگرچہ ہم نے تفصیلاً بیان کرنے کوشش ضرور کی ہے مگر یہ موضوع الگ سے ایک کتاب کا متقاضی ہے، رسول ﷺ کی فصاحت و بلاغت، سیاست وحربیت پر تو میں نے کئی کتابیں دیکھی ہیں مگر اس موضوع کا کسی کو خیال نہیں آیا۔

16 قبل نبوت، 28 قبل ہجرت، 594ء

پھر سے سفرِ شام

جزیرۃ العرب میں عام طور پہ لوگوں کا پیشہ گلہ بانی تھا کہ اُن کے ریگ زاروں میں کھیتی باڑی ممکن نہ تھی۔ اس لیے وہ یا تو گلہ بانی کرتے یا پھر لوٹ مار۔ اور اس دوسرے پیشے کے لیے اُن کے وسیع و عریض صحرا اُن کے معاون تھے۔ وہ راہزنی کرتے اور صحرا کی وسعت میں یوں گم ہوتے جیسے ہوا چپکے سے گزر جاتی ہے مگر دکھائی نہیں دیتی اور اکثر بدوی اسی پیشے سے منسلک تھے۔ تاہم خاص مکہ کے شہری تاجر تھے اور تجارت ہی اِن کا پیشہ تھا۔ قریش عربوں کے سربراہ تھے اور عربوں کی تجارت دراصل قریش مکہ ہی کے ہاتھ میں تھی۔ مورخین نے لکھا ہے کہ تجارت میں جتنا پیسہ عبد مناف کے بیٹوں نے کمایا اتنا کسی نے نہ کمایا ہوگا۔ چنانچہ صورت حال یہ تھی کہ عبد مناف کے چاروں بیٹوں میں سے کسی ایک کا قافلہ مکہ سے رخصت ہو رہا ہوتا تو اس کے کسی دوسرے بیٹے کا قافلہ مکہ میں اترنے کو ہوتا۔ عرب عام طور پہ مشرق اور مشرق بعید کے ممالک سے آنے والی اجناس یعنی گرم مصالحے اور ریشم وغیرہ خرید لیتے اور انھیں اپنے اونٹوں پہ لاد کر بحیرہ روم کی بندرگاہوں اور دور شام کے اندرونی علاقوں تک پہنچاتے۔ چونکہ قریش اہل حرم تھے اور اُن کا تقدس عرب

بھر میں معروف تھا اس لیے اُن کے تجارتی قافلے راہزنوں کی لوٹ مار سے بھی محفوظ رہتے اور شام و یمن و حبشہ کے بادشاہوں کے ساتھ بنو عبد مناف کے عمدہ تعلقات کی وجہ سے اُن کے قافلے بہت سے محاصل سے بھی بچے رہتے جس کی بنا اہل مکہ کو کئی گناہ منافع حاصل ہوتا اور وہ ایک آسودہ شہری زندگی بسر کرتے۔ اگرچہ مکہ کا ہر شہری تاجر نہ تھا نہ ہر شہری متمول تھا تاہم چونکہ اُن کے قافلے دور دراز کی مسافتوں کو روانہ ہوتے رہتے اس لیے جو لوگ اس بات کی طاقت نہ رکھتے کہ وہ خود تجارت کر سکیں وہ مکہ کے متمول تاجروں کا ہاتھ بٹاتے اور کئی طرح سے اُن کے شریک کاروبار ہو جاتے۔ جیسے کہ بہت سے عرب دوسرے لوگوں کا مال لے کر دور دراز کا سفر کرتے اور اپنا طے شدہ معاوضہ حاصل کر کے ایک طرف ہو جاتے اسی طرح کچھ لوگ اپنے اونٹ لے کر اِن قافلوں میں شامل ہو جاتے اور کچھ لوگ بار برداری کا کام کرتے کچھ لوگ قافلے کی حفاظت کے فرائض سرانجام دیتے تو کچھ لوگ بیچ صحرا قافلوں کو سیدھی راہ دکھانے کا کام کرتے اور تاجر سے اپنا طے شدہ معاوضہ حاصل کرتے اس طرح تقریباً سبھی اہل مکہ تجارت کے اس وسیع سلسلے سے منسلک ہو جاتے تھے۔

عرب کے متمول تاجروں میں سے ایک حضرت خدیجہؓ بھی تھیں جن کے تجارتی قافلے مکہ سے رخصت ہوتے اور مکہ میں اترا کرتے ۔

حضرت خدیجہؓ کا تجارتی قافلہ عام طور پہ اتنا بڑا ہوا کرتا کہ سارے اہل مکہ کا تجارتی قافلہ ایک طرف اور خدیجہؓ بنت خویلد کا ذاتی تجارتی قافلہ ایک طرف ہوتا۔ اور اُن دنوں مکہ قحط کی حالت میں تھا اور حضرت ابوطالب کی مالی حالت قابل قدر نہ تھی اس لیے انھوں نے آنحضرت محمد ﷺ سے کہا:

تمھاری قوم کے تجارتی قافلے اکھٹے ہو رہے ہیں اور میری حالت تم دیکھ ہی رہے ہو اور نہ ہمارے پاس پیسہ ہے کہ ہم اپنا تجارتی قافلہ روانہ کر سکتے اس لیے اگر تم خدیجہ بنت خویلد سے مل لیتے تو وہ تمہیں اچھا معاوضہ دیتیں۔

اگرچہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میں تمہیں ملک شام کی طرف روانہ کروں کہ مجھے تمھارے بارے میں یہودیوں سے ڈر رہتا ہے مگر اس قحط نے ہماری کمر توڑ دی ہے اس لیے مجھے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نظر نہیں آتا کہ تم خدیجہ بن خویلد سے اُن کے تجارتی قافلے کے بارے میں بات کرو۔

شاید وہ خود ہی مجھے بلوا بھیجیں۔

آنحضرت محمد ﷺ نے جواب دیا؛

مجھے خدشہ ہے کہ وہ کسی اور سے معاملہ طے نہ کرلیں پھر تم ایک ایسی چیز طلب کرو گے جو گزر چکی ہو گی۔

آنحضرت محمد ﷺ نے اپنے چچا کی اس بات کا کوئی جواب نہ دیا اور وہاں سے اٹھ آئے۔

دراصل آپ ﷺ کی خودداری آپ ﷺ کو اس بات کی جازت نہ دیتی تھی کہ آپ ﷺ کسی سے سوال کریں۔

تاہم اِن چچا بھتیجا کے درمیان جو بات چیت ہوئی اس کا علم کسی طرح خدیجہ بنت خویلد کو بھی ہو گیا اور انھوں نے آنحضرت محمد ﷺ کو بلا بھیجا؛

انھوں نے کہا؛

بخدا مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ کا یہ ارادہ ہے ورنہ آپ سے بہتر عرب بھر میں کون ہوسکتا ہے۔

چنانچہ حضرت خدیجہ کے بلانے پہ آنحضرت محمد ﷺ اُن کی طرف گئے۔

انھوں نے آپ ﷺ کی بہت تکریم کی اور کہا؛

بخدا مجھے آپ ﷺ کی سچائی، امانت داری اور نیک اخلاق کی خبر ہے اور میں نہیں سمجھتی کہ میرے قافلے کے لیے آپ ﷺ سے بہتر کوئی اور ہوسکتا ہے پھر ہم قرابت دار ہیں اس لیے میں اپنے دوسرے لوگوں کو جو معاوضہ دیتی ہوں آپ ﷺ کو اس سے دوگنا دوں گی۔

آنحضرت محمد ﷺ نے خدیجہ بنت خویلد کی اس خوش کن پیش کش کو قبول فرمالیا۔

جب اس امر کی خبر حضرت ابو طالب کو ہوئی تو بہت خوش ہوئے اور انھوں نے آنحضرت محمد ﷺ سے کہا؛

یہ وہ روزی ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے پیدا فرمائی ہے۔

آنحضرت محمد ﷺ اس سے پہلے اپنے چچا ابو طالب کیساتھ قریش کے ایک تجارتی کارواں کے ہمراہ شام کا سفر کر چکے تھے اور اس بار آنحضرت محمد ﷺ خدیجہ بنت خویلد کا تجارتی قافلہ لے کے روانہ ہورہے تھے۔قافلہ مکہ سے روانہ ہوا اور حضرت خدیجہ نے آنحضرت محمد ﷺ کی خدمت کے

لیے اپنے غلام میسرہ کو آپ ﷺ کے ہمراہ روانہ کیا۔

حضرت خدیجہ بنت خویلد نے میسرہ سے کہا؛

اِن ﷺ کی کسی معاملے میں نافرمانی نہ کرنا نہ اِن کی رائے سے اختلاف کرنا۔

چونکہ یہ آنحضرت محمد ﷺ کا ذاتی طور پہ پہلا بڑا سفر تھا اور اُن کا تجارتی قافلہ بھی بہت بڑا تھا جس کی سربراہی خدیجہ بنت خویلد نے آنحضرت محمد ﷺ کو سونپی تھی تو آپ ﷺ کے چچا حضرت ابو طالب کا فکرمند ہونا نہایت فطری تھا اس لیے وہ قافلے کے روانہ ہونے سے پہلے قافلے کے چاروں طرف گھوم رہے تھے انتظامات کی جانچ پڑتال کر رہے تھے۔ وہ قافلے میں شامل بڑی عمر کے لوگوں کو آنحضرت محمد ﷺ کی مدد و اعانت کی طرف مائل کر رہے تھے۔

اور میسرہ ہر دم آپ ﷺ کی خدمت پہ کمربستہ تھا اس لیے کہ آپ ﷺ کے عمدہ اخلاق کی وجہ سے ہر کوئی جلد ہی آپ ﷺ کا گرویدہ ہو جایا کرتا۔

پھر میسرہ نے اللہ کے ہاں بھی آپ ﷺ کی شان دیکھ لی تھی۔

اس نے دیکھا کہ؛

جب دھوپ تیز ہو جاتی ہے اور لوگوں کو جھلسانے لگتی ہے تو نجانے کہاں سے دو فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور اپنے پروں سے آپ ﷺ پہ سایہ کیے رکھتے ہیں۔

پھر میسرہ نے یہ عجب منظر بھی دیکھا کہ؛

قافلے کے دو اونٹ پیچھے رہ گئے وہ بہت تھک گئے تھے اور چلنے سے انکاری ہو گئے تھے۔ حضور اکرم ﷺ اس وقت کارواں کے اگلے حصے میں تھے اور میسرہ ان اونٹوں کے ساتھ پیچھے رہ گیا۔

چنانچہ میسرہ نے کسی کو آپ ﷺ کی طرف دوڑایا اور اپنی پریشانی بیان کی۔

آپ ﷺ فوراً تشریف لائے۔

آپ ﷺ نے دیکھا کہ دو اونٹ بیٹھے ہیں اور چلنے سے انکاری ہیں میسرہ اُن کو کوڑے سے مار رہا ہے مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوتے۔

آپ ﷺ نے میسرہ سے کہا' رُک جاؤ۔

اس کے بعد آپ ﷺ ایک اونٹ کے پاس گئے اور اُس کے کان میں کچھ کہا؛

اونٹ اُٹھ کھڑا ہوا۔

پھر آپ ﷺ دوسرے اونٹ کی طرف گئے اور اس کے کان میں بھی کچھ کہا؛

وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا''۔

آپ ﷺ نے میسرہ سے کہا:

بے فکر ہو جاؤ اب یہ تمہیں پریشان نہیں کریں گے۔

اور میسرہ حیران رہ گیا کہ وہ اونٹ اب نہ صرف تیزی سے چل رہے تھے بلکہ اس کوشش میں تھے کہ دوسروں سے آگے بڑھ جائیں۔

قافلہ منزلوں پہ منزلیں مارتا رہا اور پھر قافلہ بصریٰ میں اترا۔

اور اسی درخت کے نیچے اترا جہاں آنحضرت محمد ﷺ پندرہ سال پہلے اترے تھے اور وہیں وہ خانقاہ تھی جہاں بحیریٰ راہب رہا کرتا تھا۔

بحیریٰ انتقال کر چکا تھا اور اب اس خانقاہ میں نسطورا تھا۔

منظر وہی برسوں پرانا تھا، قریش کا ایک قافلہ اترتا ہے اور خانقاہ کا راہب دیکھتا ہے کہ ایک سوار پہ فرشتے اپنے پروں سے سایہ کرتے ہیں۔

اور وہ جان جاتا ہے کہ یہ سوار عام آدمیوں سے بلند تر ہے۔

چنانچہ تب بحیریٰ خانقاہ سے اترا تھا اور اس کے دل میں تجسس تھا اب کے نسطورا خانقاہ سے اترا تھا اور اس کے دل میں بھی تجسس تھا۔

بحیریٰ بھی جان گیا تھا کہ وہ اللہ کے نبی ہیں اور آنحضرت محمد ﷺ کی آنکھوں کی سرخی دیکھتے ہی نسطورا بھی پکار اٹھتا ہے کہ یہ تو اللہ کے نبی ہیں۔

نسطورا جب خانقاہ سے اترا ہے تو وہ میسرہ سے ملتا ہے۔

کہ میسرہ خدیجہ بنت خویلد کے قافلوں کے ساتھ یہاں سے گزرتا رہتا تھا اس لیے نسطورا راہب سے اس کی صاحب سلامت تھی۔

اس لیے نسطورا نے میسرہ سے پوچھا یہ کون ہیں؟

میسرہ نے کہا! یہ اہل حرم میں سے ہیں۔

نسطورا نے میسرہ سے پوچھا؟ کیا اِن کی آنکھوں میں سرخی ہے۔

ہاں اِن کی آنکھیں تو ہمیشہ سرخ ہی رہتی ہیں۔

میسرہ نے کہا کہ آنحضرت محمد ﷺ کی آنکھوں میں جو سرخی تھی وہ سفید ڈھیلے میں تھی جس کو عرب شکلہ کہتے تھے اس لیے آپ ﷺ کے حلیہ مبارک کے متعلق بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ " **اَشْکَلُ الْعَیْنِ** " تھے۔

یعنی ایسی آنکھوں والے تھے جن میں سفیدی مائل سرخی ہوتی تھی۔

نسطورا راہب پرانی کتابوں کا امین تھا اور وہ جانتا تھا کہ اُن کتابوں میں آنحضرت محمد ﷺ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اُن کی آنکھوں کی سرخی بھی ہے۔یعنی شکلہ کا ذکر نبی آخر ﷺ کے حوالے سے قدیم کتابوں میں مذکور ہے۔

علامہ نیشاپوری نے اپنی سیرت کی کتاب " **شرف** " میں لکھا ہے کہ؛

جب نسطورا راہب نے دیکھا کہ ایک بدلی آپ ﷺ پہ سایہ کیے ہوئے ہے تو وہ ڈر گیا اور اس نے قافلے والوں سے کہا کہ تم اِن کے کیا ہو۔

قافلہ والوں نے کہا: ہم اہل قریش ہیں، اہل حرم ہیں۔

چنانچہ نسطورا راہب آنحضرت محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

نسطورا نے کہا؛

میں آپ ﷺ کی شان دیکھ رہا ہوں۔کیا آپ ﷺ مجھے اپنے بارے میں کچھ بتائیں گے اور کیا میں جو سمجھا ہوں وہ درست ہے اور کیا آپ ﷺ مجھے اپنی کمر دکھائیں گے کہ میں اپنے خیالات کی تصدیق کر سکوں؟

آپ ﷺ نے فرمایا! ہاں دیکھ لو۔

پھر آپ ﷺ نے اپنے کندھے سے کپڑا اہٹا دیا۔

اور وہاں مہر نبوت اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہی تھی۔

نسطورا راہب نے وارفتگی میں کہا؛

آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں اور آپ ﷺ گواہ رہنا کہ میں آپ ﷺ پہ ایمان لے آیا ہوں اور

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ وہی ہیں جن کا تذکرہ ہماری قدیم کتابوں میں موجود ہے۔
میں نے آپ ﷺ میں وہ تمام نشانیاں پالی ہیں جن کا میں مشتاق تھا۔
میں اس امر کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ ہی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر امیؐ ہیں جن کے متعلق حضرت عیسیٰ ابن مریم نے ہمیں خوشخبری دی تھی اور انھوں نے کہا تھا کہ وہ۔
ان پڑھ ہوں گے"۔
ہاشمی ہوں گے"
عربی ہوں گے"۔
مکی ہوں گے"۔
اور وہی حوض کوثر والے ہیں وہی شفاعت والے ہیں وہی احمد ہیں جن کے ہاتھ علم ہوگا"۔
اس کے بعد نسطورا راہب آگے بڑھا اور اُس نے آپ ﷺ کی پیشانی کو بوسہ دیا پھر آپ ﷺ کی مہر نبوت کو بوسہ دیا اس کے بعد آپ ﷺ کے قدموں کو بوسہ دیا اور اس کے بعد اپ ﷺ پہ ایمان لانے کا اظہار کیا۔
اسی لیے متاخرین میں سے کئی علماء نے نسطورا راہب کو صحابہؓ میں شامل کیا ہے۔
جب کہ بعض نے اس پہ تنقید کی ہے اُن کا موقف یہ ہے کہ اُس وقت تک آپ ﷺ کو مبعوث نہ کیا گیا تھا اس لیے نسطورا کو صحابہ میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔
واللہ و عالم

البتہ علامہ شامی نے آنحضرت محمد ﷺ سے نسطورا کی ملاقات کو قدرے مختلف انداز سے بیان کیا ہے۔اُن کا بیان بھی دلچسپی سے خالی نہیں اس لیے ہم اسے یہاں تحریر کر رہے ہیں۔
بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ نے نسطورا راہب کی خانقاہ کے پاس ایک درخت کے نیچے قیام کیا۔چونکہ نسطورا راہب خدیجہ بنت خویلد کے غلام میسرہ کو جانتا تھا اس لیے اُس نے میسرہ سے پوچھا؟
کہ یہ اس درخت کے نیچے اترنے والا شخص کون ہے؟

میسرہ نے کہا! یہ اہل حرم میں سے ہیں؟

نسطورا نے میسرہ سے کہا؛

کیا تم جانتے ہو کہ اس درخت کے نیچے اللہ کے نبی کے سوا کوئی نہیں اتر سکتا؛

نسطورا راہب نے یہ باتیں اپنی خانقاہ کے دروازے پہ کھڑے کھڑے کی تھیں اور اس کی خانقاہ کسی قدر اونچائی پہ تھی۔

غرض راہب نے جب دیکھا کہ؛

ایک بدلی بھی اُن پہ سایہ کیے ہوئے ہے۔تو وہ بے اختیار اپنی خانقاہ سے نیچے اتر آیا اور آنحضرت محمد ﷺ کی طرف چلا آیا۔

وہ آپ ﷺ کے پاس پہنچا اور کہا' لات وعزیٰ کی قسم؛

بتاؤ تمھارا نام کیا ہے۔

تاہم آپ ﷺ نے اُس کے منہ سے لات وعزیٰ کا نام سنتے ہی اپنی بے زاری کا اظہار کیا اور اسے کہا مجھ سے دور ہٹو۔

میرے قریب مت آؤ۔

اُس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا راہب کبھی اپنے کاغذ کو دیکھتا اور کبھی وہ آپ ﷺ کو دیکھتا۔پھر خود ہی کہنے لگا؛

تورات والے کی قسم یہ تو وہی ہیں۔

قافلے کے کئی لوگ اس منظر کو دیکھ رہے تھے وہ دیکھ رہے تھے کہ باوجود آپ ﷺ کے منع کرنے کے وہ راہب آپ ﷺ کی طرف بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے اور کئی عرب جانتے تھے کہ آنحضرت محمد ﷺ کو یہودیوں اور عیسائیوں سے خطرہ ہے اس لیے وہ چوکنے ہو گئے تھے۔

اور جب انھوں نے دیکھا کہ وہ راہب رکنے والا نہیں تو اُن میں سے کوئی پکارا؛

یا آلِ غالب، یا آلِ غالب

اور غالب کی اولاد نے تلواریں نکال لیں اور نسطورا راہب کی جانب لپکے۔

نسطورا راہب نے یہ منظر دیکھا تو بھاگ کے اپنی خانقاہ میں چھپ گیا اور اس کی کھڑکی سے پکارا اور

لوگوں سے کہا؛

اے قوم قریش؛

تم کو میری طرف سے غلطی فہمی ہوئی ہے قسم ہے اس ذات کی جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے اٹھا دیا ہے میں اس تحریر کو دیکھ رہا تھا جسے میں نے پرانی کتابوں سے پایا ہے اور جس میں لکھا ہوا پا تا ہوں کہ اس درخت کے نیچے اترنے والا شخص رب العالمین کا پیغمبر یعنی رسول اللہ ﷺ ہیں جس کو اللہ تعالیٰ ننگی تلوار کے ساتھ اور زبردست امداد کے ساتھ ظاہر فرمائیں گے اور یہ خاتم النبین ہیں کہ اِن کے بعد کوئی پیغمبر آنے والا نہیں ہے اور اب جو شخص اِن کی اطاعت اور فرمانبرداری کرے گا وہ نجات پائے گا اور جو اِن کی نافرمانی کرے گا ذلیل ہوگا اس لیے تم گواہ رہنا کہ میں اِن پہ ایمان لانے کا اعلان کرتا ہوں۔

علامہ شامی کہتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ بصری میں آپ ﷺ کی دیگر کیا مصروفیات رہیں اور آپ ﷺ نے کیا خریدا اور کیا فروخت کیا ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ بصریٰ کے بازار میں آپ ﷺ کی کسی تاجر سے تکرار ہوئی تو اس نے کہا لات وعزیٰ کی قسم کھائیں۔

تو آپ ﷺ نے کہا؛

میں کبھی ان کی قسم نہیں کھاتا بلکہ میں اِن سے بے زار ہوں۔

اس شخص نے حیرت سے آپ ﷺ کی طرف دیکھا مگر آپ ﷺ چل دیئے۔

میسرہ آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چل دیا۔اُس شخص نے میسرہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا! یہ کون ہیں؟

محمد ﷺ اہل حرم سے ہیں"۔

وہ شخص اہل کتاب سے تھا اور اپنی کتاب کا عالم تھا۔

اس نے میسرہ سے کہا خدا کی قسم یہ وہی ہیں جن کا ذکر ہماری کتاب میں آیا ہے اور یہ اللہ کے نبی ہیں ہمارے علماء اِن کے بارے میں جانتے ہیں۔

میسرہ نے کہا؛

میں نے آپ کی بات کو قبول کیا اور پھر وہ آپ ﷺ کے پیچھے دوڑا۔

آنحضرت محمد ﷺ نہایت عمدہ تاجر تھے اس لیے جب انھوں نے خدیجہ بنت خویلد کے مال

تجارت کو فروخت کیا تو اُس سے اتنا منافع حاصل ہوا جتنا اس سے قبل کبھی نہ ہوا تھا۔اتنا زبردست منافع دیکھ کر خدیجہ بنت خویلد کا غلام حیران رہ گیا اور اسے کہنا پڑا کہ میں برسوں سے خدیجہ بنت خویلد کے قافلوں کے ساتھ آ تا رہا ہوں مگر میں نے اتنا منافع پہلے کبھی نہیں دیکھا۔

الغرض جب آنحضرت محمد ﷺ کا قافلہ تجارت سے فارغ ہو گیا تو وہ شہر مکہ کو واپس ہوا۔

اور میسرہ مسلسل اس بات کا مشاہدہ کرتا چلا آ رہا تھا کہ جب سورج اپنے شباب کو پہنچ جاتا تو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں اور اپنے پروں سے آنحضرت محمد ﷺ پہ سایہ کرتے ہیں۔

مورخین نے بیان کیا ہے کہ؛

اللہ تعالیٰ نے میسرہ کے دل میں آنحضرت محمد ﷺ کی محبت ڈال دی تھی کیونکہ اس سفر میں میسرہ نے آنحضرت محمد ﷺ کی شرافت، نیکی، سچائی، ایمانداری اور خوش اخلاقی کا بھرپور مشاہدہ کیا تھا۔اس لیے وہ آپ ﷺ کا گرویدہ ہو چکا تھا اور آپ ﷺ کی یوں خدمت کرتا جیسے کہ وہ خدیجہ بنت خویلد کا غلام نہ ہو بلکہ آپ ﷺ کا غلام ہو۔

الغرض نبی پاک ﷺ کا قافلہ ودائ مہر الظہر ان کے مقام پہ پہنچا جو مکہ اور عسفان کے درمیان ایک وادیٔ ہے تو قافلے نے وہاں پڑاؤ کیا۔

میسرہ نے آنحضرت محمد ﷺ سے کہا؛

اگر آپ پسند فرمائیں تو میں آپ ﷺ سے پہلے ہی مکہ روانہ ہو جاؤں اور خدیجہ بنت خویلد کو آپ ﷺ کی بے مثال کارکردگی کی خبر کروں۔

آپ ﷺ نے میسرہ کو اس امر کی اجازت دے دی۔

چنانچہ میسرہ اُسی شام کو مکہ پہنچ گیا اور میسرہ نے خدیجہ بنت خویلد سے ملاقات میں آنحضرت محمد ﷺ کی شخصیت اور کاروباری فراست کا ایسا نقشہ کھینچا کہ آپ ﷺ کی تعریفیں کرتے کرتے اُس کی زبان نہ تھکتی تھی۔اُس نے آپ ﷺ کی شرافت اور عمدہ اخلاق کی بے حد تعریف کی اور پھر یہ بھی کہا کہ؛

یہ تو وہ باتیں ہیں جو ہر کسی کو پیش آسکتی ہیں مگر میں نے دیکھا کہ اللہ کے ہاں اُن کا رتبہ اتنا بلند ہے کہ دھوپ سے بچانے کے لیے فرشتے اپنے پروں سے اُن کے سر پہ سایہ رکھتے ہیں۔

بصریٰ کے راہب نسطورا نے کہا کہ؛

آپ ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کی شان بہت بلند ہونے والی ہے۔

اگلی دوپہر جب وہ بلند شان والا سوار مکے میں داخل ہو رہا تھا تب حضرت خدیجہ بنت خویلد اپنی سہیلیوں کے ساتھ اپنے مکان کے بالا خانے میں موجود تھیں تا کہ وہ خود اُن امور کا مشاہدہ کر سکیں جن کی خبر انھیں اِن کے غلام میسرہ نے پہنچائی تھی اور آپ نے بہ چشم سر اس امر عجیب کا مشاہدہ کیا کہ آنحضرت محمد ﷺ کے سر پہ فرشتوں نے اپنے پروں سے سایہ کر رکھا ہے۔

حضرت خدیجہ بنت خویلد نے آنحضرت محمد ﷺ کو اُن کے طے شدہ معاوضے سے دوگنا معاوضہ دیا اور آپ ﷺ کی تجارت میں چابک دستی کی تعریف کی اور خدیجہ بنت خویلد سے دوگنا منافع حاصل ہونے پہ آپ ﷺ نے خوشی کا اظہار کیا۔

یاد رہے کہ اگرچہ مورخین نے خاص طور پہ سیرت نگاروں نے اسی سفر شام کا ذکر کیا ہے جس کا تذکرہ ابھی ہم نے کیا ہے مگر کئی مورخین نے لکھا ہے کہ سفر شام سے قبل بھی آنحضرت محمد ﷺ نے حضرت خدیجہ کے سامانِ تجارت کے ساتھ کئی سفر کیے تھے جن کا ذکر حاکم نے اپنی مستدرک میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ سفر شام سے قبل حضرت خدیجہ نے آپ ﷺ کو اپنے غلام میسرہ کے ساتھ حباشہ کی منڈی میں بھیجا تھا اور حباشہ ملک یمن کا ایک مقام ہے۔

اور مکہ سے حباشہ کا فاصلہ چھ رات کا سفر بیان کیا گیا ہے۔

یہاں خرید وفروخت کا ایک بازار لگا کرتا تھا جو ہر سال رجب میں شروع ہوا کرتا تھا اور تین دن تک یہ بازار خرید وفروخت کے لیے کھلا رہتا۔ چنانچہ آنحضرت محمد ﷺ اور حضرت خدیجہ کے غلام میسرہ نے یہاں سے ریشمی کپڑا خریدا اور مکہ واپس آئے جہاں وہ کپڑا فروخت کرنے سے انھیں خاطر خواہ منافع حاصل ہوا۔

اس کے علاوہ علامہ ذہبی نے حضرت جابرؓ سے یہ روایت بھی کی ہے کہ؛

خدیجہ بنت خویلد نے جرش کے دو سفروں میں بھی آنحضرت محمد ﷺ کی خدمات حاصل کیں اور دونوں مرتبہ معاوضے کے طور پہ انھوں نے آپ ﷺ کو دو دو جوان اونٹنیاں پیش کیں تھیں۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے جس قدر محبت کی اور حضرت خدیجہؓ نے جس طرح کا ایثار آپ سے کیا اور اپنا سارا مال آپ ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا۔ یہ ایک مثال ہے اسلام میں خاندانی نظام زندگی کا ایک طریق ہے جس کو اگر لوگ اختیار کریں تو یہی زندگی جنت بن جائے۔

15 قبل نبوت، 27 قبل ہجرت، 595ء

حضرت خدیجہؓ سے شادی

مورخین نے لکھا ہے کہ خدیجہ بنت خویلد مکہ کی متمول ترین خاتون تھیں لوگ اُن کو سیدۃ النساء اور طاہرہ کے لقب سے جانتے تھے۔ وہ ایک بیوہ خاتون تھیں، وہ صاحب ثروت تھیں، وہ ذی شرف تھیں، وہ صاحبِ جمال تھیں اس لیے مکہ کے اکثر معززین اُن سے نکاح کے خواہش مند تھے۔ تاہم اُن کی آنکھ میں کوئی نہ جچا تھا۔ امام سہیلی نے اُن کا نسب یوں بیان کیا ہے حضرت خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصیٰ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب''۔ نبی پاک ﷺ سے نکاح کرنے سے پہلے خدیجہ بنت خویلد کے دو نکاح ہو چکے تھے اُن کا سب سے پہلا نکاح عتیق بن عائذ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم سے ہوا تھا۔ عتیق سے آپ کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام عبد مناف بن عتیق تھا۔ عتیق کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہ کا نکاح ابو ہالہ سے ہوا اُن کا پورا نام ہالہ بن زرارہ تھا۔

بعض مورخین نے اُن کا نام زرارۃ بھی لکھا ہے"۔

زرارہ کا تعلق بنوعدی بن جروۃ بن اسید بن عمرو بن تمیم سے تھا۔ابو ہالہ سے حضرت خدیجہؓ کے ہاں بیٹا ہوا جس کا نام ہند بن زرارہ تھا۔

ابن ابی خثمہ کا قول ہے کہ؛

ہند ابی ہالہ نے تب وفات پائی جب بصرہ میں طاعون کی وبا پھیلی تھی جس میں بے شمار لوگ ہلاک ہو ئے تھے جس دن ہند بن ابی ہالہ نے انتقال کیا صرف اُس دن ستر ہزار افراد لقمہ اجل بنے۔

اور اتنے کثیر تعداد لوگوں کی ہلاکت کی وجہ سے لوگ ہند بن ابی ہالہ کے جنازے کی طرف توجہ نہ دے سکے تب کسی پکارنے والے نے پکارا اور لوگوں کو متوجہ کیا۔یہ اُس کی نعش پڑی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی گود میں کھیلا ہے اور اُن کی باہوں میں پروان چڑھا ہے۔لوگو! یہ ہند بن ابی ہالہ ہے۔لوگو ں نے جب یہ سنا تو انھوں نے اپنے پیاروں کی نعشوں کو یونہی چھوڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کی وجہ سے ہند بن ابی ہالہ کی طرف لپکے۔

کسی نے کہا؛ اِن کی نعش کو کندھوں پہ مت اٹھانا بلکہ انگلیوں کی پوروں پہ اٹھانا اور ایسا ہی کیا گیا پھر اُن کی نماز جنازہ کے بعد اُن کو دفن کیا گیا۔

امام عبداللہ سہیلیؒ نے لکھا ہے کہ؛

ہالہ سے حضرت خدیجہ کے دو اور بیٹے بھی تھے جن کے نام طاہر اور ہالۃ بیان کیے گئے ہیں۔بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ ہالۃ کی وفات کو چار سال ہوئے تھے جب حضرت خدیجہ نے ارادہ کیا کہ وہ آنحضرت محمد ﷺ سے نکاح کریں گی۔دراصل جب آپ ﷺ حضرت خدیجہ کا قافلہ لے کے شام گئے اور آپ نے آنحضرت محمد ﷺ کی فراست اور دانش کو جانا اور اس سے قبل آپ اُن کے خاندانی شرف کو بخوبی جانتی تھیں تو آپ کے ذہن میں خیال آیا کہ اگر وہ میری زندگی کے ساتھی بن جائیں تو اس میں بے پناہ خیر ہے۔چنانچہ انھوں نے اپنے چچا کے بیٹے ورقہ بن نوفل سے مشورہ کرنے کا سوچا اور انھوں نے ورقہ بن نوفل کو بلا بھیجا۔

حضرت خدیجہ نے ورقہ بن نوفل کو اُن امور سے آگاہ کیا جو میسرہ کے ذریعے اُن تک پہنچے تھے۔اس کے علاوہ انھوں نے نسطورا راہب کے بیان اور اُن فرشتوں کا تذکرہ بھی کیا جو اپنے پروں سے آپ

ﷺ پہ سایہ کرتے تھے۔انھوں نے یہ باتیں ورقہ بن نوفل کو اس لیے بتائیں کہ ورقہ بن نوفل سابقہ الہامی کتابوں کا علم رکھتے تھے۔ وہ قریش کے اُن چند آدمیوں میں سے تھے جنھوں زمانہ جاہلیت میں ہی رسوم جاہلیت سے اجتناب کیا تھا۔وہ خود کو دین ابراہیم کا پیرو بتاتے تھے اور اُن اساس کی تلاش میں رہتے جو دین ابراہیم سے بچ گئی تھیں اور ابھی تک عربوں میں مروّج تھیں۔وہ لوگوں کو بت پرستی سے روکا کرتے اور بت پرستی کی مذمت کرتے۔انھوں نے پہلے دین یہودیت اختیار کیا اس کے بعد وہ نصرانیت کی طرف آئے۔جب حضرت خدیجہ نے آنحضرت محمد ﷺ کے متعلق اُن کو یہ باتیں بتائیں تب وہ عیسائی تھے۔

خدیجہ تم نے جو باتیں محمد ﷺ کے بارے میں بتائی ہیں اگر وہ سچ ہیں تو جان لو کہ وہ محمد ﷺ ہی اس امت کے رسول ہیں۔میں یہ بات سمجھ چکا ہوں کہ یقیناً آپ ﷺ ہی اس امت کے نبی ہوں گے میں تو کب سے اُن کا منتظر ہوں اور سابقہ کتابوں سے حاصل ہوئے علم کی بنا پہ میں یہ بات بہ خوبی جانتا ہوں کہ اُن کے ظہور کا زمانہ بھی یہی ہے۔

ورقہ بن نوفل کا تفصیلاً تذکرہ کے عرب کے مواحدین کے باپ میں گزر چکا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ ورقہ بن نوفل ایک شریف الطبع اور نیک سیرت انسان تھے۔مورخین نے لکھا ہے کہ وہ دین حق کی تلاش میں اس قدر غرق رہے کہ انھیں شادی تک کرنے کا خیال نہ آیا۔جب حضرت خدیجہ نے اُن سے محمد ﷺ کا ماجرہ بیان کیا تب آپ کا وہ اشتیاق پھر ابھرا جس میں آپ مدتوں سے مبتلا تھے اور آپ کی اسی تلاش کا ذکر اُن کے اشعار میں بھی پایا جاتا ہے جو انھوں نے نبی اکرم ﷺ کے انتظار میں کہے تھے۔اور یہ اشعار بہت زیادہ ہیں اور اکثر مورخین نے اِن کا تذکرہ کیا ہے یہاں ہم صرف انتخاب پیش کر رہے ہیں۔

لَجَجْتُ وَكُنْتُ فِي الذِّكْرِ لَجُوْجًا
لِهَمٍّ طَالَمَا بَعَثَ النَّشِيْجَا

میں نے ایک ایسے معاملے کا بے حد انتظار کیا ہے جس نے رو رو کر گلو گرفتہ ہو کر بیٹھ جانے

والوں کو بھی اکثر مستعد کر دیا ہے۔“

✡✡✡✡✡✡✡✡

وَوَصْفٍ مِنْ خَدِيْجَةَ بَعْدَ وَصْفٍ
فَقَدْ طَالَ انْتِظَارِىْ يَا خَدِيْجَا

خدیجہ سے میں نے ایک کے بعد ایک وصف جانا اے خدیجہ! میرا انتظار بہت دراز ہو گیا ہے۔“

✡✡✡✡✡✡✡✡

بِبَطْنِ الْمَكَّتَيْنِ عَلٰى رَجَائِىْ
حَدِيْثَكَ اَنْ اَرَىْ مِنْهُ خُرُوْجَا

اے خدیجہ! میں سمجھتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ تمھاری بات کا ظہور مکہ کے دونوں بطنوں کے درمیان ہوگا۔“

✡✡✡✡✡✡✡✡

بِمَا خَبَّرْتَنَا مِنْ قَوْلِ قَسٍّ
مِنَ الرُّهْبَانِ اَكْرَهُ اَنْ يَعُوْجَا

میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ جس بات کی تم نے ہمیں خبر دی ہے وہ غلط ہو جائے۔“

✡✡✡✡✡✡✡✡

بِاَنَّ مُحَمَّدًا سَیَسُوْدُ فِیْنَا
وَیَخْصِمُ مَنْ یَکُوْنُ لَہٗ حَجِیْجَا

کہ محمد (ﷺ) عنقریب ہمارے سردار ہو جائیں گے اور اُن کی جانب سے جو شخص بحث کرے گا وہی غالب رہے گا۔''

۞۞۞۞۞۞۞۞

وَیَظْھَرُ فِی الْبَلَادِ ضَیَاءُ نُوْرٍ
یُقِیْمُ بِہٖ الْبَرِیَّۃَ اَنْ تَمُوْجَا

اور تمام شہروں میں اس نور کی روشنی پھیل جائے گی جو خلق خدا کو سیدھا چلائے گی اور منتشر ہونے سے بچائے گی۔''

۞۞۞۞۞۞۞۞

فَیَلْقٰی مَنْ یُحَارِبُہٗ خَسَارًا
وَیَلْقٰی مَنْ یُسَالِمُہٗ فُلُوْجَا

اس کے بعد جو آپ ﷺ سے جنگ کرے گا وہ پچھتائے گا اور جو آپ کی فرمانبرداری کرے گا مراد کو پہنچے گا۔''

۞۞۞۞۞۞۞۞

فَیَالَیْتِیْ اِذَا مَا کَانَ ذَاکُمْ
شَہِدْتُ وَکُنْتُ اَکْثَرَھُمْ وَلُوْجَا

کاش میں اس وقت بھی رہوں جب تمھارے سامنے اُن واقعات کا ظہور ہو اور کاش اس میں داخل ہونے والوں میں مَیں سب سے آگے ہوں۔''

۞۞۞۞۞۞۞۞

وَلُوْجًا فِیْ الَّذِیْ کَرِھَتْ قُرَیْشٌ
وَ لَوْ عَجَّتْ بِمَکَّتِھَا عَجِیْجَا

اس دین میں داخل ہو جاؤں جس سے قریش کو کراہت رہے گی اگرچہ وہ اپنے مکہ میں بہت کچھ چیخ وپکار کریں گے۔''

✡✡✡✡✡✡✡✡

اُرَجِّی بِالَّذِیْ کَرِھُوْا جَمِیْعًا
اِلٰی ذِیْ الْعَرْشِ اِنْ سَفَلُوْا عُرُوْجًا

جس چیز سے قریش کو یقیناً کراہت ہوگی اس چیز سے ہی میں مالک عرش کے پاس سے سرفرازی کا امیدوار ہوں جب کہ ان کے حصے میں ذلت آلے گی۔''

✡✡✡✡✡✡✡✡

وَھَلْ اَمْرُ السَّفَالَۃِ غَیْرُ کُفْرٍ
بِمَنْ یَخْتَارُ مَنْ سَمَکَ الْبُرُوْجَا

اور جس نے بلندی کو برجوں کے لیے منتخب فرمالیا ہے اس سے انکار کفر کے سوا بھی کوئی اور ذلت ہے۔''

✡✡✡✡✡✡✡✡

فَاِنْ یَبْقُوْا وَاَبْقَوْا وَاَبْقَ تَکُنْ اُمُوْرٌ
یَضَجُّ الْکَافِرُوْنَ لَھَا ضَجِیْجَا

اگر وہ بھی رہیں اور میں بھی رہوں تو وہ دیکھ لیں گے کہ ایسے ایسے واقعات رونما ہوں گے کہ کافر اُن پہ سخت آہ وزاری کریں گے۔''

✡✡✡✡✡✡✡✡

وَاِنْ ذَاهْلِکَ فَکُلُّ فَتًی سَیَلْقَیٰ
مِنَ الْاَقْدَارِ مَتْلَفَةً خُرُوْجًا

اور اگر میں مر جاؤں تو ہر جوان مرد قضا و قدر کے فیصلے کے موجب ہلاک ہونے اور اس دنیا سے نکل جانے والا ہے۔"

✪✪✪✪✪✪✪✪

لَجَجتَ وَ کُنْتَ فِیْ الذِّکرٰی نَجُوْجًا
لِهَمٍّ طَا لَمَا بَعَثَ النَّشِیْجَا

ورقہ تُو نے اصرار کیا اور تو نصیحت حاصل کرنے پر بڑا مصر تھا اس غم کی وجہ سے جس نے ایک عرصے تک آہ و زاری کو برانگیختہ کیا ہے۔"

✪✪✪✪✪✪✪✪

بما خَبَّرتِنَا مِنْ قَولِ قُسٍّ
مِنَ الرُّهْبَانِ اَکرَهُ اَن یَعُوْجَا

تو نے جو قس بن ساعدہ کا قول نقل کیا ہے تو وہ راہبوں میں سے تھا مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ اپنے بیان سے مکر نہ جائے[44*]۔"

✪✪✪✪✪✪✪✪

حضرت خدیجہؓ نے اپنے چچا زاد ورقہ بن نوفل کی یہ باتیں سنیں تو وہ اپنے ارادے میں مزید پختہ ہو گئیں۔

اُن کو وہ واقعہ بھی یاد آ گیا جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے عجیب مگر حقیقت کے حوالے سے بہت ارفع تھا۔

یہ واقعہ ابن اسحاقؒ نے بیان کیا ہے۔

عہد جاہلیت میں حرم پاک میں قریشی عورتوں کی ایک تقریب ہوا کرتی تھی جس میں عربوں کی خواتین کعبہ مکرمہ میں جمع ہوا کرتی تھیں۔ چنانچہ ایک بار اسی سلسلے میں اہل قریش کی خواتین حرم میں جمع تھیں کہ اُن کے پاس یہودیوں کا اسقف اعظم آیا اور اُس نے قریش کی خواتین کو مخاطب کیا اور کہا۔

اے خواتینِ قریش؛

میری بات کو غور سے سنو اور اسے دل میں بٹھالو۔

تمھارے درمیان (یعنی قریش میں) اللہ کے رسول کا ظہور ہونے والا ہے۔ اس لیے تم میں سے جس کے لیے بھی ممکن ہو اس کی بیوی بن جائے کہ یہ وہ منصب ہے جو بہت ہی عظیم ہے۔ اُس عورت کی بڑی شان ہوگی جسے اللہ تعالیٰ اس منصب کے لیے چنے گا۔

تمھیں خدا کی قسم کہ میری اس بات کو یاد رکھنا۔

یہودیوں کے اس بڑے عالم نے اتنا کہا اور وہاں سے چل دیا۔

حضرت خدیجہؓ کہتی ہیں کہ قریش کی عورتوں کو اس کی یہ بات بہت بری لگی اور ہم میں سے کئی عورتوں نے اسے مارنے کے لیے پتھر اٹھا لیے۔

حضرت خدیجہؓ کہتی ہیں کہ؛

مگر مجھے اُس کی بات میں کوئی برائی نظر نہ آئی اور میں نے اسے ہمیشہ یاد رکھا حتیٰ کہ میرے غلام میسرہ نے مجھے خبر دی کہ آنحضرت محمد ﷺ کے سر پہ فرشتے اپنے پروں سے سایہ کرتے ہیں۔ پھر میرے چچا کے بیٹے ورقہ بن نوفل نے اس بات کی تصدیق کی کہ آنحضرت محمد ﷺ ہی اللہ کے نبی ہوں گے تو میرا وہ اشتیاق عود کر آیا اور میں نے ارادہ کیا کہ کیوں نہ میں ہی اس سعادت کے لیے خود کو پیش کردوں اور میں نے نفسیہ سے بات کی۔

اوپر بیان کیے گئے واقعے کو بعض مورخین نے روایوں کی کمزوری کی بنا پہ رد کیا ہے مگر ہمیں اس میں کوئی اشکال نظر نہیں آتا پھر ہمیں قصدہ ہمزیہ سے بھی اس واقعے کی سند فراہم ہوگئی۔

قصیدہ ہمزیہ سے کچھ اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔

وَرَأَ خَدِيْجَةُ وَالتُّقٰى وَالزُّ
هُدُ فِيْهِ سَجِيَّةٌ وَالْحَيَاءُ

حضرت خدیجہؓ نے کہا اُن کی طبیعت میں زہد وتقویٰ اور شرم وحیا شامل ہے اور خدیجہؓ خود بھی تو ایسی ہی تھیں۔"

۞۞۞۞۞۞۞۞

وَأَتَا هَا اَنَّ الْعَمَامَةُ وَالسَّر
خُ اَظَلَّتْهُ مِنْهَا اَفْيَاءُ

اور یہ کہ ایک بدلی آپ پہ سایہ کیے رہتی ہے اور یہ بھی کہ درخت آپ کی طرف جھک جاتے ہیں تا کہ اُن کا سایہ آپ پہ پڑے۔"

۞۞۞۞۞۞۞۞

وَاَحَادِيْثَ اَنْ وَعْدَ رَسُوْلَ اللّٰهِ
بِالْبَعْثِ حَانَ مِنْهُ الْوَفَاءُ

اور بعض راہبوں سے بھی مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ اللہ اپنے پیغمبر کو اتارنے والا ہے اور اس کا وقت قریب ہی ہے۔"

۞۞۞۞۞۞۞۞

فَدَعَتْهُ اِلَى الزَّوَاجِ وَمَا اَحْسَنَ
مَا يَبْلُغُ الْمُنّٰى اَلاذُّكِيَاءُ

اور اسی بنا پہ خدیجہؓ نے خود کو آپ ﷺ کی خدمت کے لیے پیش کیا حقیقت میں ذہین اور ذکی آدمی تمنا کرنے میں کتنی سمجھداری سے کام لیتا ہے [45*] ۔"

۞۞۞۞۞۞۞۞

چنانچہ حضرت خدیجہؓ نے اپنی ایک راز دار سہیلی نفیسہ کو آنحضرت محمد ﷺ کی مرضی معلوم کرنے پہ معمور کیا۔

کچھ دن بعد نفیسہ نے مکہ کی ایک گلی میں آنحضرت محمد ﷺ کو جاتے دیکھا تو آپ ﷺ کو روک لیا۔

نفیسہ نے آنحضرت محمد ﷺ سے کہا؛

آپ ﷺ خوبصورت ہیں، خوب سیرت ہیں، آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے؟

نبی اکرم ﷺ نے کچھ دیر سوال کرنے والی خاتون کو حیرت سے دیکھا پھر فرمایا؛

دراصل میرے پاس فی الحال مال نہیں ہے اس لیے میں شادی نہیں کر سکتا۔

اتنا کہہ کر آپ ﷺ چلنے لگے کہ نفیسہ نے پھر ان کو پکارا۔

اگر آپ کو مال و جمال اور شرف کی طرف دعوت دی جائے تو آپ ﷺ اسے قبول فرمالیں گے۔

آپ ﷺ نے غور سے اِس خاتون کی طرف دیکھا پھر کہا؛

یہ دعوت کس کی طرف سے ہے؟

خدیجہ بنت خویلد کی طرف سے۔

نبی اکرم ﷺ یہ سن کر حیران رہ گئے اس لیے انھوں نے پھر سوال کیا؟

کیا انھوں نے خود آپ سے کہا ہے؟

آنحضرت محمد ﷺ نے سوال کیا؟

ہاں انھوں نے خود مجھے آپ ﷺ کی مرضی جاننے پر مامور کیا ہے۔

تب آنحضرت محمد ﷺ نے کہا:

مجھے تو اس امر میں خیر ہی نظر آتی ہے۔

پھر آپ ﷺ اُن سے مل لیں۔

تب نبی اکرم ﷺ حضرت خدیجہ سے ملنے پہنچے۔

حضرت خدیجہ نے آپ ﷺ کی خوب تکریم کی اور کہا؛

اِنِّیْ قَدْ رَغِبْتُ فِیْكَ لِقَرَابَتِكَ وَسِطَتِكَ فِیْ قَوْمِكَ وَاَمَانَتِكَ وَحُسْنِ خُلُقِكَ

وَصَدْقِ حَدِیْثِکَ ۔

یعنی اے میرے چچا کے بیٹے؛

میں آپ ﷺ کی قرابت دار ہوں اور قوم میں آپ ﷺ کی فضیلت، آپ ﷺ کی امانت و دیانت، آپ ﷺ کے حسنِ خلق اور آپ ﷺ کی صداقت کی وجہ سے آپ ﷺ سے میلان و رغبت رکھتی ہوں۔

میں آپ ﷺ کے نکاح میں آنے کی خواہش مند ہوں۔

نبی اکرم ﷺ نے اس پہ خوشی کا اظہار کیا اور فرمایا:

اللہ اس امر میں خیر پیدا فرمائے گا۔

آپ ﷺ حضرت خدیجہؓ سے رخصت ہوئے اور اپنے چچا حضرت حمزہؓ کے پاس پہنچے اور اُن سے اس امر کا تذکرہ کیا۔

حضرت حمزہؓ بہت خوش ہوئے کیونکہ وہ حضرت خدیجہؓ کے خاندان کی شرافت کو بخوبی جانتے تھے اُن کی بہن حضرت صفیہ کی شادی بھی حضرت خدیجہؓ کے خاندان میں ابھی کچھ ہی دنوں پہلے ہوئی تھی اُن کے شوہر حکیم بن حزام حضرت خدیجہؓ کے بھانجے تھے۔

چنانچہ حضرت ابو طالب، حضرت حمزہؓ اور آپ ﷺ کی کئی پھوپھیاں رشتہ لے کر حضرت خدیجہؓ کے چچا عمرو ابن اسد کے پاس پہنچے۔

انھوں نے اس رشتے پہ خوشی کا اظہار کیا اور شرف قبولیت بخشا۔

اس کے بعد نکاح کا دن طے کیا گیا۔

جس دن آپ ﷺ کا نکاح حضرت خدیجہ بنت خویلد سے ہوا اس دن آپ ﷺ نے اُن کو ذبح کرنے کے لیے ایک فربہ گائے پیش کی۔ اکثر مورخین کا یہی خیال ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور حضرت خدیجہؓ کا نکاح حضرت ابو طالب نے پڑھایا تھا۔ انھوں نے نکاح کے بعد خطبہ پڑھا جو تاریخ کے جھرونکوں میں محفوظ چلا آیا ہے حضرت ابو طالب نے کہا:

تمام تعریفیں اس خدائے بزرگ و برتر کے لیے ہی سزاوار ہیں جس نے ہمیں ابراہیم کی اولاد

اور حضرت اسماعیل کی نسل سے پیدا کیا اور ہمیں معد کا خزانہ اور مضر کی اصل سے نکالا۔ ہمیں اس مقدس گھر کا خادم بنایا۔ جس نے اپنے اس گھر کو لوگوں کا مرکز بنایا۔ جہاں ہمیشہ سے حج کیا جاتا ہے۔ ہم ہی ہیں جو اس گھر کے امین ہیں۔ اُس کا فضل یہ بھی ہے کہ اُس نے ہمیں اس گھر میں رہنے والوں کا حاکم بنایا اور اہل قریش کو دوسرے تمام عربوں پہ بلندی اور فضیلت عطا کی یہ میرے بھتیجے محمد (ﷺ) ابن عبداللہ ہیں کہ شرف و عزت و فضیلت و مرتبہ اور عقل و دانائی کے لحاظ سے دوسرا ہر شخص اِن سے کمتر ہے۔ اگر چہ اِن دِنوں اُن کے پاس مال و دولت کی کمی ہے مگر مال کا کیا ہے وہ تو ڈھلتا سایہ ہے ایک ایسی چیز ہے جو اکثر اوقات انسان کی خوبیوں میں رکاوٹ بنتی ہے۔ مال تو آنے جانے والی چیز ہے۔ اِن کا مقام یہ ہے کہ بہت جلد آنے والے زمانے میں ایک عظیم خوشخبری اور زبردست خوش بختی اِن کی راہ دیکھ رہی۔ اللہ اِن کی شان نہایت ہی بلند کرنے والا ہے محمد (ﷺ) نے اپنی رضاء و رغبت اور خوشی کے ساتھ آپ کی پاکباز خاتون خدیجہ سے اپنا رشتہ استوار کرنا چاہا ہے۔ میں نے اِن کا مہر بیس جوان اونٹنیاں مقرر کی ہیں۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

حضرت عبدالمطلب کے بعد حضرت خدیجہؓ کے چچا زاد ورقہ بن نوفل اٹھے اور انھوں نے جوابی خطبہ دیا انھوں نے کہا:

''تمام تعریفیں اللہ ہی کو سزاوار ہیں جس نے ہمیں ایسا بنایا جیسا کہ حضرت ابو طالب نے ارشاد فرمایا ہے۔ ہمیں اُن فضیلتوں سے نوازا ہے جن کا تذکرہ انھوں نے کیا ہے۔ چنانچہ ہم عرب کے سردار اور راہنما ہیں۔ آپ اِن سب فضیلتوں کے اہل اور لائق ہیں عرب نہ آپ کی بڑائی سے انکار کر سکتے ہیں نہ آپ کی عزت و عظمت سے انکار کر سکتے ہیں۔ ہم بھی اس امر کے خواہش مند ہیں کہ آپ کے شرف اور مرتبے کی وجہ سے آپ سے ناتا جوڑیں۔ پس اے گروہ قریش! مجھ پر گواہ رہنا! کہ میں نے خدیجہ بنت خویلد کا نکاح محمد بن عبداللہ سے کر دیا ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اس کے بعد انھوں نے مہر بیان کیا؛
حضرت ابو طالب نے حضرت خدیجہؓ کے چچا عمرو بن اسد سے کہا کہ آپ بھی اس نکاح کی توثیق کریں۔ چنانچہ عمرو بن اسد جو حضرت خدیجہؓ کے چچا تھے اور اُن کے ولی تھے کیونکہ حضرت خدیجہؓ کے والد خویلد حربِ فجار سے پہلے انتقال کر چکے تھے اس لیے بطور ولی انھوں نے کھڑے ہو کے کہا۔(46*)
اے گروہ قریش؛
تم سب اس مر پہ گواہ رہنا کہ میں نے اپنی بھتیجی خدیجہ بنت خویلد کا نکاح محمد ابن عبداللہ سے کر دیا ہے۔
اس طرح نکاح کی یہ پروقار تقریب اپنے اختتام کو پہنچی۔ مورخین نے لکھا ہے کہ اس نکاح کے موقع پہ قریش کے بہت سے لوگ اور اُن کے اہم سردار موجود تھے۔ اگلے روز آنحضرت محمدﷺ نے قریش کی دعوت ولیمہ کی اور دو اونٹ ذبح کیے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

جس وقت آنحضرت محمدﷺ کی حضرت خدیجہ سے شادی ہوئی اس وقت آپﷺ کی عمر پچیس سال تھی اور حضرت خدیجہؓ کی عمر اٹھائیس سال تھی۔ چنانچہ اس نکاح کے بعد آنحضرت محمد ﷺ کے وقار میں بہت اضافہ ہو گیا تھا۔ اگرچہ آپ کی شان تو اللہ تعالیٰ نے اتنی بلند کی ہے کہ اُس کے بیان سے قلم قاصر ہے۔ تاہم عربوں کی روایت کے مطابق جب دو خاندان آپس میں رشتے ناتے کرتے تو اُن کے درمیان وہ استحکام جنم لیتا کہ وہ ایک دوسرے پہ اپنا خون نچھاور کرنے کے لیے ہر دم تیار رہتے۔ چنانچہ عرب شرفاء میں یہ روایت مستحکم تھی اور آج تک مستحکم ہی چلی آ رہی ہے کہ جب وہ کسی سے رشتہ ناتا کر لیتے تب وہ اس خاندان سے اپنی پرانی دشمنیاں بھول جاتے تھے اور اپنے ناتے والوں کے کندھے کے ساتھ کندھا ملا کے کھڑے ہوتے تھے اور اب اُن کے دشمن اِن کے بھی دشمن تھے۔ آنحضرت محمدﷺ بنو ہاشم کی آنکھ کا تارا

تو پہلے ہی تھے۔اب اُن کی تکریم حضرت خدیجہؓ کے خاندان میں بھی کی جاتی تھی۔اُن کا خاندان بھی مکہ کے اشراف میں گنا جاتا تھا۔سیدہ خدیجہؓ کے والد اگرچہ اب وفات پا چکے تھے مگر اُن کے وقار کی وجہ سے لوگ اُن کو یاد کرتے تھے۔مورخین نے اُن کے بارے میں لکھا ہے کہ جب ملک یمن کے والی تبع ثانی نے اس مقصد کے لیے شہر مکہ پہ حملہ کیا کہ وہ حجر اسود جیسے مبارک پتھر کو بیت اللہ سے اکھاڑ کے یمن لے جائے ۔تب یہ خویلد ہی تھے جو اپنے ساتھ سواروں اور ہتھیار بند نوجوانوں کو لے کر اس کے مقابلے پہ اترے تھے۔جب خویلد نے بیت اللہ کو بچانے کی انفرادی کوشش کی تو پھر دیگر عرب خاص طور پہ اہل قریش اس کے ہمنوا ہو گئے اور تبع ناکام ہی اپنے وطن لوٹ گیا تھا۔پھر ورقہ بن نوفل تھے جو حضرت خدیجہؓ کے چچازاد تھے۔لوگ اُن کی بھی عزت کرتے تھے اس لیے کہ وہ بہت نرم خو اور اصول پسند آدمی تھے اُن کی ساری زندگی دین توحید کی تلاش میں گزری تھی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

سیدہ خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام تھے جن کا شمار قریش کے معزز سرداروں میں کیا جاتا تھا۔بیت اللہ کے کئی مناصب اُن کے پاس تھے۔جیسے کہ دارالندوہ کا انتظام اور رفادہ وغیرہ۔

خود حضرت خدیجہؓ قریش کی سب سے مالدار خاتون تھیں۔

آنحضرت محمد ﷺ اور حضرت خدیجہؓ کی جوڑی محبت اور وفا کا ایک ایسا شاہکار ثابت ہوئی جس کی مثال دینا مشکل ہے۔شادی کے بعد حضرت خدیجہؓ نے کاروبار کی تمام تر ذمہ داریاں رسول اللہ ﷺ کے سپرد کر دیں تھیں۔نبی اکرم ﷺ اب حضرت خدیجہ کی حویلی میں ہی رہائش پذیر تھے۔

نبی اکرم ﷺ اپنی روایتی سخاوت کی وجہ سے بہت سا مال خیرات کیا کرتے تھے۔حضرت خدیجہ اب آنحضرت محمد ﷺ کے ہر عمل میں اُن کی معاون و مددگار تھیں۔آنحضرت محمد ﷺ حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد بھی انھیں ہمیشہ بڑی محبت سے یاد کیا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

آنحضرت محمد ﷺ نے ہمیشہ حضرت خدیجہؓ کی تعریف کی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت محمد ﷺ حضرت خدیجہؓ کا اتنا ذکر کرتے کہ ہم اکتا جاتیں۔

آخر ایک دن میں نے کہہ ہی دیا؛

آپ ﷺ قریش کی ایک بوڑھی خاتون کو اتنا کیوں یاد کرتے ہیں جب کہ اسے مرے ہوئے بھی مدت گزر گئی ہے۔ حالانکہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اُن سے اچھی خوبصورت اور نوجوان بیویاں عطا کی ہیں۔

یہ سن کر نبی اکرم ﷺ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا؛

جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو انھوں نے میری تصدیق کی۔

جب لوگوں نے مجھ سے چھینا تب انھوں نے مجھے عطا کیا۔

جب لوگ کافر تھے تب وہ اسلام لائیں۔

جب میرا کوئی ساتھی نہ تھا تو وہ میرے ہمراہ تھیں۔

اُس سے مجھے اللہ تعالیٰ نے بیٹے دیئے بیٹیاں دیں۔

اور کسی بیوی سے مجھے اولاد نہ ہوئی (یاد رہے یہ ابراہیم کی پیدائش سے پہلے کی روایت ہے جو ماریہ قطبیہ کے بطن سے پیدا ہوئے)۔

خدیجہؓ تو وہ ہیں جن پہ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کے ہاتھوں سلام بھیجا تھا۔

آپ ﷺ کی ناراضگی دیکھ کر حضرت عائشہؓ کو شدید ندامت ہوئی اور انھوں نے کہا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے میں آئندہ حضرت خدیجہؓ کا بھلائی کے علاوہ کبھی ذکر نہ کروں گی۔

تب آپ ﷺ خوش ہو گئے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ؛

ہم مدینہ میں تھے اور آنحضرت محمد ﷺ میرے حجرے میں تشریف فرما تھے کہ باہر سے کسی خاتون

نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔

نبی اکرم ﷺ یہ آواز سن کے بے تاب ہو گئے اور کہا؛

یہ آواز تو بالکل خدیجہؓ جیسی ہے اللہ کرے وہ ہالہؓ ہی ہو اور وہ ہالہؓ ہی تھیں جو حضرت خدیجہؓ کی بہن تھیں۔ سچ تو یہ ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے بہت محبت کی تھی اور ہمیشہ اُن کی تعریف کی تھی۔

آپ ﷺ نے اپنی زندگی کے پچیس سال حضرت خدیجہؓ کے ساتھ گذارے تھے۔ آپ ﷺ کو اُن سے کوئی گلہ شکوہ نہ تھا اور گلہ شکوہ ہو بھی کیسے سکتا ہے اس لیے کہ حضرت خدیجہؓ کے لیے آپ ﷺ کی محبت بے مثال تھی تو حضرت خدیجہؓ کی وفا بھی آپ ﷺ کی محبت ہی کی طرح لازوال تھی۔

شادی کے بعد حضرت خدیجہؓ نے اپنا تمام مال آپ ﷺ کے قدموں پہ نچھاور کر دیا تھا کہ آپ ﷺ جس طرح چاہیں اسے استعمال کریں۔ چنانچہ آپ ﷺ اپنی فطری سخاوت اور نرم دلی کی وجہ سے یہ مال ضرورت مندوں میں تقسیم کرتے رہتے مگر حضرت خدیجہؓ نے کبھی اس بات کا برا نہ مانا تھا۔

وہ حضرت خدیجہؓ ہی تھیں جنھوں نے آپ ﷺ کی رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہؓ کو اموال سے لدے تین اونٹ اور بکریوں کا پورا ریوڑ عطا کیا تھا۔ وہ حضرت خدیجہؓ ہی تھیں جنھوں نے سب سے پہلے آپ ﷺ کی وحی کا اثبات کیا تھا۔ حضرت خدیجہؓ نہ صرف آپ ﷺ پہ ایمان لائیں بلکہ اہل قریش کے انکار کے بعد جب انھوں نے آپ ﷺ پہ سختی کی۔ تب حضرت خدیجہؓ ہی نے آپ ﷺ کا دفاع کیا اور اپنا مال دین اسلام کی ترقی و ترویج کے لیے کھل کے لیے استعمال کیا۔ وہ حضرت خدیجہؓ ہی تھیں جو اپنے محلوں سے نکل کر شعب ابی طالب کی سختیوں میں آپ ﷺ کے ہمراہ رہیں اور اُف تک نہ کی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

کہ میں نے قریش کی کسی عورت سے کبھی رشک نہ کیا جتنا رشک مجھے حضرت خدیجہؓ پہ آیا تھا۔اس لیے آپ ﷺ ہمہ وقت اُن کا تذکرہ کرتے رہتے۔اگر گھر میں اچھا کھانا گوشت وغیرہ پکتا تو خود کھانے سے پہلے اسے ایک برتن میں ڈالتے اور حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کو دے کر آتے اور اس کے بعد خود کھاتے۔کبھی بکری ذبح کرتے تب بھی حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کا حصہ الگ کر لیتے اور اُن کو بڑے شوق کے ساتھ بھجواتے۔نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کے ساتھ زندگی کے پچیس برس گذارے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اُن سے اولادیں عطا فرمائیں آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کی زندگی میں دوسرا نکاح نہ کیا۔

آپ ﷺ کے بڑے بیٹے کا نام قاسم تھا جس کی وجہ سے آپ ﷺ کی کنیت ابو قاسم پڑ گئی تھی۔

(13 قبل نبوت، 25 قبل ہجرت ۔ 597ء)

آپ ﷺ کی بیٹیوں میں حضرت زینبؓ سب سے بڑی تھیں۔

(10 قبل نبوت،23 قبل ہجرت۔600ء)

پھر حضرت رقیہؓ پیدا ہوئیں۔

(7 قبل نبوت،20 قبل ہجرت ۔603ء)

پھر حضرت اُم کلثوم تھیں۔

(6 قبل نبوت۔19 قبل ہجرت۔604ء)

پھر حضرت عبداللہؓ تھے جن کا لقب طاہر اور طیب تھا۔

(5 قبل نبوت، 18 قبل ہجرت ، 605ء)

پھر حضرت فاطمہؓ خاتونِ جنت تھیں۔

(3 قبل نبوت ۔ 16 قبل ہجرت ، 607ء)

مورخین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضرت عبداللہ بڑے تھے یا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہ۔

آپ ﷺ کے پہلے بیٹے حضرت قاسم نے مدت رضاعت سے قبل ہی وفات پائی۔

چنانچہ مسند فریابی میں لکھا گیا کہ؛

حضرت قاسم کی وفات کے ایک عرصے بعد جب آنحضرت محمد ﷺ کو تاج رسالت سے نواز دیا گیا تھا تب ایک روز آپ ﷺ باہر سے تشریف لائے تو حضرت خدیجہؓ اپنے نورِ نظر کے فراق میں گریہ بار تھیں۔

حضرت خدیجہؓ نے نبی اکرم ﷺ سے فرمایا؛

یارسول اللہ کاش قاسم کا انتقال رضاعت کے بعد ہوتا تو اس طرح اُن کی جدائی برداشت کرنا میرے لیے قدرے آسان ہوتا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا؛

خدیجہؓ غم نہ کر جنت میں ایک حور ہے جو قاسم کو اس وقت تک دودھ پلائے گی جب تک کہ اس کی مدت رضاعت پوری نہ ہو۔

حضرت خدیجہؓ اس بشارت سے خوش ہو گئیں۔

پھر کہا اگر مجھے یہ پہلے معلوم ہوتا تو غم برداشت کرنا میرے لیے آسان ہوتا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے خدیجہؓ۔

اگر تم پسند کرو تو میں جنت سے تمھیں قاسم کی آواز سنا سکتا ہوں۔

حضرت خدیجہؓ نے روتے ہوئے کہا؛

میں اللہ اور اس کے رسول پہ ایمان لائی ہوں مجھے کسی تصدیق کی ضرورت نہیں ہے۔

❖ ❖ ❖

جولوگ آتشِ عشق کی سلگاہٹ سے آگاہ ہیں وہ جانتے ہیں کہ انھیں دنیا میں اپنے محبّ کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا حضرت زید بن حارثہؓ کی محبت بھی کچھ اسی شدت کی حامل نظر آتی ہے ۔ حضرت زید بن حارثہؓ کے تذکرے میں محبت کی اس روانی کو دیکھا جاسکتا ہے۔

13 قبل نبوت، 25 قبل ہجرت، 597ء

حضرت زید بن حارثہ ؓ

حضرت زید بن حارثہ ؓ کا شمار سابقون الاولون میں کیا جاتا ہے جن کا رتبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بلند ہے۔ سابقون الاولون وہ لوگ ہیں جنھوں نے آپ ﷺ کی دعوت سنتے ہی لبیک کہا اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ درجہ جو پہلے آنے والوں کو حاصل ہے بعد میں آنے والوں کی قسمت میں نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وہ ساتھی جنھوں نے اول اول آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا اُن کا ایثار الگ ہی حیثیت کا حامل ہے اس لیے کہ وہ مشکلوں کا وقت تھا، آزمائش کے دن تھے، اہل قریش ہر اُس شخص کو شک کی نگاہ سے دیکھتے جو رسول اللہ ﷺ کے قریب سے بھی گزر جاتا۔ چنانچہ ایسے ماحول اپنے سینے کو حق کے لیے وا کرنے کا مطلب یہ تھا کہ اُس نے اپنا سینہ قریش کے ہتھیاروں کے آگے ڈال دیا ہے اور حضرت زید بن حارثہ کا ایثار ایسا ہی تھا کہ؛

انھوں نے اُس وقت آپ ﷺ کی تائید کی جب لوگوں نے آپ ﷺ کا انکار کیا۔

انھوں نے اس وقت آپ ﷺ کی تصدیق کی جب تصدیق کرنے والوں پہ ظلم وستم کے پہاڑ

توڑے جا رہے تھے۔

انھوں نے اس وقت آپ ﷺ کی دعوتِ توحید کو قبول کیا جب ہر طرف شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے تھے۔

انھوں نے تب دین حق کی تصدیق کی جب آپ ﷺ کے اپنوں نے اس کا انکار کیا۔

انھوں نے تب آپ ﷺ کی غلامی اختیار کی جب آپ ﷺ کے دشمن طاقتور تھے۔

انھوں نے اس وقت آپ ﷺ کی پشت پناہی کی جب آپ ﷺ کا پشت پناہ صرف اللہ تھا۔

انھوں نے اس وقت بت پرستی کو خیر باد کہا جب بیت اللہ بھی بتوں سے اٹا پڑا تھا۔

انھوں نے اس وقت اسلام قبول کیا جب اسلام قبول کرنا بڑے دکھ کا سودا تھا"۔

انھوں نے اس وقت نبی اکرم ﷺ کی تصدیق کی جب آپ ﷺ کے اپنے چچا آپ ﷺ کو پتھر مارتے تھے۔

انھوں نے اس وقت آپ ﷺ کی غلامی کو ترجیح دی جب اس غلامی کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑتی تھی

۔

انھوں نے اس وقت دین حق کو قبول کیا جب سارا عرب معاشرہ اس کو قبول کرنے سے انکاری تھا۔

حضرت زید بن حارثہؓ نبی اکرم ﷺ کے غلام تھے۔

ابن اسحاق نے حضرت زید بن حارثہؓ کا نسب یوں بیان کیا ہے"۔

زید بن حارثہ بن شرجیل بن کعب بن عبد العزیٰ بن امر القیس الکلبی [47*]

اور ابن ہشام نے حضرت زید بن حارثہ کا نسب یوں بیان کیا ہے [48*]!

زید بن حارثہ بن شرجیل بن کعب بن عبد العزیٰ بن امر القیس بن نعمان بن عامر بن عبدود بن عوف بن کنانہ بن بکر بن عوف بن عذرہ بن زید اللات بن رفیدہ بن ثور بن کلب بن وبرہ۔

امام عبداللہ بن سہیلی نے لکھا ہے کہ؛ [49*]

عورتوں میں سب سے پہلے آپ ﷺ پہ حضرت خدیجہؓ ایمان لائیں اور مردوں میں سب سے پہلے زیدؓ بن حارثہ نے آپ ﷺ کی تصدیق کی۔

اور انھوں نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کے بعد سب سے پہلے آپ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی۔

حضرت زید بن حارثہؓ کا شمار اُن لوگوں میں ہوتا ہے جو حادثاتی طور پہ غلام بن جاتے ہیں۔اگرچہ وہ عربوں کے ایک عمدہ قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔وہ قبیلہ بنو سعد کے خاندان کلب سے تعلق رکھتے تھے۔

اُن کی والدہ کا نام سعدی تھا۔جو عربوں کے مشہور سخی حاتم طائی کے قبیلے طے سے تعلق رکھتی تھیں۔حضرت زیدؓ کی والدہ سعدی حضرت زیدؓ کے ہمراہ سفر میں تھیں کہ عربوں کے ایک قبیلے بنو قین کے سواروں نے اِن پہ غارت ڈال تھی اور قافلے کو لوٹ لیا گیا۔

انھوں نے سعدی سے حضرت زیدؓ کو بھی چھین لیا اور انھیں غلام بنا لیا۔

پھر انھوں نے حضرت زیدؓ کو حباشہ کے بازار میں فروخت کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں چونکہ زیدؓ کی فلاح کا فیصلہ کیا جا چکا تھا اس لیے حباشہ کے بازار سے انھیں حضرت خدیجہؓ کے بھانجے حکیم بن حزام نے خرید لیا۔

جب حکیم بن حزام اپنے خرید کردہ کئی غلاموں کے ہمراہ مکہ پہنچے تو اُن کی پھوپھی حضرت خدیجہؓ اُن سے ملنے کے لیے آئیں جو اس وقت آنحضرت محمدﷺ کی زوجیت میں آ چکی تھیں۔

حکیم بن حزام نے اُن سے کہا؛

اِن غلاموں میں سے اگر کوئی آپ کو پسند آئے تو اسے اپنے ہمراہ لے جائیں۔

حضرت خدیجہؓ پہلے ہی زیدؓ بن حارثہ کو دیکھ رہی تھیں۔جو بہت خوبصورت اور سرخ و سفید تھے اور دور سے ہی اس بات کا پتا دیتے تھے کہ وہ غلام ابن غلام نہیں بلکہ وقت کی بے رحمی نے انھیں غلام بنا دیا۔

وہ اس وقت ایک نوخیز لڑکے تھے اور خدمت وغیرہ کرنے کے قابل تھے۔

حضرت خدیجہؓ نے حکیم بن حزام سے کہا۔تم یہ لڑکا مجھے دے دو۔

انھوں نے بخوشی قبول کیا۔

اس طرح حضرت زیدؓ بن حارثہ حضرت خدیجہؓ کے ہاں پہنچے۔

جب زید بن حارثہؓ کو رسول اللہﷺ نے دیکھا تو آپﷺ نے بھی انھیں پسند کیا اور اپنی زوجہ سے کہا: زید مجھے دے دو۔

حضرت خدیجہؓ نے کہا: خدا کی قسم میرے ذہن میں پہلے بھی یہی تھا کہ یہ لڑکا آپﷺ کی خدمت

کرے۔اس طرح حضرت زیدؓ بن حارثہ نبی اکرم ﷺ کی غلامی میں آ گئے جس سے بڑھ کے اور کوئی سعادت اس دنیا میں موجود ہی نہ تھی۔

اور یہ وحی اترنے سے پہلے کی بات ہے۔

ادھر زیدؓ کے والد حارثہ حضرت زیدؓ کی گمشدگی سے دکھی تھے چونکہ وہ اپنے بیٹے سے بہت محبت کرتے تھے اس لیے زیدؓ کی تلاش میں وہ ہمیشہ سفر میں رہا کرتے۔حضرت زیدؓ کے کرب و رنج کا اندازہ بخوبی کیا جاسکتا ہے کہ جس کا خوبصورت بیٹا سات سال سے گم ہو اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا نہ رکنا فطری بات ہے۔

اور ہر عرب کی طرح زیدؓ کے والد حارثہ بن شرجیل نے بھی اپنے دکھ کو بیان کیا تو عمدہ اشعار کی صورت بیان کیا

اُن کے کچھ اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔

بَکَیْتُ عَلٰی زَیْدٍ وَلَمْ اَدْرِمَا فَعَلْ
أَحَیٌّ فَیُرْجٰی اَمْ اَتٰی دُوْنَہٗ الْاَجَلْ

میں نے زید پہ گریہ کرلیا اگرچہ میں نہیں جانتا کہ اُن پہ کیا گزری وہ زندہ ہیں یا لقمہ اجل بن چکے ہیں۔“

۞۞۞۞۞۞۞۞

فَوَاللّٰہِ مَا اَدْرِیْ وَ اِنِّیْ لَسَائِلٌ
أَغَالَکَ بَعْدِی السَّھْلُ اَمْ غَالَکَ الْجَبَلُ

خدا کی قسم! میں نہیں جانتا کہ تمھیں کسی پہاڑ نے چرالیا ہے یا کسی پہاڑ نے اٹھالیا ہے میں تو سراپا سوال ہوں؟

۞۞۞۞۞۞۞۞

وَیَا لَیْتَ شِعْرِیْ هَلْ لَّکَ الدَّهْرَ اَوْبَةٌ

فَحَسْبِیْ مِنَ الدُّنْیَا رَجُوْعُکَ لِیْ بَجَل

کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ تُو لوٹ کے آئے گا تو یہ خوشی میری باقی زندگی کے لیے کافی ہوتی۔"

۞۞۞۞۞۞۞۞

تُذَکِّرُنِیْهِ الشَّمْسُ عِنْدَ طُلُوْعِهَا

وَتَعْرِضُ ذِکْرَاهُ اِذَا غَرْبُهَا اَفَلْ

سورج طلوع ہوتا ہے تو مجھے تیری یاد آتی ہے اور جب سورج ڈوبتا ہے تب بھی تیری ہی یاد آتی ہے۔"

۞۞۞۞۞۞۞۞

وَاِنْ هَبَّتِ الْاَرْوَاحُ هَیَّجْنَ ذِکْرَهٗ

فَیَا طُوْلَ مَا حُزْنِیْ عَلَیْهِ وَمَا جَلِ

اور جب ہوائیں چلتی ہیں تو مری آتشِ شوق کو بھڑکا دیتی ہیں تیری جدائی کا غم اور میرے اندیشوں کا سلسلہ کتنا طویل ہے۔"

۞۞۞۞۞۞۞۞

سَاُعْمِلُ نَصَّ الْعِیْسِ فِی الْاَرْضِ جَاهِدًا

وَلَا اَسْئَمُ التَّطْوَافَ اَوْ تَسْاَمَ الْاِبِلُ

جانے کب سے میں اپنی اعلیٰ سانڈھنی پہ سوار ہوں اور تیری تلاش میں نہ وہ تھکتی ہے نہ میں تھکتا ہوں۔"

۞۞۞۞۞۞۞۞

حَیَاتِیْ اَوْ تَاتِیْ عَلَیَّ مَنِیَّتِیْ
وَکُلُّ امْرِیٍٔ فَانٍ وَّاِنْ غَرَّہُ الْاَمَلُ

مجھے اپنی زندگی کی قسم! میں زید کی طرف اپنا سفر جاری رکھوں گا حتیٰ کہ مجھے موت آجائے اور مرنا تو خیر ہر شخص نے ہے۔"

۞۞۞۞۞۞۞۞

سَاُوْصِیْ بِہٖ قَیْسًا وَعَمْرًا کِلَیْھِمَا
وَاُوْصِیْ یَزِیْدَ ثُمَّ اُوْصِیْ بِہٖ جَبَل

عنقریب میں قیس اور عمرو دونوں کو زید کے متعلق وصیت کروں گا پھر میں یزید اور جبل کو بھی وصیت کروں گا[50*]۔"

۞۞۞۞۞۞۞۞

تب حضرت زیدؓ کو حضور اکرم ﷺ کی غلامی میں زندگی بسر کرتے کئی سال بیت گئے تھے اور زید ؓ نے یہ جانا تھا کہ دنیا میں کوئی انسان آنحضرت محمد ﷺ سے اعلیٰ اخلاق کا مالک نہیں ہو سکتا ۔حضرت زیدؓ نبی اکرم ﷺ کی محبت میں جذب ہو چکے تھے اور اب اُن کی زندگی کا صرف ایک ہی مقصد تھا کہ وہ اپنے آقا کو کسی طرح خوش رکھ سکیں۔ چنانچہ زیدؓ ہر دم نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں مشغول رہتے اور ایک انجانی سی خوشی کے حصار میں مقید رہتے۔

نبی اکرم ﷺ کی غلامی نے اُن کی زندگی کو بدل دیا تھا اب وہ محبت اور وفا کے معنی سے آشنا ہو چکے تھے۔

ایک دن حضرت زیدؓ بن حارثہ مکہ کے ایک بازار سے گزر رہے تھے کہ اُن کی نظر کچھ شناسا چہروں پہ پڑی۔گزرے وقت نے اس پہچان کو ابھی نہ مٹایا تھا اور وہ جان گئے کہ یہ تو اُن کے قبیلے کے لوگ ہیں جو عمرہ کے لیے مکہ آئے ہیں۔

وہ اُن کی طرف لپکے اور گرم جوشی سے انھیں ملے۔

لوگوں نے زیدؓ سے حارثہ کی حالت بیان کی۔

اور انھیں وہ اشعار سنائے جو اِن کے والد نے اُن کی جدائی میں کہے تھے۔زیدؓ بن حارثہ نے اپنے قبیلے والوں سے کہا میرے باپ سے کہنا کہ:

أحِنَّ اِلیٰ اَھْلِیْ وَاِنْ کُنْتُ نَائِیاً
بِاِنِّیْ قَعِیْدُ الْبَیْتِ عِنْدَ الْمَشَاعِرِ

میرے دل میں اپنی قوم کا شوق موجود ہے مگر میں اپنے وطن سے بہت دور ایک ایسے گھر میں ہوں جو حرم سے قریب ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

وَاِنِّیْ بِحَمْدِ اللّٰہِ فِیْ خَیْرِ اُسْرَۃٍ
کِرَامِ مُعَدٍّ کَابِرًا بَعْدَ کَابِرٍ

میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ایک شریف خاندان میں زندگی بسر کر رہا ہوں جو بڑے کریم النفس ہیں اور جو پشت ہا پشت سے رئیس مکہ چلے آئے ہیں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

پھر قبیلہ طے کے لوگ واپس اپنے وطن پہنچے اور انھوں نے حارثہ کو زیدؓ کا پیغام پہنچایا۔

حارثہ بن شرجیل کی خوشی دیدنی تھی [51*] ۔اُس کے احساسات کو لفظوں کا جامعہ پہنانا ممکن نہیں ۔اتنا ضرور ہے کہ اس کے بعد حارثہ نے گھر جانا بھی پسند نہیں کیا بلکہ اپنے بھائی کے ساتھ اسی جگہ سے مکہ کے لیے روانہ ہو گیا جہاں اُن کا بیٹا اُن کی محبتوں کا منتظر تھا۔

حارثہ کو راستے کی طوالت تنگ کر رہی تھی کیونکہ وہ اپنے لختِ جگر کے پاس اُڑ کے پہنچ جانا چاہتا تھا۔مگر راستے لمبے تھے اور اُس کی راہ ختم ہونے کو نہ آتی تھی آخر وہ مکہ پہنچے اور اُن کی بے تابی اپنی انتہاؤں پہ

تھی۔ وہ اپنے بیٹے سے ملے اور خوب جی بھر کے ملے آنسو تھے کہ رکنے میں نہ آتے تھے۔

اب اُن کا صرف ایک ہی کام رہ گیا تھا۔

اُس شخص سے ملنا جس کی غلامی حضرت زیدؓ نے اختیار کر رکھی تھی۔

لوگوں نے انھیں بتادیا تھا کہ انھیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اس لیے کہ محمد ﷺ اُن میں سب سے زیادہ عدل کرنے والے ہیں۔ چنانچہ حارثہ بن شرجیل اور کعب بن شرجیل حرم پاک میں نبی اکرم ﷺ کے منتظر تھے۔ اور انھیں اپنا مقصد حاصل ہو جانے کی پوری امید تھی اس لیے کہ وہ اپنے ساتھ بہت سامال لے کے آئے تھے تاکہ اپنے لختِ جگر کی گردن کو غلامی سے نجات دلاسکیں۔

وہ اپنے بیٹے کی ہر قیمت ادا کرنے کے لیے ذہنی طور پہ تیار تھے یاد رہے کہ یہ واقعہ منصب نبوت پہ سر فراز ہونے سے پہلے کا ہے۔

پھر آنحضرت محمد ﷺ تشریف لائے۔ حارثہ بن شرجیل نے آپ ﷺ سے کہا؛

اے عبدالمطلب کے نورِ نظر! اے قوم کے سرداروں کے فرزند!

آپ کے یہاں پہنچنے سے پہلے آپ ﷺ کے حسن خلق اور عدل کے تذکرے ہم تک پہنچے ہیں۔

ہم نے آپ ﷺ کی خاندانی رفعت کو جانا ہے کہ آپ ﷺ پاسبان حرم میں سے ہیں۔ اللہ کے گھر کے والی اور شہر مکہ کے حکمران ہیں آپ ﷺ سخی ہیں، بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور قیدیوں کو رہا کرتے ہیں۔

ہم قبیلہ بنی طے سے ہیں اور ہمارے آنگن ہماری سخاوت کی وجہ سے وسیع ہیں ہم آپ ﷺ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ ﷺ فدیہ لے کر ہمارے بیٹے کو آزادی عطا فرمائیں۔

آپ ﷺ نے نہایت غور سے اُن کی بات سنی اور فرمایا:

آپ لوگوں نے جو کچھ کہنا ہے کہہ چکے ہیں یا ابھی کچھ باقی ہے؟

حارثہ کے بھائی کعب بن شرجیل نے کہا:

ہم نے اپنی بات پوری طرح آپ ﷺ کو پہنچادی ہے اور اب آپ ﷺ کے اُس فیصلے کے منتظر ہیں جس میں ہم آپ ﷺ کے احسان اور نرمی کو طلب کرتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا بنی طے کے لوگو؛

میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ میں تمھارے بیٹے کو بغیر فدیے کے رہا کرتا ہوں اگر تمہارا بیٹا تمھارے ساتھ جانا چاہیے تو مجھے اس پہ کوئی اعتراض نہ ہوگا لیکن اگر وہ تمھارے ساتھ جانے کی بجائے میری غلامی اختیار کرنے کو ترجیح دے تب تمھیں اس پہ زبردستی کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

حارثہ بن شرجیل اور کعب بن شرجیل نے آپ ﷺ کا فیصلہ سنا اور پکار اٹھے؛

خدا کی قسم! اس سے زیادہ عدل کا فیصلہ ہم نے آج تک نہیں سنا۔ ہم اسے بخوشی منظور کرتے ہیں۔

آنحضرت محمد ﷺ نے کسی سے کہا زید کو بلاؤ؛

زید تشریف لائے۔

آپ ﷺ نے زید سے پوچھا زید کیا تم اِن دو افراد کو جانتے ہو؟

زید نے جواب دیا۔

جی میں اِن کو جانتا ہوں اِن میں ایک میرا باپ حارثہ بن شرجیل ہے اور دوسرے میرے چچا کعب بن شرجیل ہیں۔

تب آنحضرت محمد ﷺ نے زید سے فرمایا:

یہ لوگ تمھیں اپنے ساتھ لے جانے کے لیے آئے ہیں اور میری طرف سے تمھیں پوری اجازت ہے کہ تم اپنے باپ اور چچا کے ساتھ جا سکتے ہو میں نے تمھیں اپنی غلامی سے آزاد کیا۔

زید فوراً ہی بولے، مگر میں اس غلامی سے آزاد نہیں ہونا چاہتا۔ اور نہ ہی میں آپ ﷺ کو چھوڑ کر اپنے والدین کی طرف جانا چاہتا ہوں۔

حارثہ بن شرجیل اور کعب بن شرجیل ششدر رہ گئے۔

اُن کو اس بات پہ یقین ہی نہیں آ رہا تھا جو اُن کے کانوں نے سنی تھی۔

چنانچہ حارثہ نے چیخ کر زید کو مخاطب کیا اور کہا؛

زید کیا تم اپنے والد اپنی قوم اور اپنے وطن کو چھوڑ دو گے۔

زید نے جواب دیا اے میرے پدر بزرگوار؛

میں تو انھیں کب کا چھوڑ چکا ہوں۔

میں آپ ﷺ کی غلامی میں ہی رہنا پسند کروں گا اس لیے کہ آپ نہیں جانتے مجھے اِن کے ساتھ رہنے میں کیا لذت حاصل ہوتی ہے۔اور آپ نہیں جانتے کہ میں تو اپنی جان تک اپنے آقا محمد ﷺ پہ قربان کرسکتا ہوں۔جو کچھ ہو رہا تھا وہ حارثہ اور اس کے بھائی کی سمجھ سے باہر تھا۔اس لیے کہ عربوں میں آج تک ایسا کوئی واقعہ پیش نہ آیا کہ کسی لڑکے نے اپنے والد پہ کسی اور کو ترجیح دی ہو۔جس طرح کے عجیب حالات کا سامنا حارثہ اور کعب کو کرنا پڑ رہا تھا وہ بہت ہی عجیب تھے۔

پھر انھوں نے اس سے بھی عجیب تر منظر دیکھا۔

کہ آنحضرت محمد ﷺ کھڑے ہوئے اور حرم کعبہ میں مجلسیں سجائے ہوئے اہل قریش کو مخاطب کیا ورفرمایا:

اے اہل قریش تم اس بات پہ گواہ رہنا کہ میں نے زید کو آزاد کر دیا ہے اور اس کو اپنا بیٹا بنا لیا ہے اس لیے آج سے زید کو زید بن محمد کہا جائے گواہ رہنا کہ یہ میرا وارث ہوگا۔

اس پہ حارثہ کا دل کھل اٹھا اور بے اختیار اس نے کہا:

زید تم نے جس شخص کو اختیار کیا ہے مجھے اس پہ فخر ہے۔

پھر وہ اپنے قبیلے کی طرف لوٹ گئے اور اب اِن کے دل میں کوئی رنج نہ تھا۔

انھیں اس بات پہ فخر تھا کہ محمد ﷺ نے اُن کے بیٹے کو یہ رتبہ عطا فرمایا ہے پھر لوگ مدتوں حضرت زیدؓ کو زید بن محمد ہی کہہ کر پکارتے رہے حتیٰ کہ مدینے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سورۃ الاحزاب میں یہ حکم اترا کہ تم اپنے متبنٰی کو اُن کے اصل والد کے نام سے پکارو۔تب لوگوں نے زید بن محمد کو پھر سے زید بن حارثہ کہہ کر پکارنا شروع کر دیا۔زیدؓ کی ساری زندگی آپ ﷺ کی غلامی میں گزری۔

❖ ❖ ❖

دراصل جب سے ہوائی جہازوں نے سفری روایت کو بدل دیا اور لوگ سفر کی صعبتوں سے بچ گئے تو حاجیوں کی تعداد اچانک ہی ہزاروں سے بڑھ کے لاکھوں تک جا پہنچی۔اب ایک کھرب روپے سے کعبہ کی تعمیر نو کے نئے منصوبے کا آغاز ہونے والا ہے جو دنیا کا سب سے بڑا تعمیری بجٹ ہے جو کسی ایک عمارت کے لیے مختص کیا گیا ہو۔

5 قبل نبوت، 18 قبل ہجرت، 605ء

بیت اللہ کی تعمیر

جب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر اللہ کا گھر تعمیر کیا تھا۔تب سے شہر مکہ کو عربوں میں مرکزی حیثیت حاصل تھی اور ہزاروں سال سے لوگ بیت اللہ کا حج کرتے چلے آ رہے تھے۔شہر مکہ کی رونقیں بیت اللہ کی وجہ سے تھیں اور عربوں کی شان بھی بیت اللہ کی وجہ سے تھی اور انھیں دیگر عربوں پہ ایک درجہ فضیلت کا حاصل تھا کہ وہ بیت اللہ کے والی تھے۔برہان الدین حلبیؒ نے لکھا کہ جب شہر مکہ کے قریشیوں نے بیت اللہ کی تعمیر کا ارادہ کیا اس سال مکہ کی پہاڑیوں پہ بہت بارش ہوئی تھی اور اس کا پانی حرم پاک میں داخل ہو گیا تھا جس کی وجہ سے اس کی دیواریں منہدم ہونے کا خدشہ پیدا ہو گیا تھا۔تب اہل قریش نے سوچا کہ اُن کی معاش،عزت،رتبے اور وقار کا دارومدار اسی گھر پہ ہے چنانچہ اس سے قبل کہ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آئے بیت اللہ کی تعمیر نو کر لی جانی چاہیے۔

امام عبداللہ سہیلی نے لکھا ہے کہ؛

بیت اللہ کی تعمیر اس وجہ سے شروع کی گئی کہ بیت اللہ میں موجود کنویں سے بیت اللہ کا خزانہ چوری ہونا شروع ہو گیا تھا۔اس خزانے میں قیمتی زیوارت نذرانے اور تحائف ہوا کرتے تھے جو زائرین مکہ اس کنویں میں پھینک دیا کرتے تھے۔تاہم ایک دفعہ جب اس خزانے سے کچھ چیزیں چوری ہوگئیں تو لوگوں نے چور کو تلاش کیا اور اس کے ہاتھ کاٹ دیئے چور بنو ملیح بن عمرو کا ایک غلام تھا جس کا نام دویک تھا۔

بعض دوسرے مورخین نے لکھا ہے کہ؛

دویک کا جرم تو دراصل اتنا تھا کہ چور مال اس کے پاس رکھ گئے تھے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ وہ چور نہ تھا ۔چور کوئی بڑا آدمی تھا جس کے بارے میں تاریخ خاموش ہے۔

چنانچہ اہل مکہ نے باہم مشاورت سے بیت اللہ کی تعمیر نو کا ارادہ کیا اور انھوں نے فیصلہ کیا کہ اس بار بیت اللہ پہ چھت بھی ڈالی جائے گی کہ اس سے قبل بیت اللہ پہ چھت نہ تھی صرف چار دیواریں تھیں جنھیں پتھر سے پتھر جوڑ کر استوار کیا گیا تھا حتیٰ کہ گارا تک استعمال کرنے کا تکلف نہ کیا گیا تھا۔ قریش نے فیصلہ کیا کہ اس بار بیت اللہ کی بلندی بھی بڑھائی جائے گی اور اس پہ چھت بھی ڈالی جائے گی۔بیت اللہ کی بلندی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے نو ہاتھ چلی آ رہی تھی۔

ابن اسحاقؒ سمیت کئی دیگر مورخین نے بھی لکھا ہے کہ؛

بیت اللہ کی اونچائی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے عہد سے ہی نو ہاتھ چلی آ رہی تھی اور اس پہ چھت بھی نہ تھی۔جب ظہور اسلام سے قبل اہل قریش نے بیت اللہ کو تعمیر کیا تو اس کی اونچائی میں نو ہاتھ کا اضافہ کر دیا گیا اس طرح اس کی اونچائی اٹھارہ ہاتھ ہوگئی۔انھوں نے اس کے دروازے کو سطح زمین سے بلند کیا تاکہ سیڑھی کے بغیر کوئی آدمی بیت اللہ شریف میں داخل نہ ہو سکے۔

اس سے قبل جب تبع شاہ حیرہ نے پہلے بری نیت سے مکہ کا قصد کیا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اسے ہدایت عطا فرمائی تو اُس نے بیت اللہ شریف کے لیے سونے کا دروازہ بنایا اور اس کی چابی اہل مکہ کے حوالے کی اور بیت اللہ پہ پہلی بار ریشم کا غلاف چڑھایا۔قریش کی تعمیر کے بعد جب ابن زبیرؓ نے بیت اللہ کو تعمیر کیا تو اس نے بھی حرم پاک کی بلندی میں نو ہاتھ اضافہ کیا تب بیت اللہ کی اونچائی

ستائیس ہاتھ ہوگئی تھی جواب تک قائم ہے۔

کعبہ معظّمہ کی پانچ بار توسیع کی گئی یاد رہے کہ یہ امام سہیلیؒ کا بیان ہے۔امام سہیلیؒ کا زمانہ گزرنے کے بعد بھی پہلے ترکوں نے اور پھر سعودیوں نے بیت اللہ شریف کی توسیع وتزیین کی ہے

امام سہیلیؒ کے مطابق پہلے حضرت شیثؑ نے بیت اللہ کو تعمیر کیا۔

پھر حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کی مدد سے بیت اللہ کو اس کی پرانی بنیادوں پہ استوار کیا۔

اس کے بعد قریش نے طلوع اسلام سے قبل بیت اللہ کو تعمیر کیا جس میں آنحضرت محمد ﷺ بھی شامل ہوئے۔

چوتھی مرتبہ بیت اللہ کی تعمیر اس وقت کی گئی جب ابن زبیرؓ کے عہد میں آگ کا ایک شرارہ بیت اللہ کے غلاف میں چلا گیا تھا اور تیز چلتی ہواؤں سے آگ بھڑک اٹھی جس کی بنا پہ کعبہ کی دیواریں کمزور ہوگئیں اور حضرت زبیرؓ نے بیت اللہ کو پھر سے تعمیر کیا۔

مورخین نے لکھا ہے کہ؛

حضرت زبیرؓ کو بیت اللہ کی تعمیر میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا سب سے پہلے اہل مکہ کے علماء نے ابن زبیرؓ کو اس امر سے منع کرنے کی کوشش کی اور اسے کہا کہ وہ اس مقدس گھر کو نہ گرائے۔

تاہم ابن زبیرؓ نے اُن سے کہا:

اگر تمہارا مکان جل کے راکھ ہو جائے تو کیا تم اس کو تعمیر نہ کرو گے۔

پھر جب حضرت زبیرؓ نے اپنے کچھ حامی پیدا کر لیے تب انھوں نے بیت اللہ کو منہدم کیا اور حضرت ابراہیمؑ کی بنیادوں پہ اسے پھر سے استوار کر دیا اس نے حطیم کی وہ جگہ بھی بیت اللہ میں شامل کر لی تھی جو قریشیوں کے عہد میں اُن کے وسائل کی کمی کی وجہ سے یونہی رہ گئی تھی۔

ابن زبیرؓ کا دور تاریخ اسلام میں فتنے کا دور گنا جاتا ہے کہ اُن دِنوں اُمت اِفتراق وانتشار کا شکار تھی۔

امام سہیلیؒ لکھتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ بیت اللہ کا طواف کبھی رکا ہو مگر اُس دن جب حضرت زبیرؓ کو شہید کیا گیا تو خوف کی وجہ سے کوئی آدمی بیت اللہ شریف کی طرف نہ گیا۔تاہم کچھ لوگوں نے دیکھا کہ لوگوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے چند اونٹ بیت اللہ کے طواف میں مصروف ہیں۔

حضرت زبیرؓحضرت عائشہؓ کے بھانجے تھے اس لیے بیت اللہ کی تعمیر کے دوران وہ اپنی پھوپھی سے راہنمائی لیتے رہے تھے۔انھوں نے بیت اللہ کو اُن اقوال رسول ﷺ کی روشنی میں تعمیر کیا تھا جو اُن تک اُن کی پھوپھی حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ذریعے پہنچے تھے۔

چنانچہ انھوں نے حطیم کو پھر سے بیت اللہ میں شامل کیا اور بیت اللہ کے دو دروازے جو زمین کی سطح کے برابر تھے شرقاً غرباً رکھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا تھا کہ:

''اگر تمھاری قوم جاہلیت سے نئی نئی تائب نہ ہوئی ہوتی اور اُن کا ایمان پختہ ہو چکا ہوتا تو میں بیت اللہ کو گرا کر اس طرح تعمیر کرتا کہ شرقاً غرباً اس کے دو دروازے رکھتا اور مقام حجر کو بیت اللہ میں شامل کر دیتا پھر تیری قوم کے پاس سرمایہ بھی قلیل تھا اس لیے میں چپ ہو رہا''۔

تب ابن زبیرؓ نے کہا! اب قوم کے پاس پیسے کی کمی نہیں ہے اس لیے انھوں نے بیت اللہ شریف کے دو دروازے شرقاً غرباً رکھے اور حجر کو بھی بیت اللہ میں شامل کر دیا۔

جب ابن زبیرؓ بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہوا تو اس نے یہ اشعار کہے۔

عَجِبْتُ لِمَا تَصَوَّبِتُ العُقَابُ
اِلٰی الثُّعْبَانِ وَھِیَ لَھَا اِضْطِرَابُ

جب شائین اژدھے کی طرف گیا تو مجھے بڑا تعجب ہوا حالانکہ شاہین تو ناگ سے خوفزدہ رہتا ہے۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

وَقَدْ کَانَتْ یَکُوْنُ لَھَا کَشِیْشٌ
وَاَحْیَانًا یَکُوْنُ لَھَا وِثَابُ

وہ سانپ کبھی تو خاص قسم کی بلند آواز نکالا کرتا اور کبھی کبھی وہ لوگوں پہ حملہ بھی کر دیتا تھا۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

اِذَا قُمْنَا اِلَی التَّأ سِیْسِ شَدَّتْ
تُهِیِّبُنَا البَنَاءَ وَقَدْ تُهَابُ

جب ہم کعبہ کی عمارت کو نئے سرے سے تعمیر کرنے لگے تو وہ یعنی سانپ عمارت پہ بیٹھ کر ہمیں خوفزدہ کرتا تھا۔

✪✪✪✪✪✪✪✪

فَلَمَّا اَنْ خَشِیْنَا الرِّجْزَ جَاءَتْ
عُقَابٌ تَتْلَئِبُّ لَهَا انْصِبَابُ

جب ہم اس کو ہلاک کرنے سے ڈر گئے تو پھر ایک عقاب آیا اور سیدھا اسی کی طرف آیا۔"

✪✪✪✪✪✪✪✪

فَضَمَّتْهَا اِلَیْهَا ثُمَّ خَلَّتْ
لَنَا البُنْیَانَ لَیْسَ لَهٗ حِجَابُ

اس نے اژدھا کو اپنے ساتھ لپیٹ لیا اور ہمارے لیے کعبہ کی عمارت خالی کر دی اب ہمارے لیے کوئی رکاوٹ نہ تھی۔"

✪✪✪✪✪✪✪✪✪

فَقُمْنَا حَاشِدِیْنَ اِلٰی بِنَاءٍ
لَنَا مِنْهُ القَوَاعِدُ وَالتُّرَابُ

تب ہم متفق ہو کر اس کی تعمیر کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے اور ہمارے ذمہ اس کی بنیادیں اور مٹی تھی۔"

✪✪✪✪✪✪✪✪✪

غَدَاةَ نُرَفِّعُ التَّأسِيْسَ مِنهُ
وَلَيْسَ عَلیٰ مُسَوِّيْنَا ثِيَابُ

اور جب صبح ہم تعمیر کعبہ میں مصروف تھے تب ہم اس وقت تقریباً عریاں تھے۔"

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

اَعَزَّ بِهِ المَلِيْكُ بَنِىْ لُؤيٍّ
فَلَيْسَ لِلَاصْلِهِ مِنْهُمْ ذَهَابُ

اللہ تعالیٰ نے بنولوی کو اس شرف سے سرفراز فرمایا اِن سے عزت وکرامت کی یہ عمیق جڑیں نکالی نہیں جاسکتیں۔"

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

وَقَدْ حَشَدَتْ هُنَاكَ بَنُوْعَدِيٍّ
وَمُرَّةُ قَدْ تَقَدَّمَهَا كِلَابُ

وہاں بنوعدی جمع تھے بنومرہ بھی تھے لیکن بنوکلاب ان تمام کے پیش رو تھے۔"

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

فَبَوَّأنَا المَلِيْكُ بِذَاكَ عِزًّا
وعِنْدَاللّٰهِ يُلْتَمَسُ الثَّوَابُ

اس کام کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزت واحترام بخشا، اجروثواب تو بارگاہ ربوبیت سے ہی مل سکتا ہے[52*]۔"

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

پھر ابن زبیرؓ کی شہادت کے بعد عبد الملک بن مروان مسلمانوں کا حکمران ہوا تو حضرت زبیر سے دشمنی کی وجہ سے اس نے کہا:

ہم بیت اللہ کی اس تعمیر کو پسند نہیں کرتے جسے ابن زبیرؓ نے تعمیر کرایا ہے۔ چنانچہ اُس کے حکم پر بیت اللہ کو ایک بار پھر مسمار کر دیا گیا اور بیت اللہ کو اس طرح تعمیر کیا گیا جس طرح حضور ﷺ کے عہد ہمایوں میں اس کی تعمیر ہوئی تھی۔ جب ابن مروان بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہوا تو حارث بن ابی ربیعہؓ نے اُس سے کہا:

اے مروان تُو نے یہ کیا کیا ہے۔

آنحضرت محمد ﷺ نے تو یوں فرمایا تھا۔

یعنی بیت اللہ کو اُس طرح تعمیر کرنے کی ہدایت کی تھی جس طرح ابن زبیرؓ نے اس کو تعمیر کیا تھا۔

اس پہ عبد الملک بن مروان بہت شرمندہ ہوا۔

وہ اپنی چھڑی سے زمین کو کریدنے لگا اور کہا:

کاش میں ابن زبیرؓ کی تعمیر کو باقی رہنے دیتا۔

اور یہ خانہ کعبہ کی پانچویں تعمیر تھی۔

مروان کے بعد جب ابو جعفر مسلمانوں کے خلیفہ ہوئے تو انھوں نے خانہ کعبہ کو اُن بنیادوں پہ پھر سے تعمیر کرنے کا ارادہ کیا جن پہ ابن زبیرؓ نے تعمیر کی تھی۔ اس مقصد کے لیے اُس نے علمائے وقت سے مشاورت کی اور اس وقت امام مالکؒ یعنی انس بن مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ابو جعفر سے کہا:

اے امیر المومنین! بیت اللہ کو بادشاہوں کا کھلونا بننے سے بچاؤ۔ اگر یہ رسم چل نکلی تو آنے والا ہر بادشاہ سب سے پہلے کعبہ کو مسمار کیا کرے گا پھر کوئی دوسرا کام کرے گا۔ جس کا جی چاہے گا اپنے نام کا کعبہ تعمیر کرنا شروع کر دے گا۔

اس لیے بخدا آپ اس امر سے باز رہیں۔ اس سے بیت اللہ کی تکریم اُس کی ہیبت اور تقدس لوگوں کے دلوں سے جاتا رہے گا۔

ابو جعفر المنصور نے امام مالک کی رائے کے سامنے سر جھکا دیا اور پھر ایک ہزار سال تک بیت اللہ کی تعمیر و توسیع رُک گئی۔

ایک ہزار سال بعد ترکوں نے بیت اللہ شریف کی خوبصورت عمارت تعمیر کی اس کے بعد ترکوں کی یہ توسیع چار سو سال تک قائم رہی۔ پھر آل سعود نے وقت اور حالات کی نزاکت کا اندازہ کرتے ہوئے تیز رفتاری سے دو دفعہ بیت اللہ کو توسیع دی کہ اب حاجی ہزاروں کی تعداد میں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں آنے لگے تھے۔ اس لیے اچانک ہی بیت اللہ کی توسیع کی ضرورت پڑ گئی تھی۔ انھوں نے اربوں ڈالر خرچ کر کے خادمین حرمین شریفین ہونے کا حق ادا کیا گذشتہ پچاس سال میں بیت اللہ شریف کی دو بار توسیع کی گئی ہے اور تیسری بار توسیع کے لیے ایک بہت بڑا منصوبہ ترتیب دیا جا رہا ہے بیان کیا جاتا ہے کہ اس توسیع پہ ایک کھرب ڈالر سے زائد خرچہ آئے گا۔

بیت اللہ کا تاریخی تناظر بیان کرنے کے بعد اب ہم اپنے اصلی موضوع کی طرف لوٹتے ہیں کہ یہ وہ مبارک دن تھے جب بیت اللہ شریف کی توسیع و تعمیر کا رادہ کیا گیا تب اس مجلس مشاورت میں آنحضرت محمد ﷺ خود بہ نفس نفیس موجود تھے۔

اہل قریش نے مشورہ کیا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ بیت اللہ کو پھر سے تعمیر کیا جائے۔

تب سب سے پہلے اس سانپ کا تذکرہ آیا جو بیت اللہ کے خزانے کا محافظ تھا اور پانچ سو سال سے لوگ اس کو دیکھتے آ رہے تھے۔ جب کوئی شخص بیت اللہ کے خزانے کے قریب جاتا تو وہ سانپ اس پہ پھنکارتا اور اُس کو ڈسنے کے لیے دوڑتا۔

اگلی صبح لوگوں نے دیکھا کہ وہ سانپ بیت اللہ کی ایک دیوار پہ نمودار ہوا اور دھوپ سے اپنے جسم کو گرم کرنے لگا کہ اچانک کہیں سے ایک بڑا سا پرندہ آیا اور اس سانپ کو اپنی چونچ میں دبا کر لے اڑا۔

لوگوں نے کہا؛

یقیناً اللہ تعالیٰ کی حمایت ہمارے ساتھ ہے۔

اب دوسرا مسئلہ سامان تعمیر کا تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح حل فرما دیا کہ حجاز کے ساحلی علاقے پہ ایک سمندری جہاز طوفان میں پھنس کر ٹوٹ گیا تھا وہ کنارے پہ چڑھ آیا تھا اور اُس کا واپس سمندر میں جانا ممکن نہ تھا۔ قریش نے اُس جہاز کو خرید لیا اور اس کے تختے اکھاڑ اکھاڑ کر بیت اللہ کی چھت کے لیے مکہ لائے جانے لگے، اس طرح یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا۔

پھر اہل مکہ نے باقوم نامی ایک بڑھئی بھی تلاش کر لیا جو تعمیر کا ماہر تھا اور وہ ایک قبطی شخص تھا۔

یوں بیت اللہ شریف کی تعمیر نو شروع ہو گئی۔

پھر قریش کے سردار ابو وہب نے جو رسول اللہ ﷺ کے قرابت دار تھے۔

قوم سے کہا اے معشر قریش:

یاد رکھو بیت اللہ کی تعمیر میں اپنا حلال مال ہی استعمال کرنا۔

تب لوگوں نے بیت اللہ شریف کا رخ کیا۔ بیت اللہ کا تقدس اور اس کی ہیبت مدتوں سے عربوں کے دلوں میں اپنا گھر بنائے بیٹھی تھی اس لیے کوئی شخص آگے نہ بڑھتا تھا کہ مبادا وہ آغاز کرے اور کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے۔

اپنی قوم کی اس جھجک کو دیکھ کر عربوں کا ایک سردار ولید بن مغیرہ اٹھا اور اس نے کہا، آغاز میں کرتا ہوں اور اللہ جانتا ہے کہ ہمارے دلوں میں اس کے گھر کے لیے خیر ہی خیر ہے۔

وہ کدال لے کر بیت اللہ کی ایک دیوار پہ چڑھا اور اسے گرانے لگا۔

اپنی زبان سے وہ کہہ رہا تھا۔

اے اللہ ہمیں خوفزدہ نہ کرنا کہ ہمارے دل میں تو صرف بھلائی ہے۔ جب اُس نے دیوار کا کچھ حصہ گرا لیا تو نیچے اتر آیا تا کہ دوسرے لوگ بھی اس سعادت میں اپنا حصہ ڈال سکیں۔

تاہم لوگوں نے اب بھی گریز کی راہ اختیار کی اور کہا؛

آج کی رات ٹھہر جاؤ اگر ولید بن مغیرہ صبح تک زندہ رہا تب ہم دوبارہ اس کام کو شروع کر دیں گے۔

اور ولید بن مغیرہ کو کچھ بھی نہ ہوا۔

دوسرے دن لوگوں نے کہا؛

ہمیں اللہ کی رضا حاصل ہے اور اس دن جوش و خروش سے بیت اللہ کو منہدم کرنے کا کام شروع ہو گیا۔

شام تک چاروں دیواریں گرائی جا چکی تھیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد نظر آ رہی تھی۔ اور وہاں اونٹ کی کوہان جتنے بڑے بڑے پتھر تھے جو ایک دوسرے میں شدت سے پیوست تھے۔

ابن اسحاقؒ نے روایت کی ہے کہ؛

مجھ سے ایک محدث نے بیان کہ کیا کہ قریش کے ایک شخص نے اُن پتھروں کے درمیان کدال ڈالی اور اُن کو ہلانے کی کوشش کی تو سارا مکہ شہر ہل کے رہ گیا اور لوگ جان گئے کہ اس کے نیچے کھودنے کی اُن کو اجازت نہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں کو اس طرح رہنے دیا گیا اور اس کے اوپر تعمیر شروع کر دی گئی۔

مورخین نے بیان کیا ہے کہ قریش جب بیت اللہ شریف کی بنیادوں تک پہنچے تو وہاں اُن کو تحریروں والے تین کتبے ملے جن پر کچھ لکھا تھا۔

سریانی زبان میں تحریر اس کتبے کو پڑھنے کے لیے ایک یہودی کو بلایا گیا اُس نے کتبے کی تحریر پڑھی اس پہ لکھا تھا۔

"میں اللہ ہوں، میں مکے کا مالک ہوں، میں نے جس دن اس کو پیدا کیا اسی دن میں نے زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کیا تھا اور اسی دن چاند اور سورج بنائے تھے میں نے اس گھر کو سات فرشتوں کے ذریعے گھیر دیا ہے اور اس کی عظمت اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک کہ اس کے دونوں پہاڑ موجود ہیں یعنی ایک پہاڑ تو ابوقبیس ہے جو صفا کے سامنے ہے اور دوسرا پہاڑ قیقعان ہے جو مکے کے قریب ہے، جس کا رخ کوہ ابوقبیس کی طرف ہے اور شہر مکہ اپنے مکینوں کے لیے پانی اور دودھ کے لحاظ سے بہت برکت اور نفع والا ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

ایک اور کتبے پہ تحریر تھا:

"مکہ اللہ تعالیٰ کا معزز اور مکرم شہر ہے۔ اس شہر کا رزق تین راستوں سے اس کے پاس آتا ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

تیسرے خطبے پہ تحریر تھا کہ:

”جو کوئی بھلائی بوئے گا لوگ اس پہ رشک کریں گے اور اس جیسا بننے کی تمنا کریں گے اور جو شخص برائی بوئے گا وہ رسوائی اور ندامت پائے گا۔تم لوگ برائیاں کر کے بھلائی کی آس لگائے بیٹھے ہو اور یہ ایسا عمل ہے کہ کوئی شخص کیکر کے کانٹوں سے انگور تلاش کرے تو یقیناً اس کا نتیجہ سب جانتے ہیں“۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اب بیت اللہ کی تعمیر کا کام زور شور سے جاری تھا اور مختلف قبائل کے لیے بیت اللہ کے مختلف کام طے کر لیے گئے تھے۔یعنی مختلف قبائل کے ذمے بیت اللہ کی ایک ایک دیوار کی تعمیر تھی۔چنانچہ مشرقی دیوار جس میں خانہ کعبہ کا دروازہ نصب کیا جانا تھا اس کی تعمیر بنو عبد مناف اور بنو زہرہ کے سپرد کی گئی۔

جنوبی دیوار جو حجر اسود سے لے کر رکن یمانی تک تھی اس کی تعمیر بنو مخزوم اور اہل قریش کے حوالے کی گئی تھی۔

مغربی دیوار کی تعمیر بنو جمح ،بنو سہم اور عمرو بن ہصیص جو کعب بن لوئی کے بیٹے تھے اِن کی ذمہ داری قرار پائی تھی۔

شمالی دیوار جس طرف حطیم ہے اس کو تعمیر کرنے کی ذمہ داری بنو عبدالدار،بنو اسد اور بنو عدی پہ تھی۔

پھر دیواریں چھت تک پہنچ گئیں اور عرب قبائل میں نزاع کی وجہ سے بیت اللہ کی تعمیر کا کام رُک گیا۔

ابن اسحاق علیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ؛

قریش کے تمام قبائل نے تعمیر کعبہ کے لیے پتھروں کو جمع کرنا شروع کیا ہر قبیلے نے ذوق وشوق کے ساتھ بیت اللہ کی تعمیر میں حصہ لینا شروع کیا۔جب بیت اللہ کی دیواریں حجر اسود نصب کرنے کی جگہ تک تعمیر ہو گئیں تو عرب قبائل متفرق ہو گئے کیونکہ ہر قبیلے کی خواہش تھی کہ یہ اعزاز اس کے حصے میں آئے چنانچہ وہ باہم لڑنے کے لیے تیار ہو گئے اور جنگ کی تیاری کرنے لگے۔

بنو عبدالدار نے خون سے لبریز پیالہ منگوایا اور انھوں نے بنو عدی کے ساتھ خون کے پیالے میں ہاتھ ڈبوئے اور مرنے تک عہد کیا۔

چار پانچ روز تک قریش انتشار کا شکار رہے۔

پھرایک مجلس میں جواسی تنازع کوحل کرنے کے لیے بلائی گئی تھی عربوں کے ایک بوڑھے سردار ابو امیہ بن مغیرہ نے کہا:

میری بات سنو، جس معاملے میں تمھارے درمیان اختلاف رونما ہوگیا ہے اس کا فیصلہ کرنے کے لیے اُس شخص کوثالث چُن لوجوکل صبح سب سے پہلے مسجد حرام میں داخل ہو۔

لوگوں نے اس کی بات مان لی اور اگلی صبح سب سے پہلے مسجد حرام میں داخل ہونے والے شخص آنحضرت محمد ﷺ تھے۔

انھیں دیکھ کرسب لوگوں کے چہرے کھل اٹھے اورانھوں نے کہا:

ہمیں محمد ﷺ پہ پورااعتماد ہے وہ جوفیصلہ کریں،ہم اسے قبول کریں گے۔

قریش نے آنحضرت محمد ﷺ کے سامنے اپنامسئلہ بیان کیا:

آپ ﷺ نے فرمایاایک چادرلاؤ۔

قریش چادرلے آئے۔

آپ ﷺ نے حجراسودکواٹھایااوراس چادر پہ رکھ دیا۔

اس کے بعدآپ ﷺ نے فرمایا؛

تم میں سے ہرقبیلے کاسردارآئے اورچادرکاایک ایک کونہ تھام لے۔

عربوں کے سردارآگے بڑھے اورانھوں نے چادرکاایک ایک کوناتھام لیااوراس کواُس جگہ لے گئے جہاں حجراسودکونصب کرناتھا۔

وہاں پہنچ کرآپ ﷺ نے حجراسودکواپنے مبارک ہاتھوں میں اٹھایااوراُسے اُس کی جگہ پہ نصب کر دیا۔

اس طرح آپ ﷺ کی دانش اورمعاملہ فہمی سے عرب ایک بڑی جنگ سے بچ گئے۔

چنانچہ ایک عرب نے نبی اکرم ﷺ کی اس فراست کی مدح میں یہ اشعارکہے جوہم آپ کی خدمت میں پیش کرنے جارہے ہیں۔[*53]

تَشَا جَرْتِ الْاَحْیَاءُ فِیْ فَصْلِ خُطَّۃٍ
جَرَتْ بَیْنَھُمْ بِالنَّحْسِ مِنْ بَعْدِ اَسْعَدٖ

اور جب ایک بات کے فیصلہ کرنے میں اُن عرب قبائل کے درمیان اختلاف رونما ہو گیا اور یہ اختلاف ایسا تھا جیسا کسی سعادت کو حاصل کر لینے کے بعد انھیں نحوست سے دوچار کر دیا گیا ہو۔"

✪✪✪✪✪✪✪✪

فَلَمَّا رَاَیْنَا الْاَ مْرَقَدَ جَدَّ جِدُّہٗ
وَلَمْ یَبْقِ شَیْءٌ غَیْرَسَلِّ الْمُھَنَّدٖ

جب ہم نے دیکھا کہ معاملہ از حد سنگین ہو گیا ہے اور تیز تلوار کے میان سے نکالنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں رہا تھا۔"

✪✪✪✪✪✪✪✪

رَضِیْنَا وَقُلْنَا الْعَدْلُ اَوَّلُ طَالِعٍ
یَجِیْءُ مِنَ الْبَطْحَاءِ مِنْ غَیْرِ مَوْعِدٖ

ہم اس بات پہ راضی ہو گئے کہ جو شخص کل صبح سب سے پہلے حرم میں داخل ہو گا وہی عدل کرے گا۔"

✪✪✪✪✪✪✪✪

فَفَا جَآنَا ھٰذَا الْاَمِیْنُ مُحَمَّدٌ
فَقُلْنَا رَضِیْنَا بِالْاَمِیْنِ مُحَمَّدٖ

پس اچانک یہ امین جس کا نام محمد ﷺ ہے وہ آتا ہوا نظر آتا ہے اور اس کو دیکھ کر لوگ راضی ہو گئے۔"

✡✡✡✡✡✡✡✡

بَخَیْرِ قُرَیْشٍ کُلِّھَا اَمْسِ شِیْمَۃً
وَفِی الْیَوْمِ مَعْ مَا یُحْدِثُ اللّٰہُ فِیْ غَدٖ

وہ کل بھی تمام قریش میں بہتر تھا اور آنے والے کل میں اللہ تعالیٰ اُن پہ مزید فضل کرنے والا تھا۔"

✡✡✡✡✡✡✡✡

فَجَاءَ بِاَمْرٍ لَمْ یَرَی النَّاسُ مِثْلَہٗ
اَعَمُّ وَاَرْضٰی فِی الْعَوَاقِبِ وَالْبَدْءِ

انھوں نے جھگڑے کا فیصلہ کیا جس کی مثال لوگوں میں نہ ملتی تھی اس کا فیض عام تھا جس کی ابتداء اور انتہا دونوں خوش کرنے والے تھے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

وَکُلٌّ رَضَیْنَا فِعْلَہٗ وَ صَنِیْعَہٗ
فَاَعْظَمُ بِہٖ مِنْ رَاْیٍ ھَادٍ وَمُھْتَدِیْ

ہم سب اس کے کارنامے پہ راضی ہو گئے اور اُن کی رائے کتنی عمدہ تھی۔"

✡✡✡✡✡✡✡✡

وَتِلْکَ یَدٌ مِنہ عَلَیْنَا عَظِیْمَۃٌ
یَرُوْحُ لَھَا ھٰذَا الزَّمَانُ وَ یَغْتَدِیُ
ہم پہ یہ جلیل القدر احسان ہے جو آج بھی اور کل بھی ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔"[*54]

✡✡✡✡✡✡✡✡

راعی اور رعیت

نبوت سے پہلے بھی نبی اکرم ﷺ کی زندگی ایک نبی کی زندگی ہی تھی۔اس لیے کہ نبی ہمیشہ سے نبی ہوتا ہےاور زندگی کے پہلے دن سے لے کر آخری دن تک اُس کی زندگی کا انداز عام آدمی سے بہت مختلف ہوتا ہے۔اگرچہ انبیاء کے عمل میں عام آدمی کے عمل سے مشابہت پائی جاتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ حامل وحی انسان پہ زندگی کے وہ بہت سے اسرار کھل جاتے ہیں عام آدمی جس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔نبی اکرم ﷺ کی عمومی زندگی کے بارے میں آسانی کے ساتھ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سلیم الفطرت بنایا تھا۔نبی اکرم ﷺ کی زندگی کا آغاز ہی شعور کی رفعتوں سے ہوا اور یہ انبیاء کا خاصہ ہوتا ہے کہ اُن کے دماغ میں آیات الٰہی کا مطالعہ کرنے کی صلاحیت عام آدمی سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔اُن کا قلب زندہ اور بیدار ہوتا ہے۔رحم اور نرمی سے مزین ہوتا ہے۔صبر اور استقامت کا مظہر ہوتا ہے۔نبی کے اندر تلاش اور جستجو کا داعیہ اپنی انتہا پہ ہوتا ہے جو اس کو بے چین رکھتا پھر اُس کے سوالوں کا جواب وحی کی صورت اس پہ اتارا جاتا ہے تب جا کے کہیں اُس کو چین ملتا ہے۔مگر اب انبیاء کے سامنے

پہلی منزل سے بھی زیادہ کٹھن منزل ہوتی ہے جسے سر کرنا انتہائی دشوار ہوتا ہے اور وہ منزل یہ ہوتی ہے کہ نبی جس حقیقت کو جان چکا ہوتا ہے وہ اسے لوگوں پہ آشکار کرتا ہے۔ مگر لوگ اپنی کم فہمی اور نادانی کی بنا پہ اس کا انکار کرتے ہیں جس سے اللہ کے انبیاء کو اذیت پہنچتی ہے اُن کے اندر بس ایک ہی آرزو موجود ہوتی ہے کہ اُس کی قوم اور اس کے اردگرد بسنے والے لوگ اُس حقیقت کو جان جائیں جس کا فہم اِس کو عطا کیا گیا ہے ۔چونکہ اللہ کے رسولوں کو اپنی دعوت پہ انتہا درجے کا تیقن حاصل ہوتا ہے اس لیے اُن کی جدوجہد اُن کی زندگی کی آخری سانس تک جاری رہتی ہے۔قرآنِ حکیم میں ایسی بہت سی اقوام کی داستانِ عبرت موجود ہے جنھوں نے اپنے انبیاء کی تعلیمات کو جھٹلایا اور مردود قرار پائے۔اللہ کے نبی جانتے ہیں کہ تکمیل ذات کے لیے وحی کی پیروی ایسے ہی ضروری ہے جیسے کہ زندہ رہنے کے لیے سانس لینا ضروری ہے۔اللہ تعالیٰ کے انبیاء ورسل کی جو خصوصیات ہم تک پہنچی ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نبی کی ذات اس کی قوم میں عمدگی اور رفعت کا نشان ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت محمد ﷺ کی عمومی زندگی میں بھی وہ تمام خصائص بدرجہ اُتم پائے جاتے ہیں جس کی بنا پہ انسان کے اخلاقی معیار کی عمدگی کو جانچا جاسکتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ ہمیشہ سے نرم خو اور راست گو تھے یہی وجہ ہے کہ اُن کی قوم نے وحی اترنے سے پہلے انھیں قوم کے سب سے زیادہ بااخلاق، سب سے زیادہ امانت دار، سب سے زیادہ راست گو، سب سے زیادہ فہم ودانش کا مالک، سب سے زیادہ رحم دل، سب سے زیادہ سخی، سب سے زیادہ باریک بیں سب سے عمدہ تاجر، سب سے زیادہ شرم وحیا والا، سب سے اعلیٰ نسب والا، سب سے اعلیٰ شرف کا مالک، سب سے زیادہ شجاع، سب سے زیادہ حکمت والا، سب سے زیادہ سلیم الفطرت، سب سے زیادہ دین ابراہیم کے قریب، سب سے زیادہ حلم سے قریب، سب سے زیادہ پاکیزہ ومطہر، سب سے زیادہ طاہر وطیب، سب سے زیادہ فصیح وبلیغ، اور سب سے زیادہ حسن معاشرت رکھنے والا شخص قرار دے دیا تھا اور آپ ﷺ کو صادق اور امین کہہ کے پکارا گیا۔یہی وہ اوصاف ہیں جن کی بنا پہ انبیاء اپنی قوم پہ حجت قائم کرتے ہیں کہ جب میں نے آج تک سچ بولا ہے تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ میں اللہ کے نام پہ جھوٹ بولوں گا۔قوم کے سلیم الفطرت اور عدل پسند انسان جلد ہی اس حقیقت کو جان جاتے ہیں کہ اتنے اعلیٰ اوصاف کا حامل شخص جو بات کہہ رہا ہے اس کو غور سے سننا چاہے اور جس نے انبیاء کی بات کو غور سے سن لیا اُس نے فلاح پائی، منزل اس کے سامنے روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی۔ نبی اکرم ﷺ کے بچپن کے واقعات جاننے سے ہم پہ یہ بات

واضح ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ ہمیشہ سے اہل علم کی مجلس کو پسند فرماتے تھے اور لغو مجالس سے دور رہتے تھے۔ پھر آپ ﷺ کا گھرانہ نہ صرف یہ کہ مکہ کا سردار گھرانہ تھا بلکہ ایک انتہائی مذہبی گھرانہ تھا کہ آپ ﷺ کے آباء پہ حرم پاک کی حفاظت اور حاجیوں کی خدمت کی ذمہ داری بھی تھی۔

اس لیے جب آپ ﷺ نے شعور کی آنکھ کھولی تو آپ نے خود کو دینی اور روحانی ماحول میں پایا جہاں تقدس کا ایک سلسلہ تھا جس سے آپ ﷺ کے آباء مزین تھے۔ لوگ اہل قریش کو اپنا روحانی پیشوا مانتے تھے اور آپ ﷺ کے دادا قریش کے سردار تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کی تربیت روز اول سے ہی شروع کر دیتا ہے اس لیے آپ ﷺ کو بھی اپنے گھر میں جو بات ملی وہ دین ابراہیم سے متعلق ہی تھی۔ جہاں حاجیوں کی خاطر تواضع کے منصوبے بنائے جاتے اور اللہ کے مہمانوں کی تکریم کے عہد کیے جاتے۔ کیونکہ آپ ﷺ کے گھر والے اللہ کے گھر آنے والوں کے میزبان تھے اس لیے ہر دم اس بات کا اہتمام کیا جاتا اور اس بابت بحث و مباحثہ کیا جاتا کہ اللہ کا کوئی مہمان اُن کے گھر سے بھوکا پیاسا نہ چلا جائے۔

ابن سینا نے اپنی کتاب " **الشفاء** " میں لکھا ہے کہ نبی کامل و عبقری شخصیت کا مالک شخص ہوا کرتا ہے جس کی ذہنی قوتوں کا نشو ارتقاء حیرت انگیز حد تک تیز رفتار ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے جب بچپن میں بکریاں چرانا شروع کیں تبھی سے آپ ﷺ کے ذہن کے اندر کائنات اور خالق کائنات کے متعلق سوالات سر اٹھانے لگے تھے۔ آپ ﷺ خود سے یہ سوال کرنے لگے تھے کہ اُن کی قوم کے لوگ جن بتوں کی پرستش کرتے ہیں کیا وہ کسی کے لیے نافع ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا انبیاء کی زندگی میں مشاہدہ ایک بنیادی عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔ نبی اپنے اردگرد کی زندگی پہ نظر ڈالتا ہے تب اُس کو اپنے معاشرے کی گمراہی اور عقائدی پستی کا ادراک عطا کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد وحی سے اُسے وہ راستہ بتایا جاتا ہے جس کی طرف وہ اپنی قوم کو دعوت دیتا ہے۔ یہ ایک عام مشاہدے کی بات ہے کہ تفکر و تدبر سے انسان کو زندگی کی نئی راہوں کا سراغ ملتا ہے۔ اللہ کے نبی طبعاً سوچنے والے دیکھنے والے اور سننے والے ہوتے ہیں۔ اُن کے دل میں علم و حکمت اور حق و باطل کی پہچان کا داعیہ رکھ دیا جاتا ہے جس سے وہ اپنے فطری ذوق کی تسکین کرتے ہیں۔ اگرچہ اُن کی ذات اور فکر کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب اُن پہ وحی اتاری جاتی ہے۔ ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے انبیاء کی حفاظت کا بھی غیر معمولی اہتمام کیا جاتا ہے اس لیے کہ اللہ کے انبیاء نے منصب شہادت پہ فائز ہونا ہوتا ہے۔ چنانچہ انبیاء کے

دامن کا اجلا ہونا بہت ضروری ہوتا ہے اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی شدید مخالفت کے باوجود اہل قریش نے کبھی اُن کو بے ایمان یا جھوٹا نہ کہا۔ بلکہ حد تو یہ ہے کہ جب آپ ﷺ نے مدینہ سے ہجرت فرمائی تو اہل مکہ کی بہت سی امانتیں آپ ﷺ کے پاس تھیں۔ یعنی اُن کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ اگرچہ اُن کے اور ہمارے درمیان عقائد اور دین کی جنگ جاری ہے مگر اس کے باوجود وہ ایماندار ہیں ،حق دار کو اُس کا حق ادا کرنے والے ہیں۔ یہ اور ایسی دوسری کئی حقیقتیں ہیں جنھوں نے آپ ﷺ کو اہل قریش میں بھی معتبر اور باعزت بنا رکھا تھا۔

مورخین نے لکھا ہے کہ جب آپ ﷺ بنو ہوازن میں تھے تب آپ ﷺ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ یعنی آپ راعی تھے اور یہ اہتمام اس لیے تھا کہ ارتقاء کی منزلوں سے گزرتے ہوئے آپ ﷺ تمام انسانوں کے راعی بننے والے تھے۔ آپ ﷺ کی محبت انسانیت کو محیط ہونے والی تھی اور آپ ﷺ کے اندر وہ ارفع اوصاف بتدریج پختہ ہو رہے تھے جن کی ضرورت آپ ﷺ کو اس وقت پیش آنے والی تھی جب آپ ﷺ نے اپنی قوم کو حق کی طرف بلانا تھا۔ چونکہ آپ ﷺ نے اپنی قوم کو دعوت دینی تھی ،قوم کو دین حق کی طرف بلانا تھا،قوم کی گردن کو رسموں کے اُس ناسور سے نجات دلانا تھی جس کی وجہ سے قوم آزار میں مبتلا تھی مگر اپنی کم فہمی کی بنا پہ وہ اس کا شعور نہ رکھتی تھی کہ اُن کی گردن میں انسانیت سوز رسموں نے جو قلاوہ ڈال رکھا ہے اسے اتارا بھی جا سکتا ہے۔ اس لیے آپ ﷺ کوئی راہبانہ اور قوم سے الگ تھلگ زندگی بسر نہ کرتے تھے بلکہ آپ ﷺ ہر دم اپنی قوم میں موجود رہے اُن کے دکھ سکھ میں شامل ہوئے اُن کی اعلیٰ اور عمدہ باتوں میں اُن کی حوصلہ افزائی کی ،اُن کی بری باتوں سے خود کو بچائے رکھا اور زندگی کے سفر میں جس شخص نے بھی آپ ﷺ سے کوئی معاملہ کیا اس شخص نے آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے عمدہ اوصاف و اخلاق کی بنا پہ یاد رکھا چنانچہ سنن ابی داؤد میں روایت ہے کہ؛

ہم مدینے میں تھے اور مسجد نبوی میں تھے کہ ایک شخص جس کو ہم نہیں جانتے تھے۔ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا۔

وہ آپ ﷺ سے بے تکلفی کے ساتھ باتیں کرنے لگا۔

ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا؟

یارسول اللہ ﷺ آپ اس شخص کو پہلے سے جانتے ہیں۔

اس سے پہلے کہ حضور اکرم ﷺ لب کشا ہوں۔وہ شخص بول اٹھا اور سوال کرنے والے کی طرف چہرہ کر کے کہا:

بخدا! میں رسول اللہ ﷺ کو آپ سے بہت پہلے سے جانتا ہوں۔

بیس پچیس سال گزرے تب رسول اللہ ﷺ میرے ساتھ شریک تجارت تھے۔

اور میں نے اِن سے عمدہ شریک تجارت کسی اور کو نہ پایا۔

آپ ﷺ نہ حیل و حجت کرتے تھے نہ تکرار۔

قیس نے مزید کہا؛

میں آپ ﷺ کا مال لے کر دساور جایا کرتا تھا۔

جب میں واپس آتا تب آپ ﷺ بستی سے باہر آ کر ہم سے ملتے۔

مگر مال اور منافع کی کوئی بات نہ کرتے اور کہتے تم سفر کی تھکاوٹ اتار لو پھر حساب کتاب کر لیں گے۔

جب کہ دوسرے لوگوں کو صرف اپنے مال اور منافع ہی کی پڑی ہوتی۔

قیس بن سائب نے جب بات ختم کی۔

تو آنحضرت محمد ﷺ نے بھی اُن کی خوب تعریف کی اور فرمایا؛

میری جوانی کے بہت سے ایام قیس بن سائب کے ساتھ گزرے ہیں اور میں نے اسے ایک عمدہ شخص پایا ہے۔چنانچہ حق بات یہ ہے کہ بعثت سے پہلے نبی اکرم ﷺ کے اجلے شب و روز نے اِن کے دشمنوں کو بھی اس بات سے عاجز کر رکھا تھا کہ وہ آپ ﷺ کی زندگی کے کسی پہلو سے کوئی عار تلاش کر سکیں۔بعثت سے پہلے آپ ﷺ کا کردار جس قدر عمدہ تھا بعثت کے بعد بھی آپ ﷺ کا کردار اتنا ہی عمدہ تھا۔جن باتوں کی تعلیم بعثت کے بعد آپ ﷺ لوگوں کو دیا کرتے تھے وہ بعثت سے پہلے ہی آپ ﷺ کی ذات کا حصہ بن چکی تھیں۔بات کاروبار کی ہو یا زندگی کا کوئی اور پہلو ہو آپ ﷺ نے اِس کے متعلق جو اصول نقل کیے وہ پہلے ہی آپ ﷺ کی زندگی میں عملاً نافذ

تھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

اللہ اُس شخص پہ رحم فرماتا ہے جو خرید وفروخت کے معاملے میں نرمی اختیار کرتا ہے۔

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ:

جو شخص خرید وفروخت کے معاملے میں دوسروں پہ احسان کرتا ہے، تقاضے کے وقت تنگ دست کو اس کی فراخی تک مہلت دیتا ہے یا اگر اللہ اُس کو توفیق دے تو وہ اپنا قرض مقروض کو معاف کر دیتا ہے تو اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اُس شخص کو جنت عطا فرمائے گا۔

جب تک آپ ﷺ کاروبار سے وابستہ رہے راست گوئی آپ ﷺ کا شیوہ رہی۔ چنانچہ اس دور سے امت نے بہت سے کاروباری اصول وضوابط وضع کیے ہیں جن کے بیان کی اصل جگہ تو فقہ کی کتابیں ہیں ہم یہاں صرف اُن امور کو درج کر رہے ہیں جو آپ ﷺ کی عمومی تاجرانہ زندگی سے متعلق ہیں۔

آپ ﷺ نے بطور تاجر جن اصول وضوابط کی پیروی کی اس میں ایک یہ بھی تھا اور یہ آپ ﷺ کا امتیازی وصف تھا کہ جب آپ ﷺ کسی کو کوئی چیز فروخت کرنے لگتے تو پہلے اس چیز کے عیب بیان کرتے پھر محاسن گنواتے۔

چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا؛

جو شخص عیب دار چیز بیچ دے اور خریدار کو اس کے عیب نہ گنوائے تو وہ ہمیشہ اپنے اللہ کے غضب کا شکار رہتا ہے، فرشتے ہمیشہ اس پہ لعنت کرتے رہتے ہیں۔

عرب کے تاجر عام طور پہ قسمیں کھانے کے بہت عادی تھے۔

آپ ﷺ نے اُن لوگوں سے فرمایا:

قسمیں کھانے سے اگرچہ مال بک جاتا ہے مگر برکت جاتی رہتی ہے۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

جھوٹی قسمیں کھا کر مال بیچنے والا شخص اُن تین لوگوں میں شامل ہوگا جس کی طرف روز محشر اللہ تعالیٰ نظر اٹھا کے بھی نہ دیکھیں گے۔

اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

تجارت آپ ﷺ کے نزدیک پیشوں میں سب سے عمدہ پیشہ ہے۔

چنانچہ آپ ﷺ نے ایماندار تاجر کے متعلق فرمایا کہ؛

سچا اور دیانتدار تاجر روزِ محشر انبیاء صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ اٹھے گا۔ چنانچہ آپ ﷺ کے اسوہ کو ایک اعلیٰ اخلاقی معیار کے طور پہ پیش کیا جا سکتا ہے کیونکہ زندگی کے ہر شعبے میں آپ ﷺ نے معیار کی اُس عمدگی کو اختیار کیا جس تک پہنچنا آسان نہیں ہوتا۔

❖ ❖ ❖

3 قبل نبوت، 16 قبل ہجرت، 607ء

حضرت علی رسول اللہ کی کفالت میں

مکہ میں قحط کا پڑنا عام بات تھی اس لیے کہ مکے میں کچھ بھی پیدا نہیں ہوتا تھا مکہ وہ لق ودق صحرا اور چٹیل وادیوں کے بیچ ایک ایسا شہر تھا جہاں اگر بارش رُک جاتی تو تھوڑے دِنوں بعد ہی قحط کی صورت حال بن جاتی۔ جانوروں کا غلہ ختم ہو جاتا۔ لوگوں کو دودھ اور گوشت ملنا بند ہو جاتا جس کی وجہ سے تنگدستی پیدا ہوتی جو بڑھتے بڑھتے قحط کی صورت اختیار کر لیتی۔ عربوں کی عام خوراک دودھ اور کھجور پہ مشتمل تھی مگر جب قحط پڑتا تو یہ چیزیں بھی ناپید ہو جاتیں۔ جانور مرنے لگتے اور لوگوں کو کھانے پینے کی چیزوں کی انتہائی قلت کا سامنا کرنا پڑتا۔ کھجوریں مدینہ سے آتی تھیں اور گندم شام و فلسطین سے درآمد کی جاتی تھی اور نہایت مہنگی ہوتی تھی اس لیے عام آدمی کی پہنچ سے دور ہوتی تھی۔ مورخین نے لکھا ہے کہ عہدِ رسالت میں شہر مکہ میں گندم کی ایک روٹی چھ درہم میں ملتی تھی جبکہ تلوار اس سے سستی تھی یعنی پانچ درہم کی مل جاتی تھی۔ چنانچہ جب شام و فلسطین سے آنے والے قافلوں کو دیر ہو جاتی تب بھی مکہ میں قحط کی سی صورت حال پیدا ہو جاتی۔ اُن دِنوں بھی شہر مکہ قحط کی شدت سے برسرِ پیکار تھا۔ آنحضرت محمد ﷺ حضرت خدیجہؓ سے شادی کے

بعد آسودگی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ مگر انھیں ہر دم اپنے چچا حضرت ابو طالبؓ کا خیال رہتا کہ اُن کی مالی حالت ٹھیک نہیں اور اوپر سے قحط کی صورتِ حال ہے۔

تب آنحضرت محمدﷺ اپنے چچا حضرت عباسؓ کی طرف گئے اور اُن سے کہا؛
چچا آپ کے بھائی ابو طالبؓ کی صورت حال آپ کے سامنے ہے۔
کیوں نہ ہم اُن کا کچھ بوجھ ہلکا کریں۔
ابن اسحاق کے حوالے سے ابن ہشام نے سیرت ابن ہشام میں لکھا ہے کہ آنحضرت محمدﷺ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا:

" یَا عَبَّاس ُاِنَّ اَخَاكَ اَبَا طَالِب كَثِيْرُ الْعِيَالِ وَقَدْ اَصَابَ النَّاس مَا تَرَى مِنْ هٰذِهِ الْاَزْمَةِ فَا نُطَلِقْبِنَا اِلَيْهِ فَلْخُفَفِّ عَنْهُ مِنْ عَيَالِهِ اٰخُذُ مِنْ بُنِيْهِ رَجُلاً وَتَا خُذُ رَجُلا فَنْكُلهُمَا عَنه ُ"

اے چچا عباس!

" آپ کا بھائی بہت بال بچوں والا شخص ہے اور اس قحط کی وجہ سے لوگوں پہ جو مصیبت آئی ہے وہ آپ دیکھ ہی رہے ہیں پس آپ میرا ساتھ دیں کہ ہم اُن کا کچھ بوجھ ہلکا کریں اُن کے بیٹوں میں سے ایک کو میں پال لیتا ہوں ایک کی دیکھ بھال آپ کر لیں۔
حضرت عباسؓ نے فوراً ہی اپنی رضا مندی ظاہر کر دی۔
اولادِ عبد المطلب میں سے حضرت عباسؓ بہت خوشحال تھے۔
چنانچہ حضرت عباسؓ اور آنحضرت محمدﷺ حضرت ابو طالبؓ کی طرف گئے۔
انھوں نے حضرت ابو طالبؓ سے کہا:
چچا شہر کی حالت ٹھیک نہیں ہے اور لوگ قحط کی وجہ سے پریشان ہیں اس لیے اگر آپ مناسب جانیں تو اپنے بیٹوں میں ایک مجھے دے دیں اور ایک کی دیکھ بھال چچا عباسؓ کر لیں گے۔

حضرت ابو طالب نے اُن سے کہا:

عقیل کو میرے لیے رہنے دو اس کے علاوہ جو تمہارا جی چاہے وہ کرو۔

چنانچہ ہم خوش ہو گئے حضرت علیؓ چھوٹے تھے اور مجھے اُن سے محبت تھی اس لیے میں اُن کی انگلی تھام لی اور اس وقت حضرت علیؓ چھ سات سال کے بچے تھے۔حضرت جعفرؓ اُن سے دو سال بڑے تھے اُن کو حضرت عباسؓ اپنے ساتھ لے گئے۔اس طرح ہم نے اپنے چچا کا بوجھ کچھ کم کیا۔حضرت جعفرؓ حضرت عباسؓ کے ہاں ہی جوان ہوئے اور اسلام قبول کرنے تک حضرت عباسؓ کے پاس ہی رہے۔

پھر جب مسلمانوں پہ اہل قریش کے مظالم بہت بڑھ گئے تب حضرت جعفرؓ آنحضرت محمد ﷺ کی اجازت اور مشورہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔حضرت جعفرؓ نے ہی شاہ حبشہ نجاشی کے دربار میں اس وقت مسلمانوں کی وکالت کی تھی جب قریش کی سفارت اہل مکہ کو واپس لانے کے لیے حبشہ کے دربار میں پہنچی تھی۔

حضرت علی علیہ السلام نبی اکرم ﷺ کے ہاں ہی پروان چڑھے، جب نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز کیا تو حضرت علیؓ نے فوراً ہی آپ ﷺ پہ ایمان لانے کا اعلان کیا حالانکہ اُس وقت اُن کی عمر صرف نو سال تھی۔مورخین نے بیان کیا ہے کہ صحابہؓ میں سے سب سے پہلے آنحضرت محمد ﷺ کے ساتھ نماز ادا کرنے کی سعادت حضرت علیؓ ہی کو حاصل ہوئی۔

یہ بھی بتایا گیا ہے کہ دعوت اسلام کے ابتدائی دِنوں میں جب نبی اکرم ﷺ اپنے صحابہؓ کے ساتھ مکہ کی گھاٹیوں میں نماز ادا کیا کرتے تھے تب ایک دن حضرت ابو طالبؓ نے آنحضرت محمد ﷺ اور حضرت علیؓ کو مکہ سے باہر نماز ادا کرتے دیکھا تو اُن سے پوچھا؟

اے میرے بھتیجے:

تم نے یہ کون سا دین اختیار کر لیا ہے؟

آنحضرت محمد ﷺ نے فرمایا:

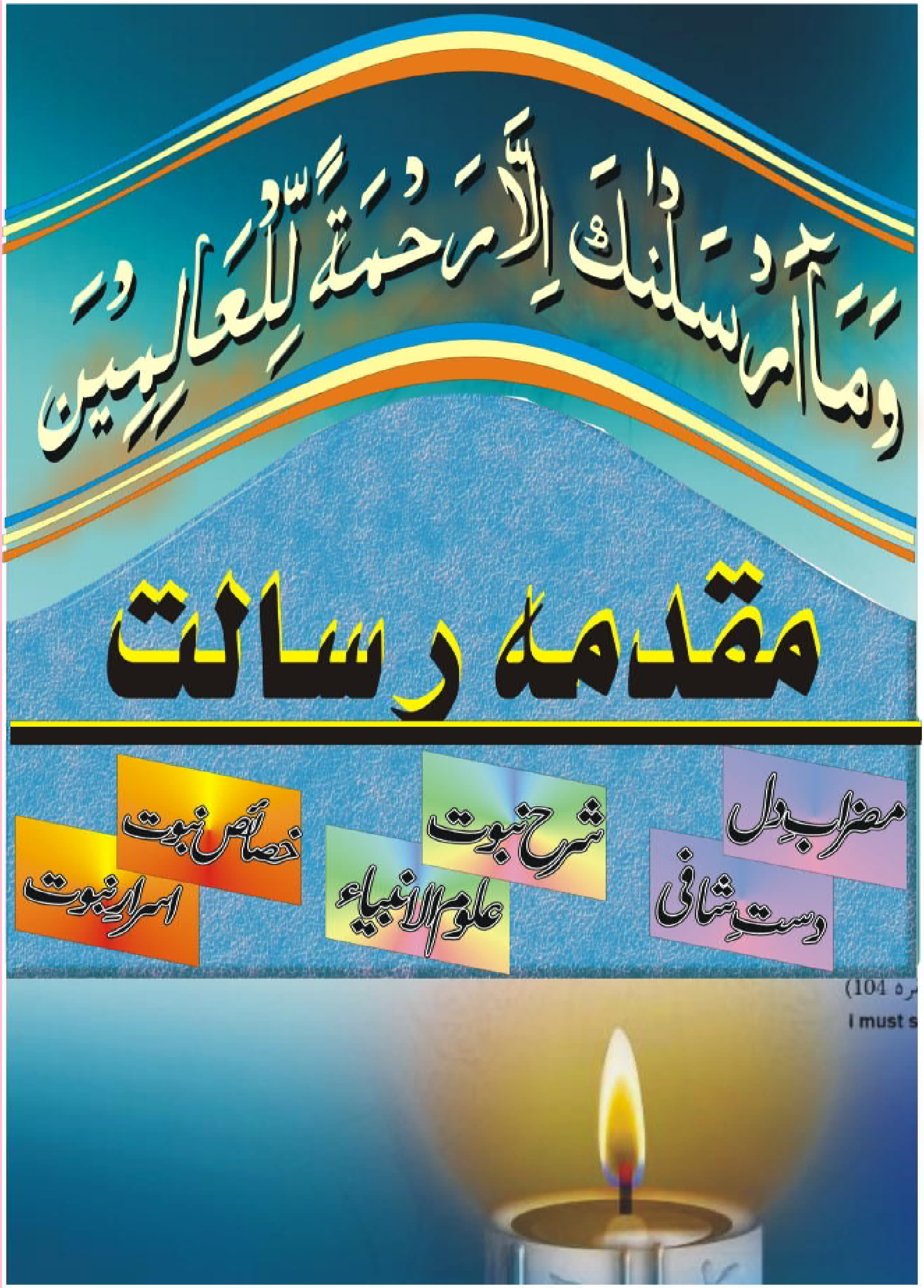
مجھے اللہ تعالیٰ نے دین حق کے ساتھ تمام لوگوں کی ہدایت کے لیے تارا ہے اور میں اللہ کا سچا رسول ہوں۔حضرت ابو طالب کے لیے اگر چہ یہ ایک نئی بات تھی اس کے باوجود انھوں نے حضرت علی

ؓ سے فرمایا:

اے میرے بیٹے: تم اپنے بھائی کی پیروی اختیار کرنا میں نہیں سمجھتا کہ یہ تمھارے بارے میں بھلائی کے علاوہ بھی کچھ سوچ سکتے ہیں۔

چنانچہ حضرت علیؓ نے ہمیشہ آپ ﷺ کی پیروی کی اور آپ ﷺ سے محبت کی آنحضرت محمد ﷺ نے اپنی پیاری لخت جگر حضرت فاطمۃ الزہرہ کو اُن سے بیاہ دیا۔

❖ ❖ ❖


وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ
مقدمہ رسالت
مضرابِ دل
شرح نبوت
خصائص نبوت
دستِ شافی
علوم الانبیاء
اسرارِ نبوت

اسرارِ نبوت

نبی اکرم ﷺ کی سیرت پاک کے بیان میں اب ہم اُس مقام کے بہت قریب ہیں جہاں نبی اکرم ﷺ کو کائنات کے سب سے اعلیٰ منصب پہ فائز کیا گیا اور تاج نبوت آپ ﷺ کے سر پہ سجا دیا گیا تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں نبوت و رسالت کی ماہیت پہ کچھ عرض کر دیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنی کئی ہزار سال کی زندگی میں بھی وہ عقلی سطح کبھی حاصل نہیں کر سکا جہاں پہنچ کے وہ خالق کی راہنمائی سے خود کو مبرا قرار دے سکے۔ اِن مباحث میں ہم آگے بیان کریں گے کہ یہ بات ممکن ہی نہیں کہ انسان محض عقل کی روشنی میں منزل کا شعور حاصل کر سکے۔ اس لیے لامحالہ اسے خالق کی طرف سے راہنمائی کا محتاج ہونا پڑا اور یہ راہنمائی وحی کے ذریعے اتارے گئے وہ احکامات ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء و رسل پہ اتارتا ہے تا کہ لوگ اِن کو اپنی زندگی میں اختیار کر کے منزل حقیقی تک رسائی حاصل کر سکیں۔ مگر اس سے قبل ہم انسان کی زندگی میں وحی کی ضرورت پہ کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں علماء نے بیان کیا ہے کہ انسان میں دو قسم کی قوتیں پائی جاتی ہیں یعنی بہیمی اور ملکوتی قوتیں۔ چنانچہ ہر وہ انسانی فعل جو انسان کو

خالق کی یاد سے غافل کردے وہ اس کی بہیمی قوتوں کی کارستانی ہے اور اس کے اعمال میں شہوت، لالچ، حرص، حسد، استیلا اور جبر وغیرہ جیسی عادات کی طرف رغبت اس کی بہمیت کا مظہر ہیں۔ جب کہ دوسری طرف انسان میں جو ملکوتی مظاہر جنم لیتے ہیں اس کے تحت وہ غور وفکر، علم ومعرفت، حسن اخلاق، صبر وشکر، عبادت واطاعت جیسے اعلیٰ اوصاف سے مزین ہوجاتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ ہر دو قسم کی قوتیں انسان کو عطا کی گئیں ہیں مگر انسان کا اپنے خالق سے مضبوط تعلق حاصل کرنے کے لیے یہ امر ازحد ضروری ہے کہ اُس کی ملکوتی قوتیں اس کی بہیمی قوتوں پہ غالب ہوں۔

صاحبِ علم لوگوں نے بیان کیا ہے کہ انسان اپنی عقل کے ذریعے اُن فوائد اور نقصانات کو پہچان سکتا ہے جو بہمیت کے ملکوتیت کے ماتحت ہونے سے ظاہر ہوں گے اور عقل سلیم کے ذریعے انسان اپنے طرز عمل میں وہ مثبت تبدیلیاں لاسکتا ہے جن کے نتیجے میں وہ خالق کی پہچان حاصل کرسکے۔ مگر یہ محض ایک عقلی امکان ہے عملی صورت اس سے بہت بعید ہے۔ عمل کی دنیا میں انسانوں کی اکثریت حرص وطمع، دنیاوی لذائذ اور بیجا خواہشوں میں اس قدر الجھی ہوئی ہے کہ انسان غفلت اور گمراہی کی منزل کا مسافر بن کے رہ جاتا ہے۔ وہ آرزو اور تمنا کے اُس ان دیکھے جال میں اس بری طرح الجھ کے رہ جاتا ہے کہ اُس کے اصلی فطری وجدان اور قوت احساس اُسی طرح بے اثر ہو کے رہ جاتی ہے جیسے کہ بیماری کی حالت میں انسان کو ہر میٹھی چیز بھی کڑوی معلوم ہوتی ہے۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ چنانچہ اس منزل پہ پہنچ کے جب انسان کے اندرونی وجدان اور قوت احساس مفقود ہوجاتی ہے۔ تب وہ حق وباطل، خیر وشر اور نیک وبد کی تمیز بھول جاتا ہے۔

یہاں انسان کو کسی ایسے راہنما اور ہادی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جس کے احساس و وجدان کا آئینہ گرد آلود نہ ہو۔ وہ شخص اگر اللہ کا نبی ہو تو انسان کو راستی اور روحانیت کی طرف بلاتا ہے۔ اگر وہ سیاست دان ہو تو لوگوں کو مدنیت کی طرف بلاتا ہے۔ اگر وہ فلسفی ہو تو لوگوں کو اُن نتائج کی طرف بلائے گا جن تک وہ طویل غور غوض کے بعد پہنچا ہو۔ چنانچہ بعض لوگوں کو اس سے یہ غلط فہمی ہوئی کہ فلسفیوں حکیموں اور مصلحین کی طرح انبیاء کا کام بھی عقل کے تابع ہوتا ہے اور وہ اُن بنیادوں سے فائدہ حاصل کرتے ہیں جو اُن سے پہلے گزرنے والے مصلحین نے وضع کی ہوتی ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ایک مصلح (Reformer) اور ایک نبی کے کام اور مقاصد میں بعید فاصلہ ہوتا ہے جو ذرا سے غور وفکر کے بعد ہی دکھائی دینے لگتا ہے۔

اس لیے کہ ایک مفکر فلسفی یا مصلح کی آخری منزل اس دنیا کی ابتری میں بہتری کا تصور ہے یا انسانوں کو اُس کی محرومیوں سے نجات دلانا مقصود ہے۔ جبکہ اللہ کے انبیاء ورسل انسانوں میں سرتاپا روحانی واخلاقی انقلاب پیدا کر کے اُس کی دنیا اور آخرت دونوں کو سنوار دینا چاہتے ہیں۔ اللہ کے انبیاء ورسل تمام عالم کے سامنے اس نظامِ زندگی یعنی شریعت کو پیش کرتے ہیں جس کی بنا پہ دنیا سے شرک مٹ جاتا ہے اور توحید کا پرچم بلند ہو جاتا ہے۔

اللہ کے بھیجے ہوئے انبیاء ورسل انسانوں کو امن اور آشتی کی طرف بلاتے ہیں اُن کا مقصدِ حیات ظلمت کدہٗ عالم کو سراج منیر بن کر بقعہ نور بنا دینا ہے، وہ لوگوں کو اُن کے دکھوں سے نجات دلانے کے لیے اُس راہ کی طرف دعوت دیتے ہیں جس پہ دکھ کا شائبہ تک نہیں، وہ لوگوں کو اُس عہد کی یاد دلاتے ہیں جسے انسان نے اپنی بیجا تمناؤں کے حصار میں بھلا دیا ہے۔ اگرچہ وہ وعدہ بھولنے والا ہرگز نہ تھا۔ اللہ کا پیغمبر انسان کا ناتا اللہ سے جوڑتا ہے اور اُس کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں دے دیتا ہے کہ فلاح تو صرف اُس کی غلامی اختیار کرنے میں ہی مضمر ہے۔ انبیاء ورسل انسان کو صلہ رحمی اور مروّت کی طرف بلاتے ہیں اور اُن کو اخلاقِ فاضلہ کی تعلیم دیتے ہیں۔ پیغمبر انسان کو شیطان کے اُس دلفریب دھوکے سے آگاہی فراہم کرتا ہے جس کی بنا پہ انسان اپنے خالق سے بے اعتنائی برتتا ہے۔

انبیاء ورسل انسان کو دنیا میں رفق ومحبت، لطف وشفقت، رحمت ومودت، احسان ومروت، زینت وتزئین، حکمت وموعظت، تہذیب وتمدن، شرف وعزت، طہارت وپاکیزگی، سمع واطاعت، عبادت وسخاوت، دیانت وامانت، تسلیم ورضا، ایقان ویقین، حسن تدبیر، ایمان وتقدیر، تہذیبِ نفس، تطہیرِ نفس، تزکیہ نفس، انذار وتبشیر، جہد وسعی، صبر وصلوٰۃ، نصرت واعانت، نفاست ونزاکت، رفعتِ اخلاص، معراجِ اخلاق، دین ودنیا، دنیا وآخرت، جزا وسزا، سخاوت وبے اعتنائی، فلاح وکامرانی بے دریغ شجاعت اور ثابت قدمی کی تعلیم دیتے ہیں۔ چنانچہ انسان اگر ذرا سا بھی غور کرے تو وہ جان لے گا کہ اُس کا اخلاقی شعور اُس کو جانوروں سے اسی طریق سے ممتاز کرتا ہے کہ وہ انسان کو اُن اعلیٰ اخلاقی اصولوں کو اپنانے کی طرف مائل کرے تاکہ وہ اپنی حقیقی منزل کی طرف اپنا سفر شروع کر سکے۔

یہاں ان امور کو بیان کیا جارہا ہے انسانی عقل جن کو سمجھنے سے عاری ہے اس لیے انسان کی عقل اپنی آخری حد تک جا کے بھی نبوت کے ابتدائی مقدمات تک کو سمجھنے سے عاری ہے اس لیے اسرار رسالت کا تعلق خاص اُن امور سے جو اللہ اور اس کے خاص بندوں کے مابین ہوتے ہیں۔

خصائص نبوت

اہل علم نے بیان کیا ہے کہ مقامِ نبوت انسانیت کے درجے سے بلند و بالا ہے بالکل اُسی طرح جس طرح کہ انسانیت حیوانیت سے بلند وارفع ہے۔ نبوت عطیہ الٰہی ہے موہبت ربانی ہے جو عبادت وریاضت اور جہد وسعی اور کسب وتلاش سے حاصل نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ نبوت ورسالت کسی حادثے واتفاق کا نتیجہ نہیں ہوسکتی بلکہ ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کا سوچا سمجھا فیصلہ ہوتی ہے اور اُسی نے یہ فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ انسانوں میں کون سے لوگ ہیں جو اس بارِ عظیم کے متحمل ہوسکتے ہیں۔ چونکہ جس طرح محض سعی وجہد سے نوع انسان کا انسان بن جانا اور فرشتوں کا فرشتہ بن جانا ممکن نہیں ہے اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ کوئی انسان اپنی جہد وسعی سے منصب نبوت حاصل کرسکے۔ انسان اللہ تعالیٰ کی مشیت و مرضی اور فضل سے ہی اعلیٰ خصائص حاصل کرتا ہے مگر انسانیت کے ممکن کمالات کو بالفعل حاصل کرنے کے لیے انسان کو کچھ نہ کچھ جدوجہد بہرحال کرنی پڑتی ہے۔ چنانچہ اس بحث سے ثابت ہوا کہ نبوت اکتسابی فعل نہیں ہے۔ تاہم منشائے نبوت کے مطابق ریاضت اور عمل قبولِ وحی کی استعداد اور تیاری کے لیے

بہر حال کچھ ایسے اعمال ضرور ہیں جن کا سراغ انبیاء کی زندگیوں میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اسی اصول کے مطابق اکثر پیغمبروں کی وحی کے آغاز کے ضمن میں نے ہم نے یہ بات جانی ہے کہ انھوں نے وحی قبول کرنے کی استعداد حاصل کرنے کے لیے ایک زمانہ عبادت اور مراقبے میں بسر کیا ہے۔ انھوں نے اپنے شب و روز سے دنیا کی مادی آلائشوں کو دور کیا اور یکسو ہو کر اپنی توجہ خالق کی طرف مبذول کی ہے۔ توراۃ میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کتاب ملنے سے پہلے چالیس روز تک کوہ طور پہ روزہ کی حالت میں رہے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ چالیس روز تک روزے کی حالت میں سنسان جنگلوں کی تنہائی میں رہے تا کہ اللہ تعالیٰ اُن پہ اپنا کرم فرمائے اور آنحضرت محمد ﷺ وحی اترنے سے پہلے مہینوں غار حرا کی تنہائیوں میں اسی فضل و کرم کے منتظر رہے جس کو ہم نبوت بھی کہتے ہیں۔ جب آنحضرت محمد ﷺ پہ نبوت اترنے کے دن قریب آئے تو مکہ کے شجر و حجر نے آپ ﷺ کو احساس دلایا کہ کوئی اہم واقعہ پیش آنے کو ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ رات کو سوتے تو خواب دیکھتے اور صبح کو اٹھتے تو وہی واقعہ جاگتی آنکھوں سے دیکھتے۔ آپ ﷺ اس امر کو سمجھنے کی کوشش کرتے کہ اس کے پس منظر میں وہ کون سی خیر پوشیدہ ہے جس کا اُن کو اندازہ نہیں۔ تاہم آپ ﷺ کو اپنے اللہ سے خیر کی پوری امید تھی اس لیے آپ ﷺ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اس قدر محو رہتے کہ خود اللہ تعالیٰ کو قرآنِ حکیم میں یہ کہنا پڑا کہ:

طٰهٰ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ۝

القرآن الحکیم سورۃ طٰہٰ (آیات۔ ۱)

”اے پیغمبر! ہم نے یہ قرآن تجھ پہ اس لیے نہیں اتارا کہ تُو تکلیف اٹھائے۔“

❖❖❖❖❖❖❖❖

اہل علم نے بتایا ہے کہ نبوت کے لوازم میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ کا نبی حسن صورت، اعتدالِ مزاج نشو نما کی پاکی، حسن تربیت، طہارتِ نسب، کرم و اخلاق، نیک طینتی، متانت، سنجیدگی، نرم خوئی تواضع اور دشمنانِ حق کے ساتھ شدتِ قوت سے مزین ہوتا ہے۔ علاوہ بریں وہ راست گفتار امانتدار، تمام برائیوں سے پاک، فضائل و محاسن سے آراستہ اور ذلیل باتوں سے مبرأ ہوتا ہے۔ خصائص الا انبیاء و رسل میں ہے کہ وہ

ظلم کرنے والوں کو معاف کر دیتے ہیں۔ اپنے ساتھ برائی کرنے والوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آتے ہیں۔ وہ لوگوں سے ذاتی انتقام نہیں لیتے، وہ قرابت مندوں اور ہمسائیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے ہیں، مظلوموں کی اعانت کرتے ہیں، فریاد خواہ کی فریاد رسی کرتے ہیں، وہ نیکی سے محبت اور بدی سے نفرت کرتے ہیں۔ اُن کی شان اللہ اور اُس کے ملائکہ کے ہاں بہت بلند ہوتی ہے۔ انبیاء کی صفت یہ ہوتی ہے کہ دنیا کی تمام قوتیں طوعاً و کرہاً بالآخر اُن کے سامنے سرنگوں ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ نبوت کا اجمال یہ ہے کہ جس طرح انسان کو نفس ناطقہ کی بنا پہ حیوانوں پہ برتری حاصل ہے اسی طرح انبیاءؑ کو اپنے نفس قدسیہ کی بنا پہ انسانوں پہ برتری حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی پیغمبرانہ قوتوں کو بروئے کار لا کر انسانوں کو سیدھی راہ دکھاتے ہیں۔ چونکہ اللہ کے بھیجے ہوئے انبیاء و رسل عقل و فہم میں تمام انسانوں سے بلند اور ارفع ہوتے ہیں اس لیے وہ تمام دنیا کے لوگوں کے لیے زندگی کی راہیں متعین کرتے ہیں اور علم وحی کی بنا پہ یہ اُن کا حق ٹھہرتا ہے کہ وہ انسانوں کی راہنمائی کا فریضہ ادا کریں۔

چنانچہ جب وہ لوگوں کو حق کی طرف دعوت دیتے ہیں تو لوگوں کو انبیاء کی باتیں نئی اور عجیب لگتی ہیں بالکل اسی طرح جس طرح انسانوں کے اعمال جانوروں کو عجیب و غریب معلوم ہوتے ہیں اسی طرح پیغمبروں کے عجیب و غریب کام انسانوں کو معجزہ نظر آتے ہیں۔ یہاں کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ اللہ کے پیغمبر کوئی عجیب و غریب ماورائی اور آسمانی مخلوق ہوتے ہیں بلکہ وہ تو عام انسان ہوتے ہیں۔ چنانچہ انبیاء و رسل اگرچہ انسانوں کے ساتھ بشریت اور انسانیت میں برابر کے شریک ہوتے ہیں مگر عقلیت اور معنویت میں پیغمبر انسان سے بالکل الگ ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں وحی کے قبول کرنے کی جو استعداد ہوتی ہے عام انسان کو اس کا کوئی شعور نہیں ہوتا۔ چنانچہ اللہ کے انبیاء و رسل اور عام انسانوں میں جو ایک بہت بڑا فرق موجود ہوتا ہے اُس کو قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ!

اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۝

القرآن الحکیم سورۃ کہف (آیات ۔ ۱۲)

”کہ میں تمھاری ہی طرح ایک بشر ہوں مگر مجھ پہ وحی کی جاتی ہے“۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

اللہ کے انبیاء ورسل کو اُس تصورِ زیست پہ کامل یقین حاصل ہوتا ہے جسے وہ وحی سے حاصل کرتے ہیں۔چونکہ ایک عام انسان سے اچھے اور برے ہر طرح کے افعال سرزد ہوتے ہیں جن میں فکری عملی اور قولی افعال شامل ہوتے ہیں۔اِن میں اچھے اعمال بھی ہوتے ہیں اور برے اعمال بھی ہوتے ہیں۔اُن کی رائے بعض اوقات درست ہوتی ہے اور بعض اُن سے سہو ہو جاتی ہے۔وہ درست بات بھی کہتے ہیں اور غلط بات بھی اُن سے سرزد ہوتی ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان کے اعمال وافعال کے بیچ یہ فیصلہ کون کرے گا کہ سچ کیا ہے، جھوٹ کیا ہے؟

فلاح کا عمل کونسا ہے اور شر کی طرف لے جانے والا عمل کونسا ہے؟ چنانچہ انسانوں کے درمیان ہی سے ایک انسان کو ہدایت دی جاتی ہے کہ وہ اِن امور میں لوگوں کی راہنمائی کرے اور انھیں بتائے کہ درست کیا ہے اور غلط کیا ہے اور وہی شخص اللہ کا پیغمبر ہوتا ہے۔بیان کیا گیا ہے کہ قانون انسان کی تمدنی ضرورت ہے کہ اس کے بغیر انسان اپنی زندگی میں فلاح کا عکس نہیں پاتا۔چنانچہ مدنیت کے لیے لازم ٹھہرا کہ انسان اپنے معاشرے کی بنیادیں اُس قانون پہ استوار کرے جس پہ عمل کرنے سے وہ امن وآشتی کی زندگی بسر کر سکے۔چنانچہ انسانوں نے اپنی زندگی کے لیے ارتقاء کے ہر دور میں بے پناہ قوانین وضع کیے جن پہ غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ انسانوں نے جو قوانین وضع کیے اُن میں یہ خامی باقی رہ گئی کہ وہ کبھی بھی ایسا قانون مرتب نہ کر سکے جو تمام انسانیت کو محیط ہو بلکہ جس کسی نے بھی ایسی کوشش کی وہ شخص لازماً کسی خاندان کسی قوم کسی قبیلے اور کسی ملک سے ہوگا اور اس کے وضع کردہ قانون میں بہرحال اُس کا جھکاؤ اپنے رجحانات رسومات اور قوم کی طرف ہی ہوگا۔

چنانچہ ایک ایسا قانون زندگی جس میں تمام اقوام عالم کی حیثیت یکساں ہو۔اُس کا پلڑا کسی رجحان یا قومیت کی طرف نہ جھکے۔وہ تمام عالم کے لیے یکساں قابلِ عمل اور قابلِ قبول ہو،اسے وحی کی راہنمائی کے بغیر مرتب کرنا ممکن ہی نہیں اور وحی خالق کی طرف سے کی جاتی ہے جس کے عدل پہ شک کرنا بھی گناہ ہے۔اس لیے قانون اسی کا قابلِ قبول ہوگا جو نوع انسانی کے اندرونی و بیرونی احوال و کیفیت کے رموز سے آخری حد تک آگاہ ہو۔چنانچہ لوگوں میں ایسا قانون جس شخص کی طرف اتارا جاتا ہے عام لفظوں میں ہم اس کو اللہ کا رسول کہیں گے۔اللہ کے پیغمبروں پہ ایمان لانا اس لیے بھی ضروری ٹھہرا کہ اللہ تعالیٰ کے مستحکم امور یہ ہیں کہ وہ خلق کرتا ہے یعنی اجسام عالم کو عدم سے وجود فراہم کرتا ہے اور جب وہ اجسام عالم

ہست میں اتر آتے ہیں تب اللہ تعالیٰ اُن پہ اپنا حکم اتارتا ہے اور یہی اس کائنات کا خلاصہ ہے تو جس طرح اللہ کے فرشتے خالق اور مخلوق کے درمیان خلق و ایجاد و پیدائش اور پیغام رسانی میں درمیانی واسطہ ہیں اسی طرح انبیاء و رسل انسان اور خالق کے درمیان اُس کے احکام پہنچانے میں واسطے کا کردار ادا کرتے ہیں اور جس شخص پہ اللہ کے ملائکہ اللہ کا پیغام لے کے اترتے ہیں اُس پہ ایمان لانا اس لیے ضروری ہے کہ اُن احکام پہ عمل درآمد اسی صورت ممکن ہے جب انسان کو اُس شخص کی صداقت پہ شرح صدر حاصل ہو۔اللہ تعالیٰ کی مخلوقات بے پناہ اور انگنت ہیں۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کے لیے جو احکامات نازل فرمائے ہیں اُن میں بھی تفاوّت پایا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنی کچھ مخلوقات کو تو یوں مخاطب کیا۔

وَ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ وَالنُّجُوۡمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمۡرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الۡخَلۡقُ وَالۡاَمۡرُ ۝

القرآن الحکیم سورۃ اعراف ۷ ؛ آیات ـ ۵۴)

ترجمہ؛

’’اور سورج اور چاند اور ستارے اِس کے حکم کے تابعدار ہیں کہ اُسی کا کام ہے بنانا اور حکم فرمانا۔‘‘

❖❖❖❖❖❖❖❖

اور انسان جو اس کی سب سے اعلیٰ مخلوق ہے اُس کو حکم دیا کہ!

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعۡبُدُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ ۝

القرآن الحکیم سورۃ بقرۃ ۲ (آیات ۲۱)

ترجمہ؛

’’اے انسانو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا ہے‘‘۔

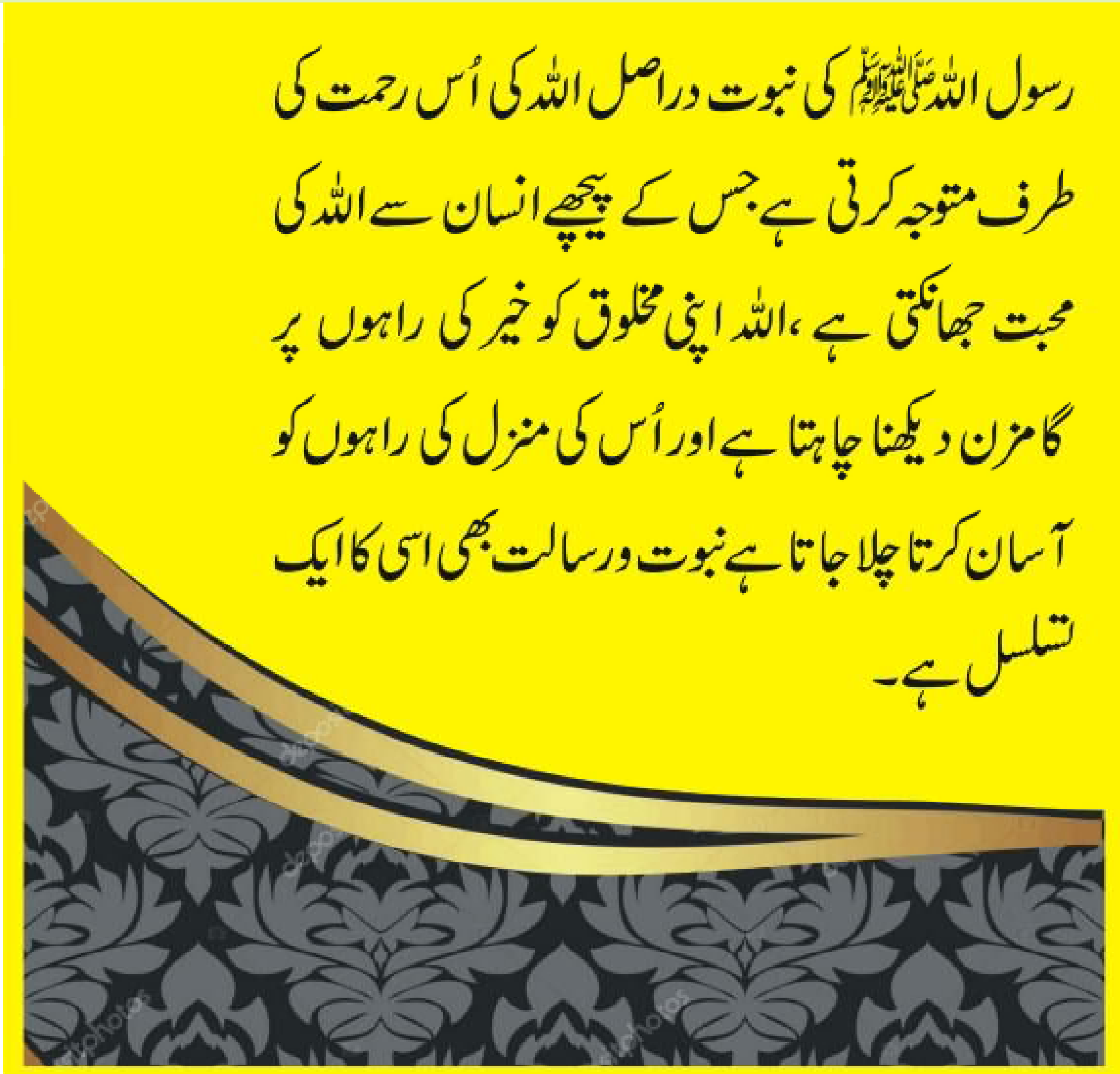
❖❖❖❖❖❖❖❖

تو کہا جاسکتا ہے کہ انسان کو چونکہ عمل اور ارادہ کی آزادی عطا کی گئی ہے اس لیے وہ گمراہی کا شکار بھی ہوسکتا ہے۔ چنانچہ امر لازم ہے کہ اس کے لیے راہنمائی کا موثر اہتمام بھی کیا جائے۔ تب لوگوں میں سے جو شخص اٹھے اور اُن سے کہے مجھے تمھاری راہنمائی کے لیے مبعوث کیا گیا ہے تو وہ شخص اللہ کا پیغمبر ہوگا اور اس پہ ایمان لانے سے ہی دنیاوی اور اُخروی فلاح حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس بات کو آسان پیرائے میں یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ نظام عالم میں اللہ تعالیٰ کا جو تدبیری حکم نافذ ہے وہ ملائکہ کے ذریعے سے نافذ ہوتا ہے اور انسانوں کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم بھی اتارا جاتا ہے وہ ایسے ہی نفوس قدسیہ کے ذریعے نافذ ہوگا جن کو ہم اللہ کے پیغمبر کہتے ہیں۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ کہ پیغمبر کس قوم میں اور کس وقت اتارا جائے گا بھی نہایت اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اس لیے کہ رسول کی بعثت کے لیے حکمت الٰہی کا اقتضاء اس لیے ہوتا ہے کہ عالم کی عمومی تدبیر و نظم و نسق میں جو اضافی خیر معتبر ہے وہ اِن دِنوں اسی رسول کی بعثت میں مضمر ہوتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی بعثت کے لیے اُس قوم کا انتخاب فرماتے ہیں جس کے متعلق خالق وقدیر کے علم میں یہ بات ہوتی ہے کہ اس میں اطاعت و پرستش کی استعداد دوسری اقوم کی نسبت زیادہ ہے۔ چنانچہ بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ یہ وقت ایک نئی حکومت قائم کرنے کا مقتضی ہوتا ہے اور اللہ کی مرضی یہ ہوتی ہے کہ اب تمام سابقہ ادیان اور نظام ہائے زندگی کو مٹا دیا جائے اور ملک سے شر و فساد کی جڑ کو اکھیڑ دیا جائے۔ تب اللہ تعالیٰ اپنے اُس پیغمبر کو قوم میں مبعوث فرماتے ہیں جو قوم کی اصلاح کرے، اُن کے دین کو درست کرے، اس کے بعد ریاست کی داغ بیل ڈالے۔ جیسے کہ ہمارے پیارے رسول محمد ﷺ نے ملک عرب میں کیا اور جب اُس قوم کی اصلاح ہوجاتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو اتارا ہوتا ہے تب اُس کی وجہ سے دیگر اقوام کی اصلاح کی راہیں بھی روشن ہوجاتی ہیں اور بعض اوقات یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو کسی قوم کی طرف اتارتے ہیں تاکہ وہ اس قوم میں پائی جانے والی کجی کو دور کرے۔ تب اللہ کا وہ پیغمبر اس قوم کو بقاء کی زندگی بخشتا ہے اور اُس کے اندر وحی سے حاصل کیے گئے علم کی بدولت نئی روح پھونک دیتا ہے۔ وہ قوم کو اس نہج پہ لے آتا ہے جہاں وہ کتاب الٰہی کی متحمل ہوجاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت بنی اسرائیل میں ہوئی یا پھر کسی قوم کے متعلق اقتضائے الٰہی کا یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ اُس کو مزید زندگی ملتی رہے اور اس کا دین و سلطنت برقرار رہے۔ تب اللہ تعالیٰ اُس

قوم میں ایک تسلسل کے ساتھ نبی اتارتا ہے جیسا کہ قوم بنی اسرائیل پہ مختلف زمانوں میں سینکڑوں انبیاء اترتے رہے اور مختلف زمانوں میں حضرت یوسف علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام اُن کی راہنمائی کا فریضہ ادا کرتے رہے۔

❖ ❖ ❖


رسول اللہ ﷺ کی نبوت دراصل اللہ کی اُس رحمت کی
طرف متوجہ کرتی ہے جس کے پیچھے انسان سے اللہ کی
محبت جھانکتی ہے ،اللہ اپنی مخلوق کو خیر کی راہوں پر
گامزن دیکھنا چاہتا ہے اور اُس کی منزل کی راہوں کو
آسان کرتا چلا جاتا ہے نبوت ورسالت بھی اسی کا ایک
تسلسل ہے۔

شرح نبوت

اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ انگنت مخلوقات اور نوع بہ نوع مصنوعات کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں پائی جانے والی ہر نوع اور ہر نوع کے ماتحت ہر صنف میں کچھ نہ کچھ مخصوص صفات پائی جاتی ہیں۔ یہ مخصوص صفات اس نوع اور صفت کے ہر فرد میں انفرادی طور پہ بھی یکساں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ اس جہانِ رنگ و بو پہ تدبر کی ایک نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سر چمن کوئی گُل کھلا ہو یا سبزہ زاروں پہ چلتے حیوان ہوں یا ہواؤں میں محو پرواز آسمان کی وسعتوں کو چھوتے پنچھی ہوں یا سمندر کی تہوں میں پوشیدہ اللہ تعالیٰ کی رنگ برنگی مخلوقات ہوں اِن میں سے ہر نوع میں کچھ ایسی خصوصیات ضرور پائی جاتی ہیں جو دوسری انواع سے مختلف ہوں گی۔ خالق کی مخلوقات میں اسی رنگارنگی کی بدولت انسان نے اُن کو مختلف انواع قرار دیا اور اُن کی پہچان کی۔ اس سے ایک قدم اور گہرائی میں اتریں تو معلوم ہوگا کہ ہر ایک نوع کے اندر بھی تنوع پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ اگر ہم گلاب کو دیکھیں تو وہ اپنی خلقت کے لحاظ سے ایک جیسے ہی ہوتے ہیں

،ایک سی پتیاں، ایک سے کانٹے ایک سی کلیاں مگر اس کے باوجود ہم جانتے ہیں کہ دنیا کے مختلف علاقوں میں نوع بہ نوع قسم قسم کے مختلف جسامت اور مختلف رنگوں کے گلاب بھی پائے جاتے ہیں۔اسی طرح خالق کی سب سے اعلیٰ مخلوق نوع انسان کے بھی کچھ خاص لوازم ہیں جیسا کہ سیدھا چلنا کھانا پینا، سونا جاگنا، سوچنا اور غور وفکر کرنا۔انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے اس لیے اُس کی اہلیت کی حد جاننا دشوار ہے۔تاہم اِس کے اندر ودیعت کیے گئے جذبوں اور احساسات نے انسان کو وہ شعور عطا کیا ہے جس کے نتیجے میں اس کے اندر ایجاد واختراع کی قوت، انجام بینی، مآل اندیشی کی صلاحیت نے جنم لیا اور یہ خصائص انسانی ہیں۔جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی گئی دیگر مخلوقات کے خصائص میں شہد ہمیشہ میٹھا ہی ہوتا ہے اور حنظل ہمیشہ سے کڑوا ہوتا ہے، آگ روز اول سے گرم ہے اور برف روز ابد سے ٹھنڈی ہے، گلاب ہمیشہ خوشبودار ہی ہوتا ہے اور سورج ہمیشہ روشن رہتا ہے، چٹان ہمیشہ پیوست رہتی ہے تاہم کہا جاتا ہے کہ یہ نوعی خصوصیات اِن انواع میں پہلے روز سے ہی موجود تھیں۔

چونکہ خالق کو اُن میں تغیر مقصود نہ تھا اس لیے اُن کو ایسے ہی رہنے دیا گیا۔اسی مثال کو سامنے رکھتے ہوئے سمجھنا چاہیے کہ حضرت انسان میں اگر چہ بہت سی وہ خصوصیات بھی موجود ہیں جو نوعی طور پہ اُس کو ودیعت کی گئی ہیں۔مگر اِس کے باوجود کہ حضرت انسان نوع کے اعتبار سے مشترک ہے مگر گلاب کی طرح اُس کے اندر بھی رنگا رنگ تنوع موجود ہے۔جیسے کہ ایک ہندی اور چینی میں دور سے فرق کیا جاسکتا ہے۔اگر چہ وہ دونوں انسان ہیں۔افریقہ کے حبشی سیاہ چہرے والے ہیں تو برطانیہ کے شہری سرخ وسفید ہیں، چینی زرد ہیں تو پاکستانی گندمی رنگت کے ہیں۔چنانچہ ایک ہی نوع میں یہ تنوع اس وجہ سے ہے کہ انسانوں کے مختلف گروہ دنیا کے مختلف خطوں میں بستے ہیں وہاں کی آب وہوا، مختلف مزرد بوم اور مختلف النسل اور مختلف ماحول ہونے کے باعث انسان صریحاً ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔چنانچہ کہا جاسکتا ہے کہ پہلے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مختلف گروہوں میں منقسم کیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے انفرادی سطح پہ انسان کو مختلف قابلیتوں سے نوازا۔جس سے ایک ہما ہمی اور رونق نے جنم لیا۔چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص طاقتور پہلوان ہے اور اپنی قوت کے بل پہ وہ بہت سے لوگوں پہ غالب آجاتا ہے۔مگر منحنی سا ایک آدمی جو قادر الکلام شاعر ہے اُس کے مقابل وہ ایک مصرع کہنے کے قابل بھی نہیں ہے۔اسی طرح ایک معمار بلند وبالا عمارتیں تو تعمیر کرسکتا ہے مگر وہ تلوار نہیں بنا سکتا کہ تلوار

بنانا لوہار کا کام ہے، خیالوں کی دنیا میں مگن رہنے والے شاعر کی اپنی دنیا ہے اور ٹھوس حقائق کی تلاش میں مگن ریاضی دان کا رجحان اس سے قطعاً مختلف ہوگا۔ ادب وانشاء نگاری سے وابستہ لوگ سڑکیں اور پُل نہیں بنا سکتے اس لیے کہ اُن کا کام کاغذ اور قلم سے کھیلنا ہے کسی اور بیلچے سے اُن کا کیا کام، مالی پھول اُگاتا ہے مگر اُسے پھول کا حسن بیان کرنا نہیں آتا کہ یہ شاعر کا کام ہے اور اسے وہی کرتا ہے۔ ناصر بھولو اور جھارا پہلوان اپنی ساری طاقتوں کے باوجود فیض احمد فیض اور احمد فراز کے معیار کی نظم نہیں لکھ سکتے چاہے وہ ساری زندگی کثرت کرتے رہیں۔ اسی طرح فیض اور احمد فراز کی دنیا عملی لحاظ سے اُن کے بالکل برعکس ہے۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ اخلاقِ فطرت نے ہر ایک انسان کو مختلف قابلیتوں سے نوازا ہے۔

جس کے نتیجے میں انسانوں کے درمیان شاعروں، زباندانوں، فلسفیوں، صناعوں، معلموں پہلوانوں، معماروں اور مصلحین نے جنم لیا۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ ہر صنف سے ہر فرد کی قابلیت استعداد اور خصوصیتیں دوسرے لوگوں سے الگ ہیں اس لیے تو ایک صناع کی طبیعت ایک فلسفی سے جدا ہوتی ہے۔ ریاضی اور کیمیا جیسے خشک موضوعات سے تعلق رکھنے والے لوگ عام طور پہ شعر وادب سے بیگانہ ہوتے ہیں۔ صنف شعرا میں خاص دماغی قابلیت کا اتحاد ہوتا ہے اُن کا ذہن نظم کی قوتِ تخیل کی بلندی ،محاکات کی قدرت، الفاظ کے زور اور معانی کے جوش سے مزین ہوتا ہے۔ جبکہ فلسفی ایک خاص دماغی کیفیت کا حامل ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ خاموشی، غور وفکر، دقتِ نظر خارجی عالم سے بے پرواہی، خلوت گزینی، لوگوں سے بے رخی، اپنے تصور میں انہماک کو پسند کرتا ہے۔

اس بحث سے ثابت ہوا کہ مرز و بوم اور آب وہوا کے اختلاف کی بنا پہ جو اصنافِ انسانی پیدا ہوتی ہیں اُن میں اختلاف وامتیاز پایا جاتا ہے۔ اسی طرح ذہنی وروحانی اختلافِ استعداد کی بنا پر جو اصنافِ انسانی پیدا ہوتے ہیں اُن میں بھی بعید اختلافات نقل کیے گئے ہیں۔ اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ ہینی بال اور نپولین ،تیمور اور چنگیز اپنے ایک ہی وار میں وادیوں کو ویرانہ بنا کے رکھ دیتے تھے۔ وہ پہاڑ کو میدان اور میدان کو پہاڑ کر دینے کی صلاحیت تو رکھتے تھے مگر وہ بیٹھ کر فلسفہ اخلاق پر چند صفحے نہیں لکھ سکتے تھے۔ افلاطون گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر جمہوریت کا فلسفہ اخلاق تو تیار کر لیتا ہے مگر وہ ایتھنز کے تخت پہ بیٹھ کر حکومت کرنے کا اہل نہیں ہوسکتا۔ سلطان محمود غزنی سومنات کا مندر تو گرا سکتا ہے مگر شعر سننے کے لیے اسے فردوسی کا محتاج ہونا پڑتا ہے۔ چنانچہ یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ نوع انسانی میں اشتراک کے باوجود اصنافِ انسانی کی

ہزاروں قسمیں ہیں اور اُن میں ہر قسم وصنف کی الگ الگ خصوصیات اور لوازم ہیں انھی ہزاروں انسانی اصناف میں سے حضرت انسان کی ایک صنف نبوت بھی ہے اور انسانی اصناف میں سے نبوت سب سے اعلیٰ اور مقدس صنف ہے جس کے ذمے لوگوں کی راہنمائی کا فریضہ ہے۔ اِن صفحات میں ہم شرح نبوت سے بحث کر رہے ہیں اس لیے سب سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ اللہ کے نبی کو کن کن خصائص سے نوازا جاتا ہے جس کی بنا پہ وہ نبوت کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ چنانچہ بیان کیا گیا کہ اِن میں سب سے پہلی ذہنی استعداد ہے۔

اس امر کا بیان گزر چکا ہے کہ انسان میں مختلف قسم کی ذہنی استعداد اور فطری میلان پائے جاتے ہیں اور جوں جوں انسان اپنی عمر میں آگے بڑھتا ہے اس کی استعداد اور میلان طبع کا جوہر اپنا رنگ دکھانے لگتا ہے یہاں تک کہ ایک خاص حد پہ جاکے اس کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ جس طرح کہ آم کا وہ پودا جسے ہم پہلے دن زمین میں دباتے ہیں وہ اس وقت بھی آم ہی ہوتا ہے اگرچہ وہ آم پیدا نہیں کر رہا ہوتا۔ مگر چونکہ خالق نے اسے آم کا پودا بنایا ہے اس لیے اس میں پہلے روز سے ہی آم کی خصوصیات، خوشبو رنگ اور ذائقہ سب موجود تھے مگر پھل اُس پہ مقرر وقت پہ ہی آنا تھا جس کے لیے اس ننھے سے پودے کو ارتقاء کے بہت سے مراحل طے کرنے تھے۔ چنانچہ اس تمثیل سے یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اگر شیشم کا درخت یہ خواہش کرے کہ کاش وہ آم کا درخت ہوتا اور اس کے لیے وہ جدوجہد شروع کر دے تب بھی وہ کبھی آم نہیں بن سکے گا بلکہ شیشم ہی رہے گا۔ اسی طرح انسان اپنی خواہش جہد وسعی اور کسب کی بنا پہ کبھی نبوت حاصل نہیں کر سکتا اور نبی وہی ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے نبی پیدا کیا ہوگا۔

چنانچہ خدا نے جس کو نبی بنایا اُس کے اندر نبوت کے آثار و خصائص کیفیات اور استعداد اُس کی پیدائش کے روز سے ہی موجود ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ اِن کا اعلان اس وقت کرتا ہے جب اس پہ وحی اتاری جاتی ہے اور نبی آخر محمد ﷺ نے اس ضمن میں فرمایا کہ میں ''تو اس وقت بھی اپنے اللہ کا نبی تھا جب آدم ابھی ہنوز آب و گِل میں تھے''۔ چنانچہ اللہ کے وہ انبیاء جو انسانوں کے درمیان اترتے رہے اُن کی سیرت کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ جب وہ عدم سے وجود کی طرف منتقل کیے جاتے ہیں تو اس کے تھوڑے عرصے بعد ہی اُن کو ملنے والے منصب کے آثار ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے زمانے کے لوگوں سے منفرد نظر آتے ہیں۔ حسب ونسب میں دوسروں سے اعلیٰ ہوتے ہیں۔ دیانت وامانت میں

اُن کا شہرہ کا ہوتا ہے۔کفر و شرک کے ماحول میں رہنے کے باوجود وہ طاہر وطیب ہوتے ہیں۔اُن کے اخلاق حسنہ، سخاوت اور شجاعت کا شہرہ ہوتا ہے۔اُن کی سچائی اور راست گوئی مسلّمہ ہوتی ہے۔اور ہم جانتے ہیں کہ آنحضرت محمد ﷺ کو نبوت تو بہت بعد میں عطا کی گئی مگر اہل مکہ نے اُن کو صادق وامین بہت پہلے کہا۔چنانچہ صاحبِ نبوت کے خصائص اور اُس کی ابھرتی ہوئی شخصیت اُس منصب کی تمہید کا کام کرتی ہے،جس پہ اُن کو متمکن کیا جانا ہوتا ہے۔لوگوں کے دلوں میں اُن کے دعوائے نبوت کی تصدیق اور اُن کی شخصیت کا میلان خاطر پیدا ہو چکا ہوتا ہے۔

چنانچہ جب ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام،حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت یونس علیہ السلام،حضرت یحیٰی علیہ السلام،حضرت یعقوب علیہ السلام،حضرت اسحاق علیہ السلام،حضرت یوسف علیہ السلام،حضرت داؤد علیہ السلام،حضرت سلیمان علیہ السلام،حضرت عیسیٰ علیہ السلام،حضرت موسیٰ علیہ السلام اور سب سے آخر میں آنحضرت محمد ﷺ جو اللہ کے آخری نبی ہیں کی زندگیوں پہ نظر دوڑاتے ہیں تو ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ روزِ اول سے اپنے معاشرے میں ممتاز اور صاحبِ تذکرہ لوگ تھے۔جن کے اعمال واخلاق تک پہنچنا ایک عام آدمی کے لیے کبھی بھی آسان کام نہیں رہا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب ابھی نبوت عطا نہ کی گئی تھی تب بھی وہ مظاہر قدرت اور رنگِ کائنات پہ غور کرنے میں محو تھے۔وہ اپنے خالق کی تلاش میں سورج چاند ستاروں پہ تفکرانہ نگاہ ڈال رہے تھے۔اپنی قوم کے اعمال وعقائد پہ پہلی نظر ڈالنے کے بعد فوراً ہی اس سے بیزاری کا اظہار اسی بات کا پتا کا دیتا ہے جس کا تذکرہ ہم نے اوپر ابھی کیا ہے کہ کسی پیغمبر کا دل کبھی اُس بات کی طرف راغب نہیں ہوتا جس میں اُس کے رب کی مرضی شامل نہ ہو۔

حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا بے آب و گیا اور ویران وادیٔ میں پرورش پانا، پھر چاہِ زم زم کا ظہور اور جب آپ علیہ السلام جوان ہوئے تو اپنے مقدس باپ کے ساتھ مقدس سفر کی تیاری شروع کی،باپ کے ساتھ مل کر بیت اللہ تعمیر کیا اور اُس کی راہ میں قربان ہو جانے کو اپنے لیے سعادت جاننا اُن امور اور اعلیٰ درجات کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو اُن کو عطا کیے جانے والے تھے کہ انھوں نے سرزمینِ مکہ کے لوگوں کی ہدایت اور بیت اللہ کی رونقوں کا اہتمام کرنا تھا۔دوسری طرف اللہ کے اسی برگزیدہ بندے ابراہیم علیہ السلام کو یہ مقام عطا کیا جاتا ہے کہ اُن کو عین موت کے دروازے پہ کہن سالی میں ایک اور بیٹے کی بشارت دی جاتی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ وہ اللہ کا نبی ہوگا اور اُس کا بیٹا بھی اللہ کا نبی ہوگا اور

اُس کا بیٹا بھی اللہ کا نبی ہوگا۔یعنی حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحاقؑ حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کی خوشخبری ایک ساتھ دے دی جاتی ہے۔اور حضرت ابراہیمؑ کی رفعتوں کے کیا ہی کہنے کہ اُن کا ایک بیٹا عربوں کا سربراہ ہے اور بیت اللہ کا والی ہے تو دوسرا ملک عجم کے لوگوں کی روحانی تربیت پہ معبوث ہے اور بیت المقدس کا پاسبان ہے۔

اللہ کے نبی حضرت یوسفؑ کی زندگی پہ نظر ڈالیں تو جب وہ فلسطین اور مصر کے بیچ کہیں ایک اندھے کنویں میں لٹکے تھے تب بھی اُن کو اس بات کا پختہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اُن کے بارے میں بہتر فیصلہ کرنے والے ہیں۔پھر لوگوں نے دیکھا کہ حضرت یوسفؑ مصر کے بادشاہ بنتے ہیں اور اُن کو کنویں میں ڈالنے والے اُن کے قدموں میں بیٹھتے تھے۔حضرت موسیٰؑ کا بچپن تو اور بھی پرخطر اور دلچسپ و عجیب ہے وہ پہروں میں پیدا ہوئے۔اُن کی پرورش اُن کے سب سے بڑے دشمن فرعون مصر کے ہاں ہوئی اور نبوت سے پہلے ہی وہ فرعونیوں کے خلاف تن تنہا ہی ڈٹ گئے۔حضرت سلیمانؑ کی زندگی کا آغاز علم وفہم سے ہوا۔حضرت یحییٰؑ بچپن ہی سے نیکی سلامت روی،نرم خوئی اور طہارت میں اپنی قوم سے ممتاز تھے۔قرآنِ حکیم میں اللہ کے رسولوں کی اس رفعت کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔قرآن مجید میں جا بجا انبیاء ورسل کے حالات کا تذکرہ ہے۔ چنانچہ حضرت اسماعیلؑ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ:

”فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ○ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ○

القرآن الحکیم سورۃ صافات (آیات - ۳)

ترجمہ؛

”تو ہم نے ابراہیم کو ایک بردبار لڑکے کی خوشخبری دی تو جب وہ اس کے ساتھ بھاگنے دوڑنے کی عمر کو پہنچ گیا تو اس نے اپنے بیٹے سے کہا اے میرے بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تمھیں ذبح کر رہا ہوں بیٹے نے جواب دیا! اے میرے باپ کر ڈالیے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں ہی پائیں گے“۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے قرآنِ حکیم میں ارشاد ہوا کہ!

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰىٓ لَا اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰىٓ اُمِّكَ مَا يُوْحٰىٓ لَا O

القرآن الحکیم (سورۃ طٰہٰ ۲۰ ؛ آیات ۔ ۲)

ترجمہ؛

''اور ہم نے تجھ پہ دوسری دفعہ احسان کیا جب تیری حفاظت اور پرورش کے متعلق تیری ماں کے دل میں یہ بات ڈال دی جو ڈالی گئی''۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

حضرت یحیٰ علیہ السلام کی نسبت ارشاد کیا گیا کہ!

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ
وَكَانَ تَقِيًّا وَبَرًّا ۢ بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ O

القرآن الحکیم (سورۃ مریم ۱۹ ؛ آیات ۔ ۱۲۔۱۵)

ترجمہ؛

''اے یحیٰ! کتاب توراۃ کو مضبوطی سے پکڑ، اور ہم نے اُس کو فیصلہ کرنے کی قوت بچپن ہی سے عطا کر رکھی تھی اور اسے اپنے پاس سے رحم و مہر اور سفائی ستھرائی عطا کی تھی وہ اپنے ماں باپ کا فرمانبردار تھا اور نہ تھا زبردستی کرنے والا نہ نافرمان، سلامتی ہو اس پر جس دن وہ مرے اور جس روز انھیں زندہ کر کے اٹھایا جائے گا''۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہوا کہ!

''كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ

وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا وَّ جَعَلَنِیْ مُبَارَكًا اَیْنَمَا كُنْتُ O

القرآن الحکیم سورۃ مریم (آیات ۱۹ - ۲۹-۳۱)

ترجمہ؛

’’ہم کیسے اُس سے بات کریں جو ہنوز گھوارے میں بچہ ہے عیسٰی نے کہا میں خدا کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتابِ الٰہی عطا فرمائی ہے اور مجھے نبی ٹھہرایا گیا ہے اور مبارک بنایا گیا ہے میں جہاں بھی ہوں‘‘۔

اور آنحضرت محمد ﷺ نے اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوے کہا کہ؛

فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ O

القرآن الحکیم (سورۃ یونس ۱۰ ؛آیات - ۱۶)

ترجمہ؛

تو اس (دعویٰ پیغمبری) سے پہلے بھی تو میں تم میں ایک عمر گذار چکا ہوں اور کیا تم نہیں سمجھتے۔‘‘

علوم الانبیاء کا عنوان بھی انھی امور سے متعلق ہے جہاں عقل انسانی محض ایک تماشائی ہے۔اللہ جب اپنے کسی بندے کواُن رازوں میں شامل کرتا ہے جن کا تعلق انسان کی ابدی فلاح سے ہے تو ان امور کو علوم الانبیاء کہا جائے گا۔عام انسانی عقل کو اس کا کوئی شعورعطانہیں کیا گیا۔

علوم الانبیاء

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اُس کو طرح طرح کے علوم سے نوازا ہے۔تاہم ایک عام آدمی اور انبیاء و رسل کے علوم میں انتہا کا بعُد ہے جس کا احاطہ ناممکنات سے ہے۔چنانچہ ہم یہاں عام آدمی کے علوم اور استعداد اور انبیاء و رسل کے ارفع علوم پہ سیر حاصل بحث کے متمنی ہیں۔اگر چہ یہ وادیٔ دشوار گزار ہے اور اس راہ پہ پڑنے والے قدم جلد ہی تھک جاتے ہیں مگر ہم اپنی استعداد کے مطابق انبیاء و رسل کے علوم و تصرفات سے کسی قدر آگاہی حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔نبوت کا ایک اہم خاصہ علم غیب ہے اور علم غیب سے مراد وہ علم ہے جو عام انسانوں کی طرح وجدان احساس اور عقل و قیاس سے نہیں بلکہ خالق کے در سے براہ راست حاصل ہوتا ہے۔انبیاء پہ یہ علم صدائے غیب رویائے صادقہ یا اللہ کے محبوب فرشتوں کے ذریعے براہ راست اتارا جاتا ہے۔جب یہ علم کسی انسان پہ اترنا شروع ہو جائے تو اصطلاح میں ہم اُس آدمی کو اللہ کا نبی یا رسول کہیں گے۔اس پیغام کے آغاز سے ہی نبوت کی استعداد بالقوہ کا عملی ظہور شروع ہو جاتا ہے۔تاہم اس معاملہ کو سمجھنے کے لیے کسی قدر تفصیل کی ضرورت ہے اس

لیے کہ انبیاء کے علم اور تصرفات کی حد کو قطعی طور پہ جاننا تو شاید ممکن ہی نہیں مگر ہم ایک عام انسان کی علمی استعداد کو جاننے کی ممکن سعی تو کر سکتے ہیں۔اس لیے ہم پہلے عام آدمی کے علمی ذرائع پہ بحث کریں گے۔ بیان کیا گیا ہے کہ انسانی علم کو دو قسموں میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔

- علم انسانی کی اول صورت یہ ہے کہ وہ اُس تک کسی واسطے کے ذریعے پہنچے۔

- علم انسانی کی دوسری صورت یہ ہے کہ وہ بلا واسطہ اُس تک پہنچے۔

ہم پہلے علم انسانی کی پہلی صورت کو زیر بحث لائیں گے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے وجدان کی اُس دولت سے نوازا ہے جس کی بدولت اُس کو اپنی جسمانی کیفیات کا سب سے زیادہ یقینی علم حاصل ہوتا ہے اور اسی کی بدولت ہر انسان کو اپنے وجود پہ مکمل یقین ہوتا ہے اور اس کے اندر بھوک، پیاس بیماری، صحت، غم، خوشی اور خوف جیسے اندرونی تغیرات کا وجدان اسے بغیر کسی واسطے کے از خود حاصل ہو جاتا ہے۔اس کے بعد فطرت کا درجہ آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نوع بہ نوع مخلوقات کو اُن کی ضرورت کے مطابق علوم سے مزین کیا ہے۔ ہر نوع کی مخلوق کو خالق کی طرف سے کچھ ایسی نوعی خصوصیات ودیعت کی جاتی ہیں جو دیگر انواع میں نہیں پائی جاتیں۔ اِن نوعی خصوصیات کا علم بھی اس نوع کے ہر فرد کو از خود بغیر کسی واسطے کے وجدانی یا فطری طور پہ ہی حاصل ہو جاتا ہے۔مگر خالق نے چونکہ اپنی مخلوقات کی مختلف انواع کو مختلف نوعی خصوصیات سے نوازا ہے اسی کی بدولت انواع عالم کے مابین نوعی اختلاف اور امتیاز ظاہر ہوتا ہے۔اسی وجہ سے شیر شیر ہوتا اور لومڑی لومڑی ہوتی ہے اور وہ اچھی طرح جانتی ہے کہ وہ لومڑی ہے اسی لیے تو وہ شیر کو دیکھتے ہی بھاگ کھڑی ہوتی ہے اور کسی نے کبھی یہ منظر نہ دیکھا ہوگا کہ کوئی شیر کسی لومڑی کو دیکھ کے بھاگ کھڑا ہوا ہو۔اس نوعی ودیعت کو علم الاصطلاع میں فطری یا نوعی الہام کہا جائے گا۔اسی کو اہل فلسفہ کے ہاں جبلت کہا جائے گا اور یہی وہ جبلّت ہے جس کی بنا پہ بطخ کے بچے کو پیدا ہونے کے کچھ لمحے بعد بھی اگر پانی میں ڈال دیا جائے تو وہ تیرنا شروع کر دے گا اور اس کے لیے اسے کسی تربیت کی ضرورت ہرگز نہ ہوگی اس لیے کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ سے ہی اس نوعی خصوصیت سے مخصوص کیا گیا ہے کہ وہ تیرنا جانتا ہے

وہ نہ صرف تیرنا جانتا ہے بلکہ تھوڑی دیر میں اپنے شکار کو پہچان کر اس کو نگلنا بھی شروع کر دیتا ہے۔ پرندوں کے بچوں کا پیدا ہوتے ہی دانہ چگنا، شیر کے بچے کی درندگی اور انسان کے بچے کو پیدا ہونے کے بعد ماں کے دودھ کو تلاش کرنا پھر اسے پینا اور پی کر سو جانا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ اُس کا وجدان اُس کی راہنمائی اِن امور کی طرف کرتا ہے جن کا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے۔ حیوانات کی جبلت اور فطری الہام کے اس تذکرے کے بعد ہم انسان کے اُن داعیات کا ذکر کریں گے جن کو اُس کی طرف بتدریج اتارا جاتا ہے انسان جب ماں کی گود سے اترتا ہے تو بہت سی باتوں کا علم اسے ازخود حاصل ہوتا چلا جاتا ہے اور یہی باتیں اُس کی زندگی میں اس کی راہنمائی کرتی رہتی ہیں۔ وہ اِن امور میں کبھی شک نہیں کرتا جب اسے ایک بار معلوم ہو گیا کہ دو اور دو چار ہوتے ہیں تو پھر ساری زندگی وہ اس بات پہ سمجھوتا نہ کرے گا کہ کہیں دو اور دو پانچ بھی ہو سکتے ہیں وہ جانتا ہے کہ تاریکی کو سیاہ رنگ سے تشبیہ دی جائے گی اور روشنی کو سفید رنگ سے ظاہر کیا جائے گا۔

اگلے مرحلے پہ وہ جانتا ہے کہ اُس کے اردگرد بیشمار انواع واقسام کی اشیاء موجود ہیں کچھ اشیاء کے متعلق تو وہ یہ جانتا ہے کہ یہ چیزیں انسانوں نے بنائی ہیں اور شہر سے باہر انھیں فلاں فیکٹری میں بنایا جاتا ہے۔ مگر جلد ہی اُس پر یہ بات بھی منکشف ہو جاتی ہے کہ ساری چیزیں شہر سے باہر اُس فیکٹری میں نہیں بنائی جا سکتیں کہ لہلاتے کھیت، جھومتے درخت اور رنگ و بو اگلتے گُل بھی تو آخر کسی نے بنائے ہیں اور اِس کی یہی تلاش اُسے خالق کے در تک لے جاتی ہے۔ چنانچہ یہ وہ علوم ہیں وہ جو انسان کو بغیر کسی واسطے کے عطا کر دیئے گئے جنھیں ہم جبلت یا فطرت بھی کہہ سکتے ہیں۔ اب ہم انسانی علم کے دوسرے ذریعے یعنی اُن علوم سے بحث کریں گے جو اس تک کسی واسطے کے ذریعے پہنچتے ہیں۔ اس کی بھی کئی اقسام ہیں۔ چنانچہ بات کو آسانی سے سمجھنے کے لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسانی علوم کی اس قسم میں احساس اور عقل بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ پہلے مرحلے میں انسان اپنی عقل کے ارتقائی مراحل طے کرتا ہے اور اُن چیزوں کا ادراک حاصل کرتا ہے جو اس کے گردو پیش میں بکھری ہوئی ہیں۔ اس طرح وہ ایک مادی جہاں سے آشنا ہو جاتا ہے۔ جہاں وہ کار اور ہوائی جہاز کی پہچان حاصل کر لیتا ہے۔ اس سے اگلے مرحلے میں وہ اُن غیر مادی چیزوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو اپنے ظاہری جسم کے ساتھ تو اُس کی نظر کے سامنے موجود نہیں ہوتیں مگر اُس کی فہم و دانش اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ اِن غیر موجود یا سرے سے خارج وجودوں پہ بھی اعتقاد

رکھے۔چنانچہ وہ اُن چیزوں کے بارے میں بھی جو عالم غیب میں ہیں اور انسان کے ذہن میں اُن کا تصور موجود ہے اُن کا علم حاصل کرتا ہے۔محسوسات کی دنیا میں الگ الگ پہچان کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پانچ قوتیں ودیعت کی ہیں۔یعنی قوتِ باصرہ انسان کو دنیا کی رنگا رنگی دیکھنے میں اُس کی مدد کرتی ہے۔ قوتِ سامعہ انسان کو سننے میں مدد کرتی ہے،قوتِ ذائقہ چکھتی ہے اور لامسہ چھوتی ہے۔اصطلاح میں اِن قوتوں کے مجموعے کو حواسِ خمسہ کا نام دیا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو عطا کی گئی یہ پانچ قوتیں انسان کو مادی دنیا کی پہچان فراہم کرتی ہیں۔

جب انسان کی ناک سے کوئی چیز ٹکراتی ہے تو وہ فوراً ہی جان جاتا ہے کہ یہ پیٹرول کی بو ہے یا گلاب کی خوشبو ہے۔بیان کیا گیا ہے کہ حواسِ خمسہ سے حاصل کیا گیا علم اکثر یقینی اور شاذ و نادر غلط بھی ہوتا ہے، مثال کے طور پہ ستارے انسان کو چھوٹے چھوٹے نظر آتے ہیں جب کہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔علم بالواسطہ کی دوسری قسم جس کو انسان غور وفکر عقل وقیاس اور استدلال سے حاصل کرتا ہے اس کی بنیاد دراصل اُن معلومات پہ ہی ہوتی ہے جو انسان کو وجدان یا جبلت کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں۔جس کا طریقہ کار یہ ہے کہ انسان کو اپنے وجدان الہام فطری یعنی جبلت اور احساس کے ذریعے سے جو معلومات حاصل ہو چکی ہوتی ہیں انسان انھی معلوم شدہ امور پر غیر معلوم امور کو تمثیل یا استقراء کے ذریعے سے قیاس کر کے اُن معلوم شدہ امور کی خصوصیات اور آثار کا حکم لگاتا ہے۔تب غیر معلوم لیکن مشابہ یا مماثل امور پہ لگا کے جو نتیجہ حاصل کرتا ہے اسے وہ یقین کے ایک درجہ پہ قبول کرتا ہے۔تاہم اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ جب ہم وہ غیر معلوم امر جس پہ معلوم امور کے ذریعے انسان کوئی حکم لگاتا ہے اگر اُس کا نتیجہ مادی شکل میں ظاہر ہو جائے تو اسے چنداں مشکوک قرار نہیں دیا جاتا سوائے اس کے کہ جزیات کا استقراء پورا نہ کیا گیا ہو یا تمثیل تام نہ ہو یا تجربہ اور مشاہدہ نے دھوکا دیا ہو یا کوئی اور اصولی غلطی ہو گئی ہو۔یاد رہے کہ طبعیات اور کیمیا کے مسائل اکثر اسی طریقہ استدلال سے حل کیے جاتے رہے ہیں۔تاہم جب کچھ مادی امور کو غیر مادی قیاس کر کے اس کی نسبت کچھ اخذ کیا جائے گا تو اکثر اوقات یہ نتیجہ ظن وتخمین سے آگے نہیں بڑھے گا۔اِلاّ یہ کہ وہ تمام تر فطریات یا بدیہیات ومحسوسات پہ اعلانیہ منتہی ہو۔بیان کیا گیا ہے کہ مابعد الطبعیات اور فلسفہ الٰہیات کے اکثر مسائل اسی طرح حل کیے گئے ہیں اور اسی طریقہ استدلال سے انسان نے رائے مرتب کرنے میں کافی ترقی حاصل کی ہے۔اگرچہ اس طریقہ استدلال میں اختلاف کی کافی گنجائش ہمیشہ سے موجود

رہتی ہے اس لیے کہ اِن کے آخری نتیجہ اور ابتدائی بنیادی وجدان یا بدیہی یا حسی مقدمات کے درمیان قیاس کی کئی منزلیں ہیں اور اِن میں سے ہر منزل خطروں سے لبریز ہوتی ہے اس لیے کہ مشابہت اور مماثلت سے انسان اکثر اوقات دھوکہ کھا جاتا ہے۔اسی طرح ہم جانتے ہیں کہ عقلی وجدانی اور حسی اشیاء کے خواص کے درمیان اختلاف اور فرق ہوسکتا ہے۔غور وفکر بحث ونظر تحقیق وجستجو اور ترتیب مقدمات میں انسان کو فرق لگ سکتا ہے۔اس لیے علم کے اس ذریعے کو کسی بھی صورت شک وشبہ سے پاک قرار نہیں دیا جاسکتا۔اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ انسان کو عطا کیے گئے بالواسطہ علوم میں سب سے قابل اعتماد اور یقینی ذریعہ علم وجدان اور فطرت ہیں جو ہم کو قدرت کی طرف سے سب سے پہلے عنایت ہوتے ہیں کہ ہمارے وجود کی بقا انھیں علوم پہ ٹکی ہے۔اس لیے کہ انسان کے وجود کی بقاء اسی علم پہ موقوف ہے اور بدیہیات کا یہ علم یقینی تصور کیا جاتا ہے۔چنانچہ اگر کسی انسان کو بھوک لگی ہو تو کوئی فلسفی اپنے بھرپور دلائل کے باوجود انسان کو اس بات پہ قائل نہیں کرسکتا کہ اسے بھوک نہیں ہے۔

اس لیے کہ تب انسان پہ اپنے فطری وجدان کے مقابلے میں فلسفی کے دلائل کی کمزوری ظاہر ہوجاتی ہے اور اسے اس بات پہ پختہ یقین ہوتا ہے کہ اُس کو بھوک یا پیاس ستا رہی ہے۔یہاں تک کہ ایک دن کا بچہ بھی اپنے اندرونی وجدان اور احساس کی بدولت اپنی ماں کی چھاتی کی طرف لوٹتا ہے اور اسے اِس بات کا پختہ یقین ہوتا ہے کہ اُس کی بھوک کا سامان یہیں کہیں رکھا گیا ہے۔اس لیے کہ اس وجدان کے بغیر تو اس کے لیے اپنے وجود کی بقاء ہی ممکن نہیں۔چنانچہ کہا جاسکتا ہے کہ انسان کا وجدان اُس کو قریبی اور یقینی علم فراہم کرتا ہے مگر عام طور پہ یہ علم مادیات سے متعلق ہوتا ہے انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیے گئے علوم میں سے وجدانیات اور فطریات کے بعد محسوسات کا درجہ ہے۔خواسِ خمسہ وہ انسانی آلات ہیں جن سے انسان مادیات کے متعلق بنیادی معلومات حاصل کرتا ہے اور انھی ذرائع کے بدولت انسان علوم کی دیگر جہتوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔اب جہاں تک علم احساسات کا تعلق ہے تو وہ ایک دم ہی اپنی انتہا پہ نہیں پہنچ جاتے۔بلکہ انسانی ضرورت کے مطابق بتدریج ترقی پاتے ہیں۔اس لیے کہ ایک بچے کو خلائی سائنس یا فلسفہ کے دقیق مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی مگر اسے کپڑے پہننے اور کھانا کھانے کے آداب اسی عمر میں سکھائے جاتے ہیں۔اگرچہ محسوسات کا علم پہلے سن سے انسان کے ہمراہ ہوتا ہے مگر جب ہم چار دن کے ایک بچے کو بلاتے یا چھوتے ہیں تو وہ زیادہ ردعمل ظاہر نہیں کرتا اور جب یہی بچہ چار ماہ کا ہوجائے گا تو

آپ کے بلانے پہ وہ عام طور پہ مسکرانا شروع کر دے گا جس سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ اُس کے احساسات بتدریج ترقی کی طرف گامزن ہیں۔محسوسات کے بعد انسانی علوم میں بدیہیات کا درجہ ہے۔ انسان کا یہ علم بھی قطعی اوریقینی ہوتا ہے اس لیے کہ دوسال کا بچہ اچھی طرح جانتا ہے کہ آگ میں ہاتھ ڈالنے سے اس کا ہاتھ جل جائے گا اور یہ کہ برف ٹھنڈی ہوتی ہے۔بدیہیات کا یہ علم عام طور پہ انسان کے جوان ہونے کے ساتھ ہی اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے کیونکہ جب وہ سنِ رشد کی عمر کو پہنچتا ہے تو اس کو زندگی کے معاملات چلانے کے لیے اس کی ضرورت پیش آتی ہے۔چنانچہ جب کوئی شخص جوانی میں بھی بدیہی علم سے نابلد رہے تب وہ کاروبارِ حیات میں دوسروں سے پیچھے رہ جاتا ہے اور ایسے ہی آدمی کو لوگ احمق اور بے وقوف کہتے ہیں اور معاشرے میں اس کا مقام بہت پست ہوتا ہے۔اس مرحلے میں ہم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو عطا کیے گئے علوم یعنی وجدانیات،فطریات،محسوسات اور بدیہیات کا مطالعہ کیا۔ اب ہم معقولات کا مطالعہ کریں گے جو محسوسات اور قیاس کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔اسی علم کی کمی بیشی سے انسان کی ذہنی استعداد کا اندازہ لگایا جاتا ہے اور اسی کی بدولت انسانی عقلیں درجہ اور مرتبہ میں متفاوت ہوتی ہیں۔

جن لوگوں میں اس علم کی زیادتی پائی جاتی ہے وہ عاقل ترین اور صاحبِ دانش جانا جاتا ہے جب کوئی شخص اس علم سے کورا ہو تو عام طور پہ ایسے شخص کو احمق اور بے وقوف کہا جاتا ہے۔اسی علم کی بدولت بعض اوقات کوئی شخص اُس درجے پہ فائز ہو جاتا ہے کہ کوئی اس کا ہمسر اور حریف دکھائی نہیں دیتا۔چنانچہ ایک جاہل حبشی سے کر ارسطو اور بوعلی سینا تک اسی علم یعنی معقولات کی کرشمہ سازیاں ہیں اور اسی کی وجہ سے انسانی سماج میں ہم کو مختلف عقلی مدارج نظر آتے جن کی بنا پہ لوگوں کی پہچان کی جاتی ہے۔اگرچہ عام طور پہ ہم یہی جانتے ہیں کہ انسانی علوم کے پانچ طریقے یا پانچ ذرائع ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ علم کا ایک ذریعہ اور بھی ہے جس کا تعلق مادی محسوسات سے نہیں ہوتا بلکہ اُس کا تعلق حسی معاملات سے ہوتا ہے جس کے نتائج بھی غیر وجدانی اور قدرے عجیب محسوس ہوتے ہیں۔اوپر کی گئی تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کا پہلا علم یعنی وجدان انسان کے اندرونی حواس کا نتیجہ ہے،دوسرا طریقہ علم یہ ہے کہ خالق نے انسان کی فطرت میں بعض چیزوں کو پیوست کر دیا ہے جیسا کہ بو ہر شخص کو ناگوار محسوس ہوگی اور خوشبو سے ہر شخص راحت حاصل کرے گا۔اسی طرح انسانی علم کا تیسرا ذریعہ محسوسات کا علم ہے جس کی بنا پہ انسان اپنے ظاہری حواس

سے کسی مستحکم نتیجے تک پہنچتا ہے۔یعنی اگر کھانا لذیذ ہو تو انسان کو اس نتیجہ تک پہنچنے کے لیے کہیں دور جانے کی ضرورت نہ ہوگی اُس کی زبان اس بات کی شاہد ہوگی کہ کھانا لذیذ ہے۔انسان کا چوتھا ذریعہ علم بدیہیات اولیہ ہیں کہ انسان اپنے حواس اور ذہن سے ایک مشترک نتیجے تک پہنچتا ہے جیسا کہ اگر کسی کو گلاب پیش کیا جائے تو اُس پہ ایک ساتھ کئی باتیں منکشف ہوں گی اور انسان کو اپنے اس نتیجے پہ ذرا سا بھی شک نہیں ہوگا مثلاً وہ گلاب کے حسن کو فوراً ہی داد دے گا، ساتھ ہی اِس پہ اُس کی نازکی کا راز بھی کھل جائے گا اور اُس کی خوشبو تو دور سے اپنے وجود کا احساس دلا رہی ہوتی ہے۔

اس کے بعد انسان کے علم کا پانچواں مرحلہ آتا ہے۔جس کو معقولات کہا گیا ہے جو دراصل عقل و ذہن کا وہ قیاس ہوگا جس کی بنا پہ انسان کسی ایسے فیصلے پہ پہنچے جس تک عام آدمی کی رسائی ممکن نہیں ہوتی۔جیسا کہ یہ واقعہ ہزاروں لوگوں کے ساتھ ہزار بار پیش آیا ہوگا کہ باغ سے کوئی سیب اُس کی جھولی میں آ گرے مگر جب یہی واقعہ نیوٹن کو پیش آیا تو اِس سے اُس نے کشش ثقل کے وہ حرکی قوانین وضع کیے جن کا اس سے قبل انسان کو کوئی ادراک نہ تھا۔انسانی علوم کے اِن ذرائع پہ ذرا سا تدبر کرنے سے معلوم ہوگا کہ انسان کا علم وجدان سے لے کر ذہن تک بتدریج مادیت سے ترقی کر کے مادی حقائق سے دور ہوتا رہتا ہے اور ماورائے مادہ امور کی قربت حاصل کرتا ہے۔اس لیے کہ وجدان تمام تر ہماری اندرونی اور جسمانی شہادت ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

اسی طرح محسوسات بھی ہمارے جسم کے مادی آلاتِ علم کے نتائج ہیں۔تاہم بدیہیات کا تعلق ہمارے مادی حواس سے بھی ہے اور ذہن سے بھی ہے جو غیر مادی ہے اِن دونوں سے متعلق ہونے کی وجہ سے بدیہی ذرائع علم مادی اور غیر مادی ذرائع علم کے بین بین ہیں جب کہ معقولات تمام تر ذہنی اور غیر مادی ہیں مگر اِس غیر مادی قوت کا مرکز بھی ہمارا جسم ہی ہے اور اس میں کسی حد تک اس غیر مادی قوت کا تعلق ارادہ سے بھی ہے۔مادی ذرائع علم کے اس مبحث کے بعد ہم کچھ توجہ روحانی علم کی طرف مبذول کرنا چاہتے ہیں اس لیے کہ روحانی علم کا تعلق مادیات سے اتنا بھی نہیں ہوتا جتنا کہ معقولات اور ذہنیات کا ہوتا ہے اور وہ تمام تر مادہ اور مادیات سے پاک ہوتا ہے۔مادی علم کے درجات اور مدارج کی طرح غیر مادی یعنی روحانی علم کے بھی بہ ترتیب مختلف درجے ہیں جن کو فراست، حدس، کشف، الہام اور وحی کہتے ہیں۔جس طرح انسانی علم کے مذکورہ بالا پانچوں ذریعے انسان کے جسمانی قویٰ سے متعلق تھے اسی طرح یہ غیر مادی ذرائع

علم بھی انسان کے روحانی قویٰ سے وابستگی رکھتے ہیں۔پہلے اس کا بات کا ذکر ہو چکا ہے کہ وجدانیات سے لے کر عقلیات تک بہ ترتیب ہمارا ذریعہ علم خالص مادی، کامل مادی، کم مادی اور برائے نام مادی حد تک ترقی کرتا چلا گیا ہے۔اسی طرح فراست، حدس، کشف، الہام اور وحی بھی برائے نام مادی و روحانی سے لے کر روحانی، کامل روحانی اور خالص روحانی کے ذریعے تک ترقی کرتے چلے گئے ہیں۔

فراست کے معنی تاڑ جانے کے ہیں مگر یہ قوت ہر شخص میں نہیں پائی جاتی تاہم جس شخص میں یہ قوت نمایاں ہو اس کی یہ کیفیت اُسے ایک ملکہ کے ذریعے حاصل ہوتی ہے جو تجربہ کی کثرت، عمل کی مہارت اور کمال کے بعد انسان کو حاصل ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کسی چیز کے دیکھنے سننے چکھنے سونگھنے یا چھونے کے ساتھ ہی صرف بعض ظاہری علامتوں کے جان لینے سے دوسری متعدد ضروری علامتوں پر تفصیلی نظر ڈالے بغیر اتنی جلدی میں انسان صحیح نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ غیب کی کوئی بات بیان کر رہا ہے۔حالانکہ اس کا علم تمام تر ظاہری علامتوں اور نشانوں پر مبنی ہوتا ہے جن کو ہر شخص دیکھ سکتا ہے مگر نہیں دیکھتا۔ایسے ماہر فن اشخاص برابر مشاہدے میں آتے رہتے ہیں جس کو جس چیز یا فن میں یہ ملکہ پیدا ہو جاتا ہے اُس کی فراست اس کو حاصل ہے۔جرائم کا پتا لگانے والے ماہرین اور جاسوس اپنے فن کی فراست میں یہ کمال رکھتے ہیں کہ صورت دیکھی اور تاڑ گئے۔اسی طرح ہر علم و فن کے ماہروں کو اپنے اپنے فن کے اندر یہ ملکہ حاصل ہو جاتا ہے کہ اخیار اور نیکو کاروں کو اپنی جماعت کے افراد پہچان لینے یا جان لینے کی طاقت بھی اسی طرح حاصل ہوتی ہے نبی اکرم ﷺ نے مومن کی فراست کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

"اتقوا فراسته المؤمن فانه ينظر بنور اللّٰه"

مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ خدا کی روشنی سے دیکھتا ہے۔

(جامع ترمذی)

❖❖❖❖❖❖❖

فراست کے بعد حدس کا درجہ آتا ہے۔فراست کے ابتدائی مقدمات حواس پر مبنی ہوتے ہیں۔لیکن حدس

کے ابتدائی مقدمات ذہنی اور عقلی ہوتے ہیں۔ اِنھی ذہنی اور عقلی مقدمات کے غور وفکر تلاش وترتیب سے حاصل ہونے والے نتیجوں کو حدس کا نام دیا جاتا ہے۔مگر فطری کمال یا فن کی حاصل کردہ مہارت کے سبب سے غور ونظر،فکر وتلاش اور ترتیب مقدمات کے منطقیانہ مرحلوں کو ذہن رسا اس تیزی سے اور سرعت کے ساتھ طے کر کے آخری نتیجہ تک پہنچتا ہے کہ خود اُس کو بھی اس کا احساس نہیں ہوتا کہ اس نتیجہ کے حاصل کرنے میں اُس نے کوئی دماغی عمل بھی کیا ہے۔یہ چیز بھی اکثر کامل العقل اور صاحب الرائے انسانوں کو فطرتاً عطا کی جاتی ہے اور دنیا کے مشہور عقلا اور دانایانِ روزگار کے واقعات میں اس کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔حدس کے بعد اب کچھ تذکرہ کشف کا ہو جائے۔کشف کے لفظی معنی تو کھولنے اور پردہ اٹھانے کے ہیں مگر اس سے مقصود یہ ہے کہ مادیت کے ظلمانی پردہ کو چاک کر کے مادی چیز روحانی عالم میں زیر مشاہدہ آجائے،وہ کبھی اصلی صورت میں اور کبھی اپنی مثالی صورت میں نظر آتی ہے،عام لوگوں کے سمجھنے کے لیے اس کی بہترین مثال خواب کی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ خواب عالم نیند کی بات ہے اور کشف عالم بیداری میں ہوتا ہے۔جس طرح عام لوگوں کے خواب میں جب ظاہری حواس بیکار ہو جاتے ہیں اور اُس کو کچھ دکھایا جاتا ہے اور کئی ایسی چیزیں اس کے مشاہدے میں آتی ہیں جو کبھی کبھی عین واقعہ ثابت ہوتی ہیں اسی طرح خاص لوگوں پر بیداری میں ہی ظاہری حواس کے تعطل سے ایسا سماں پیش آتا ہے کہ جیسے کہ وہ بات حقیقت ہو ہر شخص کے تجربے میں متعدد ایسے واقعات گزرتے رہتے ہیں۔

کشف کے بعد الہام کا درجہ ہے جس کے معنی دل میں ڈال دینے کے ہیں اور اس سے مراد وہ علم ہے جو محنت،تلاش وتحقیق،غور وفکر اور ترتیب مقدمات کے بغیر دل میں آجاتا ہے اور ممکن ہے کہ اس کی صحت بعد کے حسی تجربوں اور عقلی دلیلوں سے بھی ثابت ہو جائے مگر خود وہ علم پہلے پہل ذہن میں کسی حسی تجربے یا عقلی دلیل کے نتیجے کے طور پہ نہیں آتا بلکہ خود بخود دل میں آجاتا ہے،کیوں آتا ہے،کہاں سے آتا ہے اس کے جوابات مختلف ہو سکتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ آتا ہے اور یہ ایک یقینی امر ہے اور اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔اس کی ابتدائی اور معمولی مثالیں وہ خیالات ہیں جو محققین علماء شعرا اور موجدین کے ذہن میں پردہ عدم سے اول اول ذہن میں منتقل ہوتے ہیں جیسے کہ کسی کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ انسان اڑ سکتا ہے پھر برسوں کی جدوجہد کے بعد بالآخر اس نے اڑنا شروع کر ہی دیا۔اس کے بعد روحانی علوم کی منتہا یعنی اُس کا آخری درجہ جس میں سے عام آدمی کو کوئی حصہ نہیں دیا گیا۔بلکہ وہ صرف انبیاء کے ساتھ

مخصوص ہے۔اس کو وحی کہا گیا ہے۔وحی کے لغوی معنی یہ ہیں کہ کسی کا اپنے دل کی منشا کو لبوں کو جنبش دیئے بغیر اخفاء اور آہستگی کے ساتھ دوسرے پہ ظاہر کر دینا اور اصطلاحاً اس کے معنی ہیں کہ خدا کا اپنے دلی منشا کو اپنے خاص بندوں کو کسی غیبی ذریعہ سے منتقل کرنا اور یہ علم واطلاع کے روحانی ذریعوں کی آخری حد ہے۔ چنانچہ جس طرح علم کی تین مادی قسمیں یعنی وجدان حسیات اور بدیہیات عام انسانوں کے لیے یقینی ذریعہ علم ہیں اسی طرح روحانی ذرائع علم کے یہ تین ذریعے یعنی کشف، الہام اور وحی انبیاء ورسل کے یقینی ذریعہ علم ہیں۔جس طرح علم کے مادی ذریعوں میں سے یقین کا سب سے پہلا ذریعہ وہ ہے جو تمام تر مادی ہے یعنی وجدان پھر حس ظاہر اور پھر بدیہیات اسی طرح علم کے روحانی واسطوں میں سب سے زیادہ یقینی وہ ہے جو تمام تر روحانی ہے یعنی وحی پھر الہام پھر کشف۔

علماء نے علم کے روحانی ذرائع کی جو تین قسمیں بیان کی ہیں یعنی وحی الہام اور پھر کشف یہ قرآن پاک کی اصطلاحیں نہیں ہیں۔قرآن کی اصطلاح میں روحانی ذریعہ علم کا نام مکالمہ الٰہی ہے۔
یعنی خدا سے بات کرنا ہے اور اُس کی حسب ذیل تین قسمیں بیان کی گئیں ہیں۔

- وحی یعنی اشارہ سے بات کرنا یعنی دل میں کسی معنی کا بغیر آواز اور الفاظ کے آجانا چنانچہ یہ حالت اگر بیداری میں ہے تو کشف ہے اگر خواب میں ہے تو رویا ہے۔

- خدا کا پردے کے پیچھے سے بات کرنا یعنی متکلم نظر نہیں آتا مگر غیب سے آواز آتی ہے الفاظ سنائی دیتے ہیں مگر مخاطب کرنے والا نظر نہیں آتا اس کو الہام کہتے ہیں۔

- اللہ تعالیٰ کا فرشتے کے ذریعے سے اپنے نبی سے بات کرنا یعنی اللہ کا فرشتہ خدا کا پیغام لے کے سامنے آتا ہے اور اس کے منہ سے وہ الفاظ ادا ہوتے ہیں جن کو سن کر اللہ کا نبی محفوظ کر لیتا ہے اسی کو عام طور پہ وحی کہا جاتا ہے اور قرآن پاک کا نزول اسی آخری طریقے سے ہوا ہے۔لیکن اس شہرت عام کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ اوپر بیان کیے گئے دوسرے دو طریقے وحی کی اقسام سے

خارج ہیں کیونکہ خود قرآن میں بھی اِن طریقوں کو وحی قرار دیا گیا ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

وحی کی اِن اقسام کا ذکر سورۃ شوریٰ میں اس طرح کیا گیا ہے۔

''وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ O''

القرآن الحکیم (سورۃ شوریٰ ۴۲ :آیات ۵۱)

ترجمہ؛

''اور کسی آدمی کی یہ تاب نہیں کہ اللہ اِس سے بات کرے لیکن وحی سے یا پردے کے پیچھے سے یا کسی قاصد کو بھیجے تو وہ خدا کے حکم سے خدا جو چاہے اس کو وحی کر دیتا ہے بے شک اللہ بلند اور حکمت والا ہے''۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

چنانچہ ثابت ہوا کہ مکالمہ الٰہی کے یہ تینوں طریقے یعنی وحی سے بات کرنا، پردے کے پیچھے سے بات کرنا اور فرشتے کے ذریعے سے بات کرنا، تینوں ہی وحی کی مختلف قسمیں ہیں۔اس لیے اِن تینوں کا اجمالاً اور مشترک نام بھی وحی ہے اور اِن تینوں میں سے ہر ایک پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور سورہ شوریٰ کی اس آیت میں بھی فرشتے کے ذریعے وحی کرنے کا ذکر بھی کیا گیا ہے اور دیگر طریقوں سے بھی آنحضرت محمد ﷺ کو غیبی تعلیم واطلاع دی گئی ہے اور اس اسلوب کو بھی وحی سے تعبیر کیا گیا ہے۔یعنی یہ طریقہ وحی بھی عام مکالمہ الٰہی کے مترادف و مستعمل ہے۔قرآن حکیم اور حدیث نبوی میں اس بات کی تصریح بھی موجود ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی زبان سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔

چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

” مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى O

القرآن الحکیم (سورۃ النجم ۵۳ - آیات ۴)

ترجمہ:

”نبی خواہش نفس سے کلام نہیں کرتا بلکہ وہ وحی ہوتی ہے جو اس کو کی جاتی ہے۔“

❖❖❖❖❖❖❖❖

الغرض اسی امتیاز کے لیے علمی اصطلاحات میں وحی کے اِن تینوں طریقوں کے لیے کشف الہام اور وحی کے تین الگ الگ الفاظ وضع کیے گئے تا کہ بول چال میں ہر روحانی طریقہ گفتگو دوسرے سے ممتاز ہو جائے کہ بیداری میں اشارہ سے بات کرنا کشف ہے، خواب کے عالم میں رویا ہے، پردے کے پیچھے سے آواز کا سننا الہام ہے اور فرشتے کے ذریعے سے بات کرنا وحی ہے۔ تاہم علماء نے اس بات کی تصریح بھی کی ہے کہ غیبی ذریعہ اطلاع کی سب سے بلند قسم جس کو اصطلاح میں وحی کہا جاتا ہے اُس کا تجربہ عام لوگوں کو کبھی نہیں ہوتا لیکن اس سے نیچے کے درجہ غیبی کے ذرائع اطلاع کا تجربہ ہر انسان کو زندگی میں کبھی نہ کبھی ہوسکتا ہے۔ اگر چہ اکثر اوقات انسان کو اس کا شعور نہیں ہوتا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ ہر انسان کی زندگی میں کئی پر اسرار اور نا قابل فہم واقعات پیش آتے ہیں اور اُن پر غور کرنے سے غیب کے اس اعلیٰ ترین ذریعہ علم کا دھندلا سا خاکہ ذہن میں آسکتا ہے جس سے غیر جسمانی اور غیر حسی مادی ذرائع علم کے سمجھنے اور باور کرنے میں جو استبعاد معلوم ہوتا ہے اس کو دور کیا جاسکتا ہے۔ خصوصاً آج کے عہد میں جب سائیکالوجی کی تحقیقات سے خطاب وکلام کا سلسلہ جنابی شروع ہو چکا ہے اور جدید روحانیات کا فن سائنس کی ایک مستقل شاخ کی صورت اختیار کر رہا ہے۔

تاہم انبیاء علیہ السلام کو اپنے کشف، الہام اور وحی پہ اتنا ہی یقین ہوتا ہے جتنا کہ ایک عام آدمی کو اپنے وجدانیات، محسوسات فطریات اور بدیہیات پہ ہوتا ہے، فطریات اور بدیہیات پر انبیاء کا یہ روحانی علم ایسا ہی اندرونی ہوتا ہے جیسا کہ عام انسانوں میں وجدانیات، فطریات و بدیہیات اور محسوسات کا علم ہوتا ہے۔ جس طرح کسی شخص کو اس علم میں دھوکا نہیں ہوسکتا کہ اس کو بھوک یا پیاس معلوم ہورہی ہے، اس پہ غم کی کیفیت طاری ہے یا خوشی کا خمار ہے اسی طرح انبیاء کو بھی روحانی وجدانیات میں دھوکہ نہیں ہوتا جس

طرح انسان کو فطریات کی بنا پہ اس امر پہ یقین محکم حاصل ہوتا ہے کہ دو اور دو چار ہوتے ہیں اسی طرح انبیاء کو بھی اپنے پیغمبرانہ فطریات میں یقین محکم حاصل ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن سے بات کی ہے اور جس طرح ایک آدمی کو اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہوتا کہ وہ کسی شخص کے ساتھ بات کر رہا ہے اور وہ شخص اس کے سامنے کھڑا ہے اسی طرح جب اللہ کا فرشتہ اللہ کا کلام لے کر انبیاء کی طرف اترتا ہے تو اللہ کے نبی کو بھی اس بات پہ اُسی قدر یقین محکم حاصل ہوتا ہے جس قدر کہ اُس شخص کا یقین جس کے سامنے کھڑا شخص اس سے بات کر رہا تھا اور اللہ کا نبی جانتا ہے کہ یہ اللہ کا فرشتہ ہے اور اِس سے فلاں بات کر رہا ہے۔ چنانچہ اللہ کے انبیاء کو اس بات پہ ذرا سا بھی شک نہیں ہوتا کہ وہ اللہ کے مخاطب ہیں اور انھوں نے قوم کو مخاطب کرنا ہے۔

الغرض اللہ کے انبیاء اپنے جملہ غیبی اور روحانی ذرائع علم میں ہر لغزش فریب خطا اور غلطی سے اسی طرح پاک ہوتا ہے جس طرح کہ عام انسان اپنے وجدانیات، فطریات محسوسات اور بدیہیات میں غلطی نہیں کرتا۔ مگر یاد رہے کہ وحی الہام اور کشف پہ انبیاء کا علم ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو اپنے بعض خاص علوم میں بھی شامل کیا ہے۔ جیسا کہ علم غیب، دین اسلام کے عقائد میں اگرچہ یہ بات بالکل صاف ہے کہ غیب کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں اور بعض لوگوں کو جو یہ شبہ گزرا ہے کہ انبیاء کو غیب کے علم پہ دسترس عطا کی جاتی ہے تو وہ محض ایک غلط فہمی ہے۔ تاہم دوسری انتہا پہ کھڑے کچھ لوگوں کو جو یہ شبہ گزرا ہے کہ انبیاء و رسل کچھ بھی نہیں جانتے تو وہ بھی ایک بڑی غلط فہمی کا شکار ہیں۔ بلکہ انبیاء کے درجے میں حرف زنی کے بھی مجرم ہیں اس لیے کہ بات اِن دونوں کے بین بین ہے نہ انبیاء کو غیب کا علم حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی انبیاء اس سے بالکل عاری ہوتے ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ جس کو جو چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور جہاں تک علم غیب کا تعلق ہے تو قرآن حکیم میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے چنیدہ انبیاء کو اپنے اس علم میں شامل کیا ہے مگر حقیقت یہی ہے کہ غیب کا علم خاص اللہ تعالیٰ کا علم ہے اب وہ قادر مطلق اور رحمان و رحیم ہے اپنے خزانوں سے جس کو جو چاہے بانٹے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے کہ:

”وَ یَقُوْلُوْنَ لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَیْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا اِنِّیْ

مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ O

القرآن الحکیم (سورۃ یونس ۱۰ - آیات - ۲۰)

ترجمہ؛

''اور کچھ لوگ اُن سے یوں کہتے ہیں کہ اُن پہ کوئی معجزہ کیوں نہیں اترتا سو آپ فرما دیجئے کہ غیب کی خبر تو صرف خدا کو ہے سو تم بھی منتظر رہو اور میں بھی تمھارے ساتھ منتظر ہوں''۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

اور غیب کے علم کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اس امر کی تصدیق قرآن میں یوں اتری ہے:

''قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ O

القرآن الحکیم (سورۃ النمل ۲۷- آیات ۶۵)

ترجمہ؛

''کہہ دیجئے کہ زمین و آسمان میں کوئی نہیں جس کو خدا کے سوا غیب کا علم ہو''۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

اور یہ بات کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو اپنے خاص علم یعنی علم غیب میں سے جس کو جتنا حصہ چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے تو قرآن کی متعدد آیات اس امر پہ بھی شہادت پیش کرتی ہیں۔

جیسا کہ سورۃ جن میں ارشاد فرمایا گیا کہ!

''قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا O عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا O اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ ۔

القرآن الحکیم (سورۃ جن ۷۲- آیات ۲۵-۲۷)

ترجمہ؛

''آپ کہہ دیں کہ مجھ کونہیں معلوم کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ قریب ہے یا میرے پروردگار نے اُس کے لیے کوئی مدت مقرر کررکھی ہے اس لیے کہ غیب کا جاننے والا تو وہی ہے اور اپنے غیب کی بات کسی پہ ظاہر نہیں کرتا مگر اپنے پیغمبروں میں سے جس کو وہ پسند کرلے''۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

ایک اور جگہ اس سے ملتے جلتے مضمون کو بیان کرتی آیات میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ!

''وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران ۳ - آیات ۱۷۸)

ترجمہ؛

''اور نہ تھا اللہ کہ غیب کی باتوں پہ تم کو مطلع کرتا لیکن یہ کہ اللہ اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے پس اب اللہ پر اور اُس کے سب رسولوں پہ ایمان لے آؤ کہ اگر تم ایمان لے آئے اور پرہیزگاری اختیار کی تو پھر تمھارے لیے اجرِ عظیم ہے''۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اوپر پیش کی گئی آیات میں سے پہلی دو آیات تو اس بات پہ دلیل فراہم کرتی ہیں کہ علمِ غیب کا حقیقی مالک صرف اللہ رب العزت ہی کی ذات ہے مگر آخر میں پیش کی گئیں قرآنی آیات اس امر پہ دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں (انبیاء) میں سے جس کو پسند کرتا ہے اُس کو علمِ غیب سے مطلع بھی فرما دیتا ہے۔ یہاں اِن آیات میں جو مہین سا تضاد نظر آتا ہے اُس کو سمجھنے کے لیے اس بات کو ذہن میں رکھیں کہ پہلی آیات جن میں خالقِ کائنات رب العزت ہی کو سارے علوم کا مالک قرار دیا گیا ہے تو وہاں اشارہ اس امر کی طرف

ہے کہ یہ اُس کے ذاتی علوم ہیں اور بعد میں پیش کی گئی آیات سے خود بخود ہی یہ بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ اگر چہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ پیغمبروں کو اللہ کی طرف سے علم غیب پہ مطلع کیا جاتا ہے مگر وہ علم اِن کا ذاتی علم قرار نہیں دیا جا سکتا جیسا کہ قرآن حکیم میں ہی مزید کئی جگہ اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے امر سے جس قدر چاہتا ہے اپنے انبیاء کو باخبر رکھتا ہے اور جتنی بات اُس مصلحت کے مطابق ہو جس کے متعلق اللہ ہی بہتر جانتا ہے اُس کو اپنے انبیاء پہ کھول دیتا ہے۔ یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اللہ کے انبیاء تو اترتے ہی غیب لے کر ہیں اور لوگوں کو وہ باتیں بتاتے ہیں جو اُن کو پہلے معلوم نہ تھیں۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ نبی اپنی قوم کو غیب کے اُن امور سے آگاہی فراہم کرتا ہے جن سے وہ نابلد تھے۔ قرآن حکیم میں اس بات کو بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ پیغمبروں کو غیب کا کلی علم کبھی نہیں دیا جاتا بلکہ جب اللہ تعالیٰ اُس قوم کو جو اُس کے رسول کی مخاطب ہوتی ہے کسی نئے امر سے مطلع کرنا مقصود ہو تو وہ اپنے پیغمبر کو اس امر کی وحی کرتا ہے۔ چنانچہ اسی بات کو آسانی کے لیے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ جن امور کی اطلاع پیغمبروں کو دی جاتی ہے اُن کا تعلق فریضہ رسالت، اس کی مصلحتوں اور شریعتوں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو غیب کی جن باتوں سے آگاہ کرتا ہے اُن کو علماء نے چار قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

- یعنی گذشتہ قوموں اور پیغمبروں کے عبرت انگیز واقعات۔

- مستقبل میں دنیا کے فتنوں اور انقلابات کا بیان۔

- قیامت یعنی روز آخر اور اس کے بعد پیش آنے والے حالات کا بیان۔

- مغیبات کا بیان یعنی ایسے امور جن کو سمجھنا اس دنیا میں آسان نہیں مگر بہر حال وہ ایک حقیقت ہیں جیسے کہ جنت اور دوزخ کا بیان۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا گیا ہے کہ غیب کا تحمل بھی اہم امور میں سے ہے کہ ہر شخص غیب کا متحمل نہیں ہو سکتا۔اس کے لیے انبیاء ورسل کی خصوصی تربیت کا اہتمام کیا جاتا ہے اور اُن کو اس کٹھن منزل کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔جیسا کہ رسول مکرم ﷺ کے ضمن میں بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے ایک فرشتے اسرافیل کے ساتھ تین سال تک اُن امور کو سمجھنے کی کوشش کرتے رہے جن کا تعلق امورِ غیب یا رسالت سے تھا۔حکمائے اسلام نے وحی کی حقیقت اور اس کے تحمل کو ملکہ نبوت کہہ کے بیان کیا ہے۔اس کی تشریح یہ ہے کہ ترتیب کائنات پہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات میں علم اور تعقل نے پستی سے بلندی کی طرف رفتہ رفتہ ترقی کی ہے۔

جمادات بے حس ہیں اس لیے اُن کو احساس کے درجے سے نفی کر دیا گیا ہے۔اگرچہ اُن کے اندر بھی احساس کے داعیہ کے سراغ ملتے ہیں۔جیسا کہ پتھروں کا آپ ﷺ کی گواہی پیش کرنا یا منبر رسول کا آپ ﷺ کی جدائی میں رونا وغیرہ۔جمادات کے بعد نباتات کا درجہ ہے جن کے اندر محدود احساس کو تسلیم کیا گیا ہے۔اگرچہ وہ دماغی قویٰ، حافظہ وتذکرہ اور فکر وتدبر جیسی قوتوں سے عاری ہیں۔اس کے بعد حیوانات کا درجہ ہے جو نباتات سے ارفع ہیں اس لیے کہ اُن کے اندر اوپر ذکر کی گئی قوتیں ناقص طریقے پر نمودار ہوتی ہیں۔سب سے آخر میں اور سب سے اعلیٰ ہستی حضرت انسان ہے جس میں دماغی قویٰ، حفظ وتذکرہ اور فکر وتدبر جیسے قویٰ اپنے پورے کمال پہ پہنچ جاتے ہیں اور اُن کی قوت یہاں تک ہی محدود نہیں رہتی بلکہ جس طرح نباتات میں قوت احساس ہے مگر جمادات اس سے محروم ہیں اسی طرح حیوانات میں حافظہ تصور اور تعقل کے کچھ ایسے قوانین موجود ہیں جس سے نباتات کو محروم رکھا گیا ہے تاہم انسان کو ان تمام امور سے نوازا گیا ہے بلکہ ارادہ وعمل کی آزادی بھی عطا کی گئی ہے۔

چنانچہ انسان میں وہ دماغی وذہنی قویٰ موجود ہیں جو حیوانات میں نہیں پائے جاتے اگرچہ انسان میں تمام قویٰ عقلی وذہنی اپنی پوری معراج پہ ہوتے ہیں مگر اس کے باوجود عام انسان کی زندگی اور ایک نبی کی زندگی میں بہت فرق پایا جاتا ہے اس لیے کہ انبیاء ورسل میں علم وتعقل کی ایک ایسی قوت موجود ہوتی ہے جو عام انسانوں میں نہیں پائی جاتی اور اسی کا نام ملکہ نبوت ہے۔چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ حواس صرف مادیات کو دریافت کرتے ہیں دماغی قویٰ مادیات سے بلند تر ہوتے ہیں اس لیے وہ ذہنیات اور عقلیات سے متعلق ہوتے ہیں اور وہ علم جو ذہنیات اور عقلیات سے بھی بلند ہوتا ہے اس کا تعلق غیبیات سے ہوتا ہے اور اسی کو

ملکہ نبوت کہا جاتا ہے۔اس ذریعہ علم میں غور و بحث اور منطقیانہ فکر ونظر اور ترتیبِ مقدمات کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ حقائق اس طرح سامنے آتے چلے جاتے ہیں جیسے کہ انسان کے یقینی ذرائع علم یعنی وجدانیات ،فطریات بدیہیات اور محسوسات کے نتائج سامنے آتے ہیں اور وہ ایک عام انسان کے نزدیک قطعی اور یقینی ہوتے ہیں اسی طرح جس شخص کو ملکہ نبوت سے سرفراز کیا جاتا ہے اُس پہ اترنے والے امور بھی اُس کے نزدیک اسی طرح قطعی اور یقینی ہوتے ہیں۔یہ علم انسانی علوم سے اس حوالے سے بھی مختلف ہے کہ عام آدمی عمومی ذرائع علم سے جو کچھ حاصل کرتا ہے اس کا کوئی نہ کوئی محرک ہوتا ہے۔ مثال کے طور پہ تدبیر کے لیے سوچنا پڑتا ہے،تقدیر کے لیے کھوجنا پڑتا ہے یا یہ کہ خوشبو کا احساس خوشبو کی موجودگی کی وجہ سے ہوگا۔یعنی اُس کا محرک بہرحال موجود ہے۔جبکہ وہ علوم جن کا تعلق خاص نبوت سے ہوتا ہے،اعلام الغیوب وہ علم انسان کو بغیر کسی جہد وسعی کے عطا کرتا ہے اور مسلسل عطا کرتا ہے حتیٰ کہ اُس کی منشا پوری ہو جائے۔انسانی علوم کی طرح اس کے لیے اُن وسائط کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہوتی جن کا انسان محتاج ہوتا ہے اسی امر کو شرع کی زبان میں وحی کہا جاتا ہے،علم کلام کی اصطلاح میں ملکہ نبوت اور عام محاورے میں اسی کو علم غیب کہا جاتا ہے۔

البتہ اہل نقل نے اِن اصطلاحات سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ وحی کی صورت نہیں بلکہ وحی اسی امر کو کہا جائے گا جس میں اللہ تعالیٰ انبیاء ورسل کو وقتاً فوقتاً اپنے احکامات اور ارادوں سے باخبر رکھتا ہے۔یہاں اس اختلاف کا جو منشا سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ آیا یہ وحی خود پیغمبر کے مافوق الفطری اور غیر معمولی وہبی علم وفہم کا نتیجہ ہوتی ہے یا خود براہ راست تعلیم ربانی کا نتیجہ ہوتی ہے۔اس لیے کہ جس طرح عام انسانوں میں علم وفہم کی قوت آغازِ پیدائش سے ہی فطرۃً ودیعت کر دی جاتی ہے کیا اسی طرح انبیاء میں منشائے الٰہی جاننے کی قوت روز اول ہی سے ودیعت کر دی جاتی ہے یا یہ کہ وہ فطرۃً تو عام آدمی کا طبعی علم وفہم رکھتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نبوت کے بعد اپنے منشائے الٰہی سے اُن کو کسی غیبی قوت کے ذریعے سے آگاہ کرتا ہے۔اصل واقعہ یہ ہے کہ حقیقت عقل کی نقل سے اور نقل کی عقل سے علیحدگی میں نہیں ہے بلکہ اتحاد میں ہے وہ لوگ جو عقل ونقل دونوں کے جامع ہیں وہ اِن دونوں کے الحاق کے متمنی ہیں اور کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اِن امور سے متعلق جن کا تعلق دین سے ہو روز اول سے وہ اِن کی کلی استعداد اور فہم رکھتے ہیں جس سے غیر انبیاء محروم ہوتے ہیں۔تاہم اس پوشیدہ قوت کا عملی ظہور اُس وقت شروع

ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ اِن کے سر پہ تاج نبوت رکھتا ہے اور اسی کا نام ملکہ نبوت ہے۔ اہم امور دین کے متعلق جو غیبی اطلاعات اُن کو وقتاً فوقتاً فراہم کی جاتی ہیں اُس کو وحی کیا جائے گا۔ چنانچہ عقل ونقل کی اس بحث سے دو نقطہ ہائے نظر سامنے آئے عقل کے مدعیوں اور نقل کے لفظی پابندوں میں جو اختلاف رونما ہوا ہے اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ بعض لوگوں نے اِن دو قوتوں کے درمیان تمیز کرنے میں ٹھوکر کھائی ہے۔

نقل کے لفظی پابند یہ سمجھتے ہیں کہ ہر وہ لفظ جو نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے ادا ہوا اس کا اتباع ایسے ہی ضروری ہے جیسے کہ قرآن کی پیروی امت پہ فرض کی گئی ہے اور یہ کہ نبی اکرم ﷺ کی ہر بات جو آپ ﷺ کے منہ سے نکلی ہے وہ براہ راست خدا کی طرف سے غیبی وحی ہے مگر عقل کے مدعی یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے جو آنحضرت محمد ﷺ پہ اتاری گئی اور وہی دراصل وحی ہے جس کا اتباع امت پہ فرض کیا گیا ہے اس کے ماسوا جو کچھ بھی ہے اور جو کچھ بھی رسول اللہ ﷺ نے کہا ہے وہ وحی نہیں ہے بلکہ انسانی وبشری علم وفہم کا نتیجہ ہے۔

تاہم حقیقت اِن دونوں کے درمیان کہیں پوشیدہ ہے اس لیے کہ انسان جب بھی کسی معاملے میں انتہا پسند ہو کے سوچتا ہے تب وہ کسی نتیجے پہ پہنچنے کی بجائے ضد کی اُس اندھی راہ پہ جا نکلتا ہے جہاں بات اور بھی بگڑ جاتی ہے بلکہ بعض اوقات تو انسان کو اُس کی ایسی ہی عادات خالق کے در سے بھی دور لے جاتی ہیں اس معاملے میں ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ جس طرح قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی وحی ہے اسی طرح آپ ﷺ کی ہر وہ بات جسے آپ ﷺ نے دین بتایا ہے وہ بھی اسی طرح وحی ہے اور نبی اکرم ﷺ کے احکامات انسانی وبشری علم وفہم کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ اُن کا ماخذ بھی پیغمبرانہ وہبی قوتِ علم وفہم ہے اس لیے اسے بھی علماء متاخرین نے وحی ہی قرار دیا ہے۔ یا یوں کہہ لیں کہ انبیاء رسل کو جو علم حاصل ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں ایک وحی حقیقی جو دراصل مختلف اوقات میں خاص الفاظ کی صورت میں اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً خاص مواقع پہ اپنے فرشتے کے ذریعے انبیاء ورسل پہ اتارتا ہے اور اسی وحی کے مجموعے کو کتاب الٰہی صحیفہ ربانی، توراۃ، زبور وانجیل اور قرآن کا نام دیا گیا ہے اور انبیاء ورسل کا دوسرا علم وہ ہے جو پیغمبر کے ملکہ نبوت، نورِ نبوت یا فہم نبوت کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ پیغمبر کا پہلا علم اصلی اور دوسرا فروعی ہے یعنی علم اول میں پیغمبر پر شریعت کے غیر متبدل اور ازلی احکام کلیہ اور مہمات کو واضح کیا جاتا ہے اور دوسرا علم پہلے علم کے غیر متبدل کلی اصول کے ماتحت اُس کے مقصود کی تشریح اور اُس کی جزیات کی ضروری تفصیل فراہم کرتا ہے وہ

غیر اہم اور متبدل امور کے متعلق ہنگامی اوقات میں مصلحتی احکام بتاتا ہے اور یہی وہ علم ہے جو روایات اور احادیث کی صورت میں امت کو منتقل ہوا اور اسی علم کو اہل اصول سنت کہتے ہیں۔ چنانچہ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ کتاب میں اصولی احکام درج کیے گئے ہیں اور سنت انھیں اصولی احکام کی عملی تشریح کا بیان ہے۔ کتاب براہ راست وحی الٰہی کا نتیجہ ہے اور سنت ملکہ نبوت اور فہم نبوی کا نتیجہ ہے۔ کتاب بلفظ وحی ہے تو سنت بالمعنی وحی ہے۔ اس الجھن کا یہی بہترین اور اصولی حل ہے اس لیے کہ عقل ونقل کی بحث ایک الجھی ہوئی اور نا قابل فہم بحث ہے جس میں علمائے متقدمین نے طویل بحثیں کی ہیں تاہم وہ ہمارے موضوع سے غیر متعلق ہیں اس لیے ہم نے صرف نظر سے کام لیا ہے اور اصولی حقیقت کے کو بیان کر دینے پر اکتفاء کیا ہے۔ علوم الانبیاء میں حکمت کو بھی ایک خاص درجہ حاصل ہے۔ آئمہ لغت اور علمائے قرآن نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالٰی کی طرف سے اپنے انبیاء کو اس خاص حکمت سے نوازا جاتا ہے جس سے عام آدمی واقف نہیں ہوتے اور صحیح بات یہ ہے کہ حکمت دراصل احکام الٰہی کے علم کو جاننے کا نام ہے جو رسولوں کو اس لیے عطا کیا جاتا ہے تاکہ وہ احکام الٰہی کو سمجھ سکے اور اُن کی تشریح کر سکیں۔

چنانچہ حکمت کے بارے میں امام شافعیؒ نے فرمایا کہ!

> حکمت تو دراصل نبی اکرم ﷺ کی وہ سنت ہے یا آپ کا وہ عمل ہے جو خدا کی طرف سے آپ ﷺ کے دل میں ڈال دیا گیا تھا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

امام مالکؒ نے حکمت کے بارے میں فرمایا کہ!

> حکمت دین میں سمجھ اور اُس فہم کو کہتے ہیں جو ایک فطری ملکہ اور خالق کی طرف سے خاص عطا ہے"۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ دیگر ربانی استعدادوں اور فطری عطاؤں کی طرح حکمت بھی خالق کی ایک عطا

ہے مگر اس عطا میں سے سب کو یکساں حصہ نہیں دیا گیا بلکہ حسب استعداد معمولی حکمت سے لے کر اعلیٰ ترین اور کامل ترین حکمت تک لوگوں کو عطا ہوتی ہے اس کے مختلف درجے اور مرتبے عام انسانوں کو ملتے ہیں مگر اس کا اعلیٰ اور کامل ترین درجہ صرف اللہ کے چنیدہ بندوں یعنی انبیاء ورسل کو ہی حاصل ہوتا ہے اور قرآن حکیم بھی اسی استدلال کی تصدیق کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ!

”كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ O

القرآن الحکیم (سورۃ بقرہ ۲ ؛ ۱۵۱)

ترجمہ؛

جس طرح ہم نے تم میں تمھیں میں سے ایک رسول بھیجا جو تم کو ہماری آیتیں پڑھ کے سناتا ہے اور تم کو سنوارتا ہے اور تم کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے مگر تم ہو کہ جانتے نہیں“۔

❖ ❖ ❖

مضرابِ دل اور دستِ شافی

انبیاء ورسل اور فاتحین میں جو فرق بیان کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ فاتحین ملک فتح کرتے ہیں اور انبیاء ورسل اُس ملک کے لوگوں کا دل فتح کرتے ہیں۔اسی لیے جب مفتوحین کو موقع ملتا ہے تو وہ فاتح کی جان لینے کے درپے ہو جاتے ہیں مگر جب اُن کو اللہ کے کسی رسول کا سامنا کرنا پڑے تو وہ اس کے آگے اپنا دل ہار جاتے ہیں اور تب اپنی جان تک اُس پہ نچھاور کر دیتے ہیں اور یہی وہ فرق ہے جس کی بنا پہ فاتحین کا نام تاریخ کی راکھ میں گم ہو جاتا ہے جب کہ انبیاء ورسل کے پیروکار رہتی دنیا تک باقی رہتے ہیں۔انبیاء مضراب دل کے لرزتے تاروں پہ اس ملائمت سے ہاتھ رکھتے ہیں کہ اس کے بعد انسان کا دین اور دنیا بدل کے رہ جاتی ہے۔پیغمبر کے تصرفات اور علم کی کوئی حد نہیں اور پیغمبر کے پیروں کی وفا کی بھی کوئی حد نہیں ۔اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے انسان کا قلب ہی انسان کی راہیں متعین کرتا ہے۔چنانچہ دل کی منزل اور دل کی منشا ہی انسان کی زندگی کا تعین کرتی ہے۔اس لیے انبیاء اپنے علم اور ارفع اخلاق کی بنا پر انسان کے دل کو فتح کرتے ہیں اور اس کی چوٹی پہ اپنے الہام عقائد اور تصور زندگی کا علم نصب کرتے ہیں۔تاہم یہ

بات اتنی سیدھی اور آسان نہیں ہے کہ علم ریاضی کے کسی فارمولے کی طرح آسانی سے سمجھ میں آجائے۔ اس کے لیے انسان کی تخلیق سے لے کر کائنات میں اُس کے متعین کردار تک اور کائنات میں دوسری تمام مخلوقات اور انسان کے باہمی ربط کو جاننے اور سمجھنے کی ضرورت ہے اس کے بعد ہی یہ امر واضح ہوتا ہے کہ انبیاء جس انقلاب کی بنیاد رکھتے ہیں اُس میں اُن کو یقینی کامیابی کس طرح حاصل ہوتی ہے۔

چنانچہ اللہ کی کائنات اور کائنات کی رونق کے ساتھ انسان کے باہمی تعلق پہ نگاہ تدبر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ دنیا کا ذرہ ذرہ جس غرض وغایت کے لیے پیدا کیا گیا ہے وہ اپنے ذاتی ارادہ اور قصد کے بغیر اس کو پورا کر رہا ہے اور خالق نے روزِ پیدائش اس کے ذمے جو فرض عائد کیا تھا جو حکم اس پہ اتارا تھا وہ اس کو بلا کسی چوں چرا کے پورا کر رہا ہے۔ آسمان سے لے کر زمین تک ہر چیز خالق کے حکم کے سامنے سر جھکائے اپنے اپنے کام میں محو ہے، آفتاب دنیا کو روشنی اور گرمی دینے پہ معمور ہے تو وہ ہر آن اور ہر لمحہ اپنے فرض کی ادائیگی میں مصروف ہے۔ اسی کے ذمہ زمین کو سرسبز اور شاداب رکھنا بھی ہے، ابر کے ذمہ زمین کی سیرابی اور گوہر باری ہے تو وہ اپنے کام کو پورے تیقن اور ایمان سے پورا کر رہے ہیں جس کی وجہ سے خطہ زمین پہ ہر طرف طرح طرح کے لذیذ پھل اور میوے پیدا ہو رہے ہیں۔

درخت پھل دینے میں لگے ہیں تو سمندر ہواؤں کا رخ مقرر کر رہے چاند اور ستارے آسمان کو زینت بخش رہے ہیں تو پہاڑ زمین کو توازن فراہم کر رہے ہیں، پگھلتے گلیشیر میدانوں کو ٹھنڈا پانی فراہم کر رہے ہیں اور اُن کے وجود سے نہروں اور دریاؤں کا وجود برقرار ہے، آسمان سے جھانکتا سورج اگر زمین کو گرم کر رہا ہے تو سمندر سے اٹھتے بادل زمین کو سیراب کرنے کی تیاری میں مگن ہیں تپتے صحراؤں میں اگر سانس رکنے لگتا ہے تو نخلستانوں کا وجود بھی خالق کی مہارت اور رحم پہ دلیل پیش کرتا ہے، کھیت گندم اُگا رہے ہیں تو درخت پھل اُگل رہے ہیں، ہوائیں تخم ریزی کر رہی ہیں تو جانور بھی اُن کاموں پہ مامور ہیں جس کا اُن کو حکم دیا گیا ہے۔ پرندے اگر اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی تسبیح میں مگن ہیں تو جمادات اور نباتات بھی اُس کے وجود سے نا آشنا نہیں، درخت جہاں سایہ فراہم کرتے ہیں وہیں وہ آکسیجن بھی پیدا کرتے ہیں اور کاربن ڈائی آکسائیڈ چوس لیتے ہیں۔ تاکہ انسان کو صاف ہوا میں سانس لینا نصیب ہو۔ اسی طرح مہیب اور وسیع سمندر بھی امرِ الٰہی کے تحت انسان کو راستہ دینے پہ مامور ہیں اور اسے دور دراز کی منزلوں تک پہنچاتے ہیں ۔کائنات کی وسعتوں میں جہاں تک نظر جاتی ہے اس کا ذرہ ذرہ اس بات پہ مامور نظر آتا ہے کہ وہ انسان کو

ہر طرح کی آسانی فراہم کرے۔تب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا انسان بھی اس دنیا میں کسی کام پہ مقرر ہو کے آیا ہے یا اِس کو بغیر کسی مقصد کے پیدا کر دیا گیا ہے؟ کیا اس کی ابتدا اور انتہا کسی مقررہ اہتمام کے تحت ہے یا اس کی پیدائش امر لغو ہے؟

مگر انسان کو اس بات سے حتمی اور فطری طور پہ آگاہ کر دیا گیا ہے کہ خالق کی ذات امر لغو سے ماوراء ہے۔ وہ ہر قسم کے عیب سے پاک ہے۔اس کے کسی کام کو عبث جاننا عقل انسانی کا خلل ہے۔چنانچہ اگر ہم انسان کی ذات کو غور سے دیکھیں تو ہم جانیں گے کہ انسان بظاہر کھاتا، پیتا، اٹھتا، بیٹھتا، سوتا جاگتا، چلتا پھرتا زندگی گذارتا ہے اور پھر مر جاتا ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اُس کی زندگی کا مقصد بس اسی قدر ہے کہ وہ کھائے پئے بوڑھا ہو اور مر جائے؟ اگر انسان کی زندگی کا مقصد بس اسی قدر ہے تب اُس میں اور ایک حیوان میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟ پھر اِس کو عقل عطا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہی سوال قرآن پاک بھی انسان سے کرتا ہے اور بجا طور پہ کرتا ہے کہ؛

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ المومنون ۲۳ ؛ ۱۱۵)

”کیا تم یہ گمان کرتے ہو ہم نے تم کو بیکار پیدا کیا ہے“

❖❖❖❖❖❖❖❖

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ؛

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ قیامہ ۷۵۔۳۶)

کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اُس کو بس یونہی چھوڑ دیا جائے گا“۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

مندرجہ بالا آیات میں صرف اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ انسان کو بس یونہی بلا مقصد پیدا نہیں کیا گیا۔مگر وہ مقصد کیا ہے اس کو جاننا ہنوز ابھی باقی ہے اور یہ بات بھی سمجھنے کے قابل ہے کہ انسان کی پوری ہستی اگر کائنات سے مٹ جائے تب بھی آفتاب اسی طرح چمکتا رہے گا،سمندر اسی طرح ابلتے رہیں گے،ہوائیں اسی طرح چلتی رہیں گی ابر اسی طرح برستے رہیں گے،سبزہ اسی طرح اگتا رہے گا،آبشاریں اسی طرح بہتی رہیں گی،قوس قزح اپنے رنگ سر آسمان اسی طرح بکھیرتی رہے گی پہاڑ اسی طرح ایستادہ رہیں گے،صحرا میں بگولے پہلے کی طرح آوارہ پھرتے رہیں گے،صحراؤں کے درمیان نخلستان اسی طرح اپنی خنکی سے مہکتے رہیں گے،ستارے اپنی جگہ روشن رہیں گے چاہے کوئی اُن سے راہنمائی حاصل کرے یا نہ کرے اُن کو اس سے کوئی غرض نہیں۔

اسی طرح دریاؤں کی روانی میں کوئی فرق آئے گا،نہ سمندروں کی طغیانی میں فرق آئے گا،نہ چاند کی چمک کم ہوگی نہ سورج کی روشنی میں کوئی کمی ہوگی،نہ ہواؤں کے لشکر اڑنے سے رکیں گے لیکن اس کے برعکس اگر انسان زندہ اور موجود رہے مگر کائنات کی دوسری مخلوقات جمادات اور نباتات کسی تغیر کی زد میں آجائیں تب کیا حضرت انسان اس دنیا میں سانس لینے کے قابل بچے گا یا نہیں۔یعنی اگر درخت پھل دینا روک دیں سمندر خشک ہوجائیں سورج ٹھنڈا ہوجائے تب کیا ہوگا۔اگر زمین گندم سبزیاں اور پھل اگانے سے انکاری ہوجائے تب انسان کی زندگی معرض خطر میں پڑ جائے،اگر ہوا نہ چلے تو انسان سانس گھٹ کے مر جائے،اگر زمین نہ ہو تو انسان کو کھڑا ہونے کی جگہ نہ ملے،اگر آفتاب نہ چمکے تو انسان کی ہستی کا چراغ فوراً ہی بجھ جائے،اگر ابر نہ برسے تو انسان پیاس سے مر جائے،اگر سمندر خشک ہوجائے تو ابر کہاں سے برسیں،چنانچہ اس بحث سے ثابت ہوا کہ دنیا کی کوئی ہستی انسان کے وجود کی محتاج نہیں مگر انسان اپنے وجود کی بقاء کے لیے کارخانہ ہستی کے ایک ایک پرزے کا محتاج ہے حاجت مند ہے۔

اس سے یہ امر ثابت ہورہا ہے کہ کائنات کا ہر پرزہ اس کام واہتمام میں مصروف کار ہے کہ حضرت انسان کا وجود باقی رہے اور وہ اپنے مقصود تک سفر جاری رکھے۔چنانچہ اب ہم اس نتیجے تک کہ پہنچے ہیں کہ کارخانہ حیات میں تمام مخلوقات کو یہ غرض سونپی گئی ہے کہ وہ انسان کے وجود کی بقاء میں اس کی معاونت کرے۔جب تمام مخلوقات کا مقصد وغایت انسانی وجود کی بقا ہے تب انسانی وجود کا مقصد وغایت دیگر موجودات کے اغراض ومقاصد سے ارفع اور اعلیٰ ہونا چاہیے اور یہی حقیقت ہے جس تک ہم پہنچنے کی

کوشش کر رہے ہیں۔ چنانچہ جمادات اور نباتات کے متعلق تو اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مقدس میں فرماتے ہیں کہ؛

"اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہ سَخَّرَ لَکُمْ مَا فِی الْاَرْضِ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ الحج ۲۲ ؛ آیت ٦٥)

اے انسان! کیا تم نے غور نہیں کیا کہ زمین میں جو کچھ بھی ہے ہم نے اس کو تمھاری خدمت پہ لگا رکھا ہے"۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

ایک جگہ اور ارشاد ہوتا ہے کہ؛

"ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَا فِیْ الْاَرْضِ جَمِیْعًا

القرآن الحکیم (سورۃ بقرۃ ۲ ؛ ۲۹)

"اُسی نے تمھارے (انسانوں) کے لیے وہ سب پیدا کیا ہے جو زمین میں ہے"۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

زمین کے بعد آسمانوں کی نسبت بھی اعلان کیا گیا کہ؛

"وَسَخَّرَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَا لنُّجُوْمُ مُسَخَّرَات" بِاَمْرِہٖ ؕ

القرآن الحکیم (سورۃ نحل ۱۴ ؛ آیت ۱۳)

"اے انسانو! اس نے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو تمھارے کام میں لگایا ہوا ہے اور ستارے بھی اس کے حکم سے تمھارے کام میں لگے ہیں"۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

چنانچہ کائنات پہ اگر غور کیا جائے تو دو ہی ہستیاں واضح طور پہ نظر آتی ہیں ایک تو خالق ہے اور باقی سب اُس کی مخلوقات ہیں۔خالق تو خیر خالق ہے اور اس کی صفت خلق کی نسبت سے ہی کائنات میں ہر جگہ رونق نظر آ تی ہے۔تاہم مخلوقات پہ نگاہ تدبر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی ہر ادنیٰ صنف اپنے سے اعلیٰ صنف کے کام آ رہی ہے جیسے کہ جمادات نباتات کے کام آ رہے ہیں تو نباتات حیوانات کے کام آ رہے ہیں اور پھر سب یعنی جمادات،نباتات اور حیوانات مل کر انسان کے کام آ رہے ہیں تو آخر انسان کو بھی تو اپنے سے اعلیٰ کسی ہستی کے کام آنا چاہیے۔اب اللہ کی پیدا کی ہوئی مخلوقات میں سے تو انسان سے اعلیٰ اور کوئی مخلوق ہے ہی نہیں اس لیے لامحالہ انسان کی تخلیق خود خالق کی رضا حاصل کرنے کے لیے کی گئی ہے اور یہی وہ حقیقت ہے جس تک ہم پہنچنا چاہتے تھے اسی حقیقت کو قرآن میں انسانی زندگی کا مقصد بتایا گیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ؛

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ۝

القرآن الحکیم (سورۃ ذاریات ۵۱ ؛ آیت۵۶)

”جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا گیا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں“۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اِن آیات سے یہ مفہوم سمجھ میں آتا ہے کہ اگر کائنات کی ساری مخلوقات کی زندگی انسان کے وجود کو دوآم فراہم کرنے کے لیے صرف ہو رہی ہے تو انسان کی زندگی خود اس کے لیے نہیں بلکہ اُس خالق کے لیے وقف ہونی چاہیے جس نے اس کے لیے اس قدر اہتمام کیا ہے کہ نظریں حیرت سے جھک جاتی ہیں ۔اللہ تعالیٰ کے انسان پہ دیگر احسانات کے علاوہ جو سب سے بڑا احسان ہے وہ عقل کی عطا ہے،ارادہ کی آزادی ہے،جس سے کام لے کر انسان اپنی زندگی کی راہیں متعین کرتا ہے جس کی بنا پہ وہ خود کو اس قابل پاتا ہے کہ اپنے خالق کو پہچان سکے،اپنے خالق کے احسانات کو جان سکے،اُس کے ترحم سے واقف ہو سکے ۔چنانچہ عقل وفہم اور ارادہ واختیار کے حوالے سے متکلمین نے اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کو تین حصوں میں منقسم کیا ہے جن کو ذیل میں بیان کیا جا رہا ہے۔

◄◄ اللہ کی وہ مخلوقات جو عقل وفہم اور ارادہ کی صفات سے محروم ہیں جیسا کہ آفتاب مہتاب، زمین، مٹی پانی پتھر پھل پھول اور درخت وغیرہ۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

◄◄ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ دوسری مخلوق وہ ہے جو صرف ابتدائی احساس اور علم وفہم رکھتی ہے مگر اُن کو عقل وحرکت سے صرف اتنا ہی حصہ دیا گیا جتنا کہ اُن کی زندگی کے لیے ضروری تھا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

◄◄ اور اللہ کی تیسری مخلوق سب سے اعلیٰ ہے وہ عقل وادراک رکھتی ہے قیاس وتمثیل کی قوت رکھتی ہے، وہ کلیات سے جزیات بناتی ہے اور کلیات سے جزیات پہ حکم لگاتی ہے۔ وہ بدیہیات سے نظریات تک پہنچتی ہے اور غائب کو حاضر پہ قیاس کرتی ہے اور کائنات کو نگاہ تدبر سے دیکھتی ہے پھر کسی نتیجے پہ پہنچنے کی کوشش کرتی ہے اور اسی پہ خیر اور شر کا قانون لاگو ہوگا اس لیے کہ اللہ کی باقی مخلوقات کی نسبت اس پہ زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور یہ حضرت انسان ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

چنانچہ اس بات کو یوں سمجھیں کہ اللہ کی مخلوقات کی جو تقسیم اوپر پیش کی گئی ہے اُن میں سے پہلی قسم کی مخلوقات سے جو حرکات واثرات پیدا ہوتے ہیں وہ اضطراری اور غیر ارادی ہوتے ہیں اور اُن میں شاذ ہی تخلف پایا جاتا ہے اسی لیے اُن کی حرکات واثرات کو فطری آثار یا طبعی خصائص کہا جاتا ہے جن کا صدور اِن مخلوقات سے ہمیشہ ایک سا اور بلا ارادہ سرزد ہوتا رہتا ہے۔ یہ حرکات اگرچہ ارادہ احساس اور ابتدائی فہم کے ماتحت صادر ہوتی ہیں مگر اُن کی صنف کے ہر فرد سے صرف ایک ہی قسم کی حرکات افعال اور آثار یکساں طور پہ ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور اُن میں اختلاف کی گنجائش نہ ہونے کے برابر ہے۔ جیسا کہ سورج کا روز نکلنا اور رات کا روز آنا۔ اِن اجسام کے افعال وحرکات اور اثرات کو ہی متکلمین نے فطرت طبیعت اور جبلت کا

نام دیا ہے اور اُن کے صدور میں بھی یہ اجسام اپنی فطرت اور طبیعت کے تقاضے سے مجبور ہیں۔ جیسے کہ حیوانات کے افعال اور اُن کی مختلف انواع کے الگ الگ نوعی افعال جو قیامت تک یکساں ہی رہنے والے ہیں۔ جیسے کہ شیر کا گوشت کھانا اور بکری کا گھاس کھانا وغیرہ۔ اِن انواع کی حرکات و افعال کسی غایت اور انجام مآل کے بغیر جبلت کے تقاضوں کے تحت صادر ہوتے رہتے ہیں۔ اللہ کی تیسری مخلوق کے بعض افعال گو طبیعت اور جبلت کے مطابق ہوتے ہیں مگر اس کے اکثر افعال و حرکات تمام تر اُس کے ارادہ و اختیار اور فہم سے صادر ہوتے ہیں۔

صرف یہی آخری قسم کے وہ افعال ہیں جن پہ خیر و شر اور نیک و بد کا حکم جاری ہوتا ہے اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کے تمام عاقلانہ کام عاقبت بینی، انجام اور مآل کار کو خیال میں رکھ کر صادر ہوتے ہیں جس کی وجہ سے اُس کی ذمہ داری کا سوال اٹھتا ہے۔ چنانچہ بتایا گیا کہ جن و انس کے علاوہ دوسری تمام مخلوقات خیر و شر کی ذمہ داری سے بری ہیں۔ اس لیے کہ جمادات اور نباتات کی ہر حرکت تمام تر مجبورانہ بلا ارادہ اور فکر و انجام سے ماوٗرا ہوتی ہے۔ یا یوں کہہ لیں کہ اُن کے افعال و حرکات اُن احکام کے ماتحت ہوتے ہیں جو اُن کی فطرت میں روز اول سے ودیعت کر دیئے گئے ہیں۔ اس کے بعد حیوانات کا درجہ ہے۔ تو حیوانات اس ذمہ داری سے اس لیے بری ہیں کہ اُن کے افعال تمام تر جبلی و طبیعی ہیں اور انجام کے تصور سے خالی ہیں۔ کیونکہ اُن کی ہر حرکت اضطراری ہے کوئی سوچا سمجھا منصوبہ نہیں اس لیے وہ اپنے عمل کے بدلے میں کسی سرزنش سے بری ہیں کہ اُن کی حرکات متعین اور مثبت ہیں اور اللہ کے فرشتے بھی اس ضمن میں اس تکلیف سے سبکدوش ہیں کیونکہ وہ بھی اپنی خلقت اور جبلت کے اعتبار سے اطاعت پہ مجبور ہیں۔ اس لیے اُن سے عصیان سرزد نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ اب صرف انسان باقی رہ جاتا ہے جو ایک طرف تو اللہ کی سب سے برتر مخلوق ہے تو دوسری طرف اپنے ہر عمل کے لیے خالق کے سامنے جواب دہ بھی ہے۔ کیونکہ اُس کی حرکات و افعال جبلت و طبیعت کے ماتحت نہیں بلکہ خود اُس کی عقل کے ماتحت ہوتی ہیں۔ انسان کو ارادہ و اختیار میں آزادی عطا کی گئی ہے۔ اُسے علم و عقل سے نوازا گیا ہے اسے نیکی و بدی خیر و شر میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کی آزادی عطا کی گئی ہے۔ چنانچہ اس کی یہ آزادی جب اسے گمراہی کی راہوں کی جانب لے نکلتی ہے تو اللہ کے پیغمبر اللہ کے بندوں کو سیدھی راہ دکھانے کے لیے اترتے ہیں۔ وہ لوگوں کے دل فتح کرتے ہیں اور اُن کو اللہ

کی طرف سے عطا کی گئی روشنی سے بھر دیتے ہیں۔ وہ انسان کی اندھیری راہوں میں کتاب وحکمت کے وہ چراغ روشن کرتے ہیں کہ انسان کے قدم بہ خوشی اُن راہوں پہ اٹھنے کو تیار ہو جاتے ہیں جو اُن کے لیے اُن کے راہبر نے متعین کی ہوں۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو بارہا اس امر سے آگاہ کیا ہے کہ انسان کے سوا کائنات کی کسی مخلوق نے کبھی خالق کے وجود کا انکار نہیں کیا۔ خالق کی اطاعت سے منہ نہیں موڑا۔ خالق کی تسبیح سے کبھی نہیں اکتائے۔

چنانچہ کتاب اللہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

”وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ O

القرآن الحکیم (سورۃ النحل ۱۶ ؛ آیت ۵۰)

ترجمہ:

”اور خدا ہی کے آگے سر جھکاتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں یا جو زمین میں ہیں جانداروں میں سے اور فرشتے وہ کبھی سرکشی نہیں کرتے اور اپنے دل میں پروردگار کا خوف رکھتے ہیں اور وہی کرتے ہیں جس کا اُن کو حکم دیا جاتا ہے“۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

فطری وحی اور اطاعت الٰہی کے بارے میں مزید ارشاد ہوا کہ!

”وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِىْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ثُمَّ كُلِىْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِىْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا O

القرآن الحکیم (سورۃ النحل ۱۶ ؛ آیت ۶۸)

ترجمہ:

”اور تیرے پروردگار نے شہد کی مکھیوں پہ وحی بھیجی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور جہاں

چھت ڈالتے ہیں اپنے لیے گھر بنالے پھر ہر پھل میں سے کھا پھر اپنے پروردگار کی راہوں پہ (احکام) پہ چل کر مطیع ہو کر"۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

ذیل میں پیش کی جانے والی آیات میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ کی وہ مخلوقات جو اُس کی اطاعت پہ مجبور ہیں اور فطرت کے تابع ہیں اُن کی اسی فطرت کو اطاعت یا پیروی کا نام دیا گیا اور یہی اُن کی عبادت ہے یہی اُن کی نماز ہے یہی اُن کی تسبیح ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ؛

" اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ النور ۲۴ ؛ آیت ۴۱)

ترجمہ؛

"کیا تو دیکھتا نہیں کہ آسمان وزمین میں جو کوئی ہے اور وہ اڑتے جانور پر کھولے اس کی حمد و ثنا کرتے ہیں ہر ایک نے جان رکھی ہے اپنی طرح کی نماز اور اس کی پاکی کی یاد اور خدا کو معلوم ہے جو وہ کرتے ہیں"۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

تاہم جیسا کہ اوپر کیے گئے مباحث میں اس بات کا تذکرہ کا موجود ہے کہ انسان کا معاملہ کائنات کی دوسری تمام مخلوقات سے مختلف ہے اس لیے کہ انسان کو ارادۂ واختیار کی آزادی عطا کی گئی ہے اور چونکہ انسان پوری طرح بیدار اور کارفرما ہے اس لیے اُس کے عمل کا دائرہ بھی انتہائی وسیع ہے۔ اس کا ہر عمل سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق اور انجام کا خیال رکھ کے طے کیا جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اُس پہ اپنی امانت اتارنے کا فیصلہ کیا تاکہ دیکھے کہ انسان اُس کی امانت کا حق ادا کرتا ہے یا کہ

اُس سے انحراف کی راہ اختیار کرتا ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا کہ؛

''اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ''۔

القرآن الحکیم (سورۃ الاحزاب ۳۳ ؛ آیت۷۲)

ترجمہ؛

''ہم نے اپنی امانت آسمانوں پر اور زمین پر پہاڑوں پر پیش کی مگر انھوں نے انکار کیا اور اس سے ڈرے مگر انسان نے اس امانت کو قبول کر لیا''۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

چنانچہ یہ بھاری امانت انسان نے اٹھالی جس میں خیر و شر کا فرق بیان کیا گیا ہے، شر سے بچنے اور نیکی کی طرف راغب ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس امانت کی تشریح کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے درمیان اپنے برگزیدہ بندوں کو بھیجا جنھوں نے انسان کو اُس ابدی فلاح کی طرف دعوت دی جس میں انسان کی فلاح مضمر تھی۔ مگر اللہ کی اطاعت اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ انسان اللہ کے احکام واوامر سے آگاہ نہ ہو۔ چنانچہ اللہ کے انبیاء ورسل انسان کو اللہ تعالیٰ کی مرضی ومنشا سے آگاہ کرتے چلے آئے ہیں۔ مگر ایک حقیقت یہ بھی ذہن میں رہے کہ کائنات کے صحیفہ کا تدریجی مطالعہ کرنے سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ جمادات نباتات اور حیوانات وغیرہ میں سے جس مخلوق میں احساس ارادۂ واختیار کی جس قدر کمی ہوگی وہ اسی قدر فطرت یا قدرت کے زیادہ قریب ہوگا، زیادہ مطیع ہوگا اور مخلوقات عالم میں جس قدر احساس اور اختیار کا دائرہ بڑھتا جائے گا اسی قدر معلم فطرت اپنے فرائض سے کنارہ کش ہوتا جائے گا۔ اسی وجہ سے ذی ارادۂ مخلوقات میں احساس جبلت اور فطرت کی حکومت کا دائرہ تنگ ہوتا جاتا ہے تو وہاں احساس اور ارادۂ کی حکومت قائم ہو جاتی ہے انسانی حرکات واعمال کی باگ دوڑ فطرت اور جبلت کے مجبور ہاتھوں سے نکل کر ارادۂ اور اختیار کے کمزور اور ہر آن بدل جانے والے ہاتھوں میں آتی جاتی ہے اور انسان اسی

ارادہ اور اختیار کے غلط استعمال کی بنا پہ راہ راست سے ہٹتا چلا جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ وہ حدِ اعتدال سے بھی نکل جاتا ہے اور اس امانت کی ذمہ داری کو بھی بھول جاتا ہے جس کو اس نے اپنی روایتی لاپرواہی سے اپنے کندھوں پہ اٹھالیا تھا۔ اب اگر انسان کے ارادہ پہ نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا انسان کو اس کی گمراہی پہ ڈالنے والا سب سے بڑا محرک اس کی خواہش اور تمنا ہے جو اس کے دل میں جنم لیتی ہے۔ اُس کا دماغ انسان پہ اُس کی خواہش کے مضمرات پیش کرتا ہے مگر انسان سنی ان سنی کر دیتا ہے اور وہی کرتا ہے جو اس کا دل چاہتا ہے۔

مذہب کی زبان میں ارادہ واختیار کے مرکز کو قلب کہا گیا ہے جو انسان کے سر سے لے کر اس کے پاؤں تک اس کی رگ رگ اور ریشے ریشے پہ حکمرانی کرتا ہے اور انسان کے جسم پہ اس کے اندرونی عالم کی آواز ہی غالب رہتی ہے جو اس کے دل سے آتی ہے جو اس کی خواہش و آرزو ہوتی ہے۔ متکلمین نے اسی کو نفس کہا ہے۔ تو انسان نفس کی آواز کو ضمیر کی آواز پہ مقدم کرتا ہے۔ تب اس کی راہ میں اندھیرے در آتے ہیں اور اس کی منزل کھو جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ کے انبیاء و رسل اسی دل کے نظام کی درستگی کے لیے آتے ہیں جب انسان اللہ کے پیغمبر کی اطاعت کو قبول کر لیتا ہے اُس کی بات کو غور سے سنتا ہے تب اُس کا دل درست سمت کو اختیار کر لیتا اور اُس کی اندھیری راہیں روشن ہو جاتی ہیں، منزل کے خدوخال اُس پہ واضح ہونا شروع جاتے ہیں، پیغمبر انسان کی روحانی زندگی کی تعمیر کرتا ہے جب کہ اُس کی مادی زندگی کی تعمیر کے لیے اللہ تعالیٰ نے اُس کو عقل فراہم کی ہے۔

چونکہ انسان کو اپنے وجود کی بقاء ترقی تعمیر اور تکمیل کے لیے ہر منزل ہر قدم پہ ہزاروں چیزوں کی احتیاج ہوتی ہے اور اِن چیزوں کے مہیا کرنے اور تیار کرنے کے لیے ہر انسان میں الگ الگ استعداد و قوت رکھی گئی ہے۔ علماء نے کہا کہ مادی استعداد و قوت فیاض قدرت کی طرف سے انسان کو پیدائش بلکہ پیدائش سے بھی پہلے جب وہ عالم آب و گل میں تھا تب ودیعت کی گئی۔ یہی سبب ہے کہ ہر انسان میں معاشرے یا سماج کی مادی تعمیر کا الگ الگ رجحان پایا جاتا ہے۔ کسی کو سیاست سے دلچسپی ہے تو کسی کو شعر و ادب سے۔ کسی کو کاریگر بنانا پسند ہے تو کوئی ماہر تعمیرات بنا چاہتا ہے۔ اسی طرح انسان نے اپنے مادی سماج کی تعمیر کی۔ چنانچہ مادی نقطہ نظر سے بھی ترقی و ترویج حاصل کرنے کے لیے مختلف انسانی گروہ اپنا اپنا کردار ادا کرتے ہیں اور اِن میں قوت و استعداد کے بھی مختلف مدارج پائے جاتے ہیں۔ بعض لوگ ایسے ہوتے

ہیں جو اپنے ڈرائنگ روم میں اپنے کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ کر کسی بڑی عمارت کے خدوخال کو واضح کرتے ہیں۔اُن کا علم اور اُن کی مہارت مل کے ایک عمدہ عمارت کو ڈیزائن کرتے ہیں لیکن وہ اس عمدہ عمارت کو بنانے پہ قادر نہیں ہوتے اس لیے کہ یہ اُن کا کام ہی نہیں یہ تو معمار کا کام ہے کہ وہ اس کی ہدایات کو نظر میں رکھتے ہوئے تعمیر کرتا چلا جائے۔جب وہ بلند و بالا عمارت تعمیر ہو جائے گی تب اسے کسی ایک شخص کا کارنامہ تصور نہیں کیا جائے گا بلکہ اُس عمارت کے چیف انجینئر سے لے کر اینٹ اٹھانے والے تک ہر شخص کا ٹیم ورک قرار دیا جائے گا۔چنانچہ لوگوں میں کچھ لوگ بہت چابکدست ہوتے ہیں، ذہین ہوتے ہیں ،معاملہ فہمی اور رائے میں پختہ ہوتے ہیں،جبکہ کئی دوسرے اِن خوبیوں سے عاری اور تسائل پسند ہوتے ہیں اس لیے سماج اُن کو مختلف طبقوں میں منقسم کر دیتا ہے اور یہی اُن کی پہچان بن جاتی ہے۔

اس طرح جو لوگ اپنے فن میں پختگی اور مہارت تک نہیں پہنچتے زمانہ اُن کو زیادہ دن تک یاد نہیں رکھتا۔انھی میں سے کچھ لوگ جب کمال فن کی معراج حاصل کرتے ہیں تو مدتوں اُن کی نہ صرف تقلید کی جاتی ہے بلکہ اُن کو اچھے لفظوں میں یاد بھی رکھا جاتا ہے۔چنانچہ انھیں میں سے کچھ لوگ کاشتکاری کرتے ہیں، کچھ کپڑا بناتے ہیں، کچھ برتن بناتے ہیں کچھ مکان بناتے ہیں، کچھ ہتھیار بناتے ہیں غرض زندگی کے ہر شعبے میں مادی تہذیب کی تکمیل ہوتی چلی جاتی ہے۔تاہم مادی زندگی کی تکمیل کے بعد بھی انسان کی تکمیل نہیں ہوتی اس لیے کہ انسان تو روح اور مادے سے مرکب ہے۔مادی تکمیل کے بعد اُس کی روحانی تکمیل کا مرحلہ آتا ہے۔انسان اپنی مادی تکمیل کی طرح روحانی تکمیل خود سے اپنی عقل کے سہارے نہیں کر سکتا بلکہ اس کے لیے لامحالہ اُس کو خالق کی ہدایات کے تابع ہونا پڑتا ہے اور اللہ کے پیغمبر اُس کی اسی روحانی تشنگی کو دور کرنے پہ مامور کیے جاتے ہیں۔

جو اُس کو اصولِ تمدن، طریقہ معاشرت، آئین عدل و انصاف، اخلاق حسنہ اور دین و تقوی کی تعلیم دیتا ہے۔اِن تمام چیزوں کے مجموعے کو متکلمین نے تہذیب و تمدن اور علماء نے شریعت کہا ہے۔چنانچہ جب جب آدم کے بیٹوں نے اللہ کی اتاری ہوئی شریعت سے عاری زندگی بسر کی ہے تب تب اُس کی زندگی نے جہنم کا منظر پیدا کیا ہے اور اشرف المخلوقات کی وہ جماعت جانوروں کا ریوڑ اور درندوں کا غول بن کے رہ جاتی ہے۔چنانچہ ایک انسانی معاشرے پہ نظر ڈالیں تو اس میں ہر قسم کے کردار نظر آتے ہیں۔معمار انسان کے لیے مکان تعمیر کرتا ہے تو سپاہی تمھارے جان و مال کی حفاظت پہ مامور ہے،قاضی معاشرے

کے اندر امن وامان کا ضامن ہے تو طبیب انسان کی جسمانی بیماریوں کا معالج ہے اور جو شخص انسان کی مادی ضروریات کی تعمیر حسن وتوازن کے نقطہ نظر سے کرتا ہے۔ وہ صناع ہے اور جو انسان کے لیے مادی کائنات سے تدبر وتفکر کے ذریعے کائنات کے چہرے سے اسرار کا پردہ لپیٹ لیتا ہے وہ حکیم ہے اسی طرح انسانوں میں ایک گروہ اور بھی ہے جو انسانوں کی روحانی تعمیر میں مشغول رہتا ہے۔

چنانچہ برگزیدہ لوگوں کا جو گروہ انسان کی روحانی واخلاقی تعلیم وتربیت پہ مقرر ہوتا ہے اُن میں بھی درجہ بہ درجہ تفاوت پایا جاتا ہے۔ اِن میں کچھ لوگ تو وہ ہوتے ہیں جو اگلے روحانی معلمین کی نقل وتقلید کرتے ہیں یہ عام علماء کی جماعت ہے۔ اِن میں سے کچھ وہ ہیں جو اچھے روحانی نمونوں کو دیکھ کر خود بھی اُن کی عمدہ نقل اتارتے ہیں اور دوسروں کو بھی اُن امور کی تعلیم دیتے ہیں جو اِن کے علم میں آچکے ہوں اِن لوگوں کو اصطلاح کی زبان میں مجدد کہا جائے گا۔ اور معلمین انسانیت کا سب سے اعلیٰ درجہ انبیاء ورسل کو حاصل ہے کہ وہ الہام ربانی سے فیض پا کر انسانیت کی راہنمائی کرتے ہیں اور اُن کو انسانی فلاح سے متعلق ابدی اصولوں کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اللہ کے انبیاء انسانوں کی سب سے اعلیٰ نسل سے ہیں وہ حسب و نسب اور خاندان کے لحاظ سے سب سے عمدہ ہوتے ہیں۔ اُن کے معاشرے اُن کے اخلاق وکردار کی عمدگی کے شاہد ہوتے ہیں۔ انبیاء بلا شبہ مقدس ہوتے ہیں اس لیے اُن کے مقدس ہاتھ غلہ پیدا کرنے، مکان بنانے، کپڑا بننے اوزار بنانے اور صناعی کرنے کے لیے نہیں بلکہ اُن کا درجہ اِن لوگوں سے بدرجہا بلند ہے اُن کی مبارک انگلیاں مضرابِ دل کے تاروں کو چھیڑنے کے لیے ہیں۔ جن سے فلاح کے نغمے جنم لیتے ہیں۔ چنانچہ خالق نے جہاں انسان کی مادی ترقی کے لیے اُس کو عقل جیسے بے بہا اثاثے سے نوازا ہے۔ اسی طرح اُس نے انسان کی روحانی ترقی کے لیے بھی ایک پختہ اہتمام کیا ہے۔ انبیاء ورسل کی تعداد سوا لاکھ تک جا پہنچی ہے۔

مورخین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں پہ تین سو سے زائد صحیفے اتارے ہیں جو انسانوں کی راہ میں روشنی بکھیرتے رہے ہیں۔ مذاہب عالم کے صحیفوں کے مطالعے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ نبوت ورسالت کے لازمی اوصاف دنیا کے تمام پیغمبروں میں یکساں پائے جاتے ہیں۔ خصوصاً قرآن پاک نے جو دنیا کی نبوت کا سب سے مکمل صحیفہ ہے اور جس نے نبوت ورسالت کی حقیقت اور شرائط ولوازم کی سب سے بہتر انداز میں تشریح کی ہے اُس میں پیغمبروں کے اوصاف کس عمدگی سے بیان کیے گئے ہیں قرآن کی

زبان میں سنتے ہیں۔

” وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنٰهَا اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ اِنَّ
رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ O وَوَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوْحًا
هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَ يُوْسُفَ وَ مُوْسٰى وَ
هٰرُوْنَ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ O وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَ عِيْسٰى وَاِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ
الصّٰلِحِيْنَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَ يُوْنُسَ وَلُوْطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ O
وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ O ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَلَوْ اَشْرَكُوْا
لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ O اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ
وَالنُّبُوَّةَ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ O
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِنْ هُوَ اِلَّا
ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ O

القرآن الحکیم (سورۃ الانعام۶ آیت ۸۳ --۹۰)

ترجمہ؛

”اور یہ تھی ہماری دلیل جو ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی قوم کے مقابلے میں دی ہم جس کو چاہتے ہیں کئی درجے بلند کرتے ہیں بلا شبہ پروردگار تدبیر والا اور خبردار ہے اور ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاقؑ اور یعقوبؑ بخشے اور ہر ایک کو ہدایت دی اور نوحؑ کو اس سے پہلے ہدایت دی تھی اور اس کی اولاد میں داؤدؑ اور سلیمانؑ اور ایوبؑ اور یوسفؑ اور موسیٰؑ اور ہارونؑ کو اور اسی طرح ہم نیکوکاروں کو بدلہ دیتے ہیں اور زکریاؑ اور یحییٰؑ اور عیسیٰؑ اور الیاسؑ کو کہ ہر ایک نیکوکاروں میں سے ہے اور اسماعیلؑ اور الیسعؑ اور یونسؑ اور لوطؑ میں سے ہر ایک کو بزرگی بخشی دنیا والوں پر اور اُن کے باپ دادوں اور بھائیوں میں سے ہم نے اُن کو چُن کر پسند کر لیا اور اُن کو سیدھی راہ پہ چلایا یہ اللہ کی ہدایت ہے اس پر وہ جس کو چلاتا ہے اگر وہ شرک کرتے تو اُن کا سارا کیا دھرا برباد ہو

جاتا اور یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حق و باطل میں فیصلہ کرنا یعنی حکم اور نبوت عطا کی تو اگر کوئی اِن باتوں کا انکار کرے تو ہم نے اِن باتوں پر ایسے دوسرے کو مقرر کیا ہے جو اِن کا انکار نہیں کرتے اور یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے ہدایت دی اے محمد (ﷺ) تو بھی انھی کی راہنمائی کی پیروی کر اور کہہ کہ میں اپنے کام کی تم سے مزدوری نہیں چاہتا کہ یہ قرآن تو دنیا والوں کے لیے یاد دہانی ہے"۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

یہاں بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ آخر فلسفی سیاسی دان حکمران اور سماجی راہنما بھی تو انسان کی راہنمائی اور اخلاقی تعمیر کا کام ہی کرتے ہیں تب اُن میں اور انبیاء میں کیا فرق رہ جاتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ انبیاء اور رسل اور دیگر لوگوں کے کام میں بہت بڑا فرق ہے جس کو سمجھنے کے لیے تھوڑے سے غور و فکر کی ضرورت ہے۔یاد رکھیں کہ جب کئی لوگ ایک ہی چیز پر مختلف حیثیتوں سے نظر ڈالیں تو اُن کا نقطہ نظر بھی اختلافی ہوگا۔یا یوں کہہ لیں کہ اگر کسی جسم کے اجزائے ترکیبی پہ بحث کی جائے تو اس کو کیمسٹری کہا جائے گا۔اگر اس کی زندگی اور اسباب زندگی پہ غور کیا جائے تو اس کو بیالوجی (علم الحیات) کہا جائے گا۔اگر انسان کے دماغی قویٰ اور اِن کے آثار پہ تحقیق کی جائے تو اس علم کو سائیکالوجی یعنی علم النفس کہا جائے گا۔اگر انسان کے جذبات و احساسات کے مطابق اُس کے شخصی افعال و اعمال اور اسباب و علل کی غرض و غایت پہ نگاہ ڈالی جائے تو اس کو علم الاخلاق کہا جائے گا۔اگر انسان کے سماجی روابط اور معاشرت کی تفتیش کی جائے تو اس کو علم معاشرت کہا جائے گا۔تاہم ذرا سے غور سے بھی یہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ اِن تمام علوم کا تعلق انسان کے جسم اور جسمانیات سے ہے جس کا روحانیات سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔

اس لیے بظاہر ایک نبی ایک رسول کا کام بھی بادشاہوں فلاسفروں اور حکیموں کی طرح انسانوں ہی کی اصلاح ہے۔مگر ان میں سے کسی ایک کا کام بھی دوسرے سے نہیں ملتا جس کی وجہ یہ ہے کہ بادشاہ کے ذمے صرف یہ کام ہے کہ وہ اپنی طاقت کو بروئے کار لاکر گلیوں آبادیوں اور شہروں میں امن و امان اور انصاف فراہم کرے۔اہل فلاسفہ کا کام یہ ہے کہ وہ انسان کے اعمال و خیال اور اُن کے اسباب و علل کی تفتیش کرے۔جب کہ حکیم وعظ کا کام یہ ہے کہ انسان کے اعمال و اخلاق کے لیے نہایت شیریں اور

خوشگوار تقریریں کرے اور اپنے تصور زندگی سے لوگوں کے دلوں کو متاثر کرے۔ مگر اِن میں سے کوئی نہیں جو انسان کے احساس وقلب کو ٹٹولے، جو انسان کو اس کے جذبات واحساسات کے اسباب وعلل سے آگاہ کرے جو انسان کے اخلاق وعادت اور جذبات کے بیچ خیر وشر کی لکیر کھینچے، جو خیر کے حصول کی راہ بتائے اور شر سے حفاظت کی تدبیر کرے۔ اور یہ کام اللہ کے انبیاء و رسل کرتے ہیں وہ لوگوں کے دلوں میں انقلاب بپا کر دیتے ہیں اور شر کے تخم کو انسانی دلوں سے نوچ کر پھرے پھینک دیتے ہیں اور وہاں خیر کے برگ و بار کا بیج بوتے ہیں جس سے انسان کا مرکز سیدھی راہ پہ آ جاتا ہے جس کے نتیجے میں پورا انسان سیدھی راہ پہ آ جاتا ہے۔ انبیاء بادشاہوں اور فلسفیوں کی طرح صرف ظاہراً اور سطح پہ امن وامان کے متمنیٰ نہیں ہوتے بلکہ وہ لوگوں کے قلب کو اس کا خوگر بناتے ہیں۔ اُس میں محبت کا بیج بوتے ہیں تب انسان کو وہ حقیقی منزل نظر آتی ہے جس کی تشنگی اس کی رگ رگ میں سرایت کر چکی ہوتی ہے قرآن حکیم میں انبیاء ورسل کے فرائض بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

”يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلٰلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ○

القرآن الحکیم (سورۃ الاعراف ۷ ؛ آیت ۱۵۷)

ترجمہ؛

”وہ اُن کو بھلائی کا حکم دیتا اور برائی سے روکتا ہے اچھی چیزوں کو اُن کے لیے حلال اور بری چیزوں کو حرام ٹھہراتا ہے اور اُن کے بندھن اور زنجیروں کو جو اُن پر ہوتی ہیں اُن کو اتارتا ہے“۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اگرچہ اللہ کے انبیاء رسل بھی بادشاہوں کی طرح انسان کی جماعت کو مجتمع کرتے ہیں مگر اُن کا مقصد ملک کے لوگوں سے خراج وصول کرنا یا ملک کی زمین پہ قبضہ کرنا نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ لوگوں پہ حکومت اس لیے کرتے ہیں تاکہ اُن کو خدا سے آشنا کر سکیں وہ بھی بادشاہوں کی طرح لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے

قوانین بناتے ہیں اور اُن کے قاضی جزا و سزا کا حکم لگاتے ہیں مگر کسی بادشاہ سے انعام و اکرام کے لیے نہیں بلکہ شاہ کائنات ربِ جلیل کے فرمان کی اطاعت میں لوگوں کی فلاح کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔ انبیاء ر سل بھی اہل فلاسفہ کی طرح رموزِ و اسرار کا پردہ فاش کرتے ہیں مگر تجربہ استقراء اور قیاس سے نہیں بلکہ براہ راست اُس علم سے کرتے ہیں جو زمین و آسمان کے مالک کی طرف سے اُن پہ اترتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بہت سے لوگ ایک ہی کام مختلف اغراض کو مدنظر رکھ کے کرتے ہیں اور وہ لوگ قوموں کی اصلاح کے داعی ہوتے ہیں اُن میں سے اکثر کے دل میں جاہ و حکومت کا لالچ پایا جاتا ہے اس لیے کہ قوم کی اصلاح کے لیے کوئی تو معاشی برتری کو اپنی ترجیح قرار دیتا ہے تو کوئی رسم و رواج اور معاشرے کی اصلاح کا دم بھرتا ہے تو کوئی سیاسی استحکام کو قوم کے مصائب کا حل قرار دیتا ہے۔

مگر ہم نے جانا کہ انبیاء و رسل کے نزدیک یہ تمام باتیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں اس لیے کہ وہ اپنی اصلاح کی بنیاد انسانی قلب کو قرار دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور درست سمجھتے ہیں کہ اگر انسان کا دل درست ہو گیا تو اس کا سارا نظام درست ہو جائے گا۔ اسی طرح فرد کی تربیت سے بتدریج معاشرے کی تربیت ہوتی چلی جاتی ہے۔ چراغ سے چراغ جلتا جاتا ہے اور روشنی پھیلتی جاتی ہے۔ چنانچہ انبیاء و رسل کی غرض خدا کی اطاعت، خدا کی محبت، خدا کی معرفت ہوا کرتی ہے یہی سبب ہے کہ انبیاء و رسل کی دعوت کی کامیابی سے اُن کو سلطنت بھی حاصل ہوتی ہے اور دولت بھی حاصل ہوتی ہے علم بھی حاصل ہوتا ہے اور قوت بھی حاصل ہوتی ہے اور دنیاوی عظمت و جلال کا ہر منظر خادمانہ اِن کے استقبال کے لیے آگے بڑھتا ہے اس لیے کہ اُن کی اطاعت کرنے والے بلا کسی غرض کے اُن کی اطاعت کو قبول کرتے ہیں۔

چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ انبیاء و رسل اور دوسرے مصلحین کی دعوت اور حیثیت میں چار قسم کا بنیادی فرق پایا جاتا ہے اور غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ فرق عظیم الشان فرق ہے۔ چنانچہ پہلا فرق اُن کے مبداء کا ہے منبع کا ہے کہ علماء حکما اور فلاسفہ کا علم علم محض ہوا کرتا ہے۔ جب کہ انبیاء و رسل کا علم خالق حقیقی کی طرف سے ہوا کرتا ہے جس میں نہ تضاد ہوتا ہے اور نہ شک کی گنجائش۔ دوسرا فرق غرض و غایت کا ہے انسانوں کی اغراض اکثر و بیشتر پست اور اُن کی ذات کے گرد گھومتی دکھائی دیتی ہیں جب کہ انبیاء و رسل کی سرے سے کوئی غرض ہی نہیں ہوتی وہ دعوت دیتے ہیں جو اسے قبول کر لے اُس تک اللہ کا پیغام پہنچا دیتے ہیں اور جو اس سے منہ پھیر لے تو وہ بھی اُس سے منہ پھر لیتے ہیں تیسرا اور بہت بڑا فرق طریق دعوت کا فرق ہوتا ہے

چونکہ نبی کو اپنے پیغام پہ پورا یقین اور شرح صدر حاصل ہوتا ہے اس لیے کبھی اس کی زبان میں لڑکھڑاہٹ نہیں آتی کیونکہ نبی کو پہلے اپنے نبی ہونے پہ یقین فراہم کیا جاتا ہے اس کے بعد دعوت کا مرحلہ آتا ہے۔ جس پہ انبیاء ورسل اپنی توانائی کا آخری قطرہ تک لٹا دیتے ہیں۔اس طریق ودعوت کا فرق ظاہر کرتا ہے کہ حکیم اور فلاسفہ اپنی دعوت کی عمارت تمام تر حکمتوں مصلحتوں اور علل اسباب کے ستونوں پہ کھڑی کرتا ہے مگر وہ جو کچھ لوگوں سے کہتا ہے عام طور پہ وہ خود اس پہ عمل پیرا نہیں ہوتا۔ چنانچہ اُس کی شخصیت کا یہ تضاد لوگوں کو اس سے جذباتی وابستگی اختیار کرنے سے دور رکھتا ہے جبکہ اللہ کے انبیاء ورسل جو کہتے ہیں وہ کر کے دکھاتے ہیں۔ وہ صرف جلوت کے منبر پہ ہی ظاہر نہیں ہوتا بلکہ جلوت وخلوت ظاہر اور باطن میں یکساں حسنات سے آراستہ اور برائیوں سے پاک ہوتا ہے۔اسی لیے سقراط،افلاطون ارسطو اور دیوجانس کے صرف نام باقی بچے ہیں جبکہ دوسری طرف حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ کے نہ صرف نام باقی ہیں بلکہ اُن پہ ایمان لانے والے لاکھوں کروڑوں اربوں لوگ خطہ ارض کے چپے چپے پہ موجود ہیں۔ چوتھا فرق علم وعمل کا فرق ہوتا ہے نبی کے علوم کا منبع وحی الٰہی ہوتی ہے جبکہ حکماء اور فلاسفہ کے علم کا منبع وماخذ تعلیم انسانی، گذشتہ تجربہ استقراء اور قیاس ہوتا ہے یا یوں کہہ لیں کہ حکیم دماغ سے سوچتا ہے جب کہ نبی خالق کی عقل سے یعنی عقل کُل سے۔ اسی طرح ایک حکیم اور فلسفی کی تمام جدوجہد کا منشا اپنی شہرت اور جاہ طلبی ہوتی ہے جبکہ انبیاء ورسل کا مقصد اللہ کے حکم کا اعلان خالق کی رضامندی کا حصول اور مخلوق عالم کی عمومی بھلائی ہوتا ہے۔اس لیے وہ لوگوں کے دلوں کو اس پختگی سے بدل کے رکھ دیتے ہیں کہ تب انسان وہاں بھی گناہ کرتے ہوئے ڈرتا ہے جہاں اُسے دیکھنے والا بھی کوئی نہ ہو حقیقت یہ ہے کہ مضراب دل پہ انبیاء ورسل کی نرم ونازک انگلیاں اُس راگ کو چھیڑتی ہیں جس سے صدائے خیر بلند ہوتی ہے چنانچہ اس ساری بحث سے یہ حاصل ہوا کہ کوئی شریں نوا واعظ، کوئی مؤثر بیاں خطیب کوئی، کوئی دقیقہ رس مقنن، کوئی کشور کشا فاتح، کوئی نقطہ داں حکیم، کوئی فسوں بیاں فلسفی منصبِ نبوت کی خاک پا سے بھی کوئی نسبت نہیں رکھتا۔

آثارِ نبوت

بیت اللہ کی تعمیر نو میں شرکت کے بعد نبی اکرم ﷺ خلوت گزیں ہو گئے، اس لیے کہ وہ عظیم الشان منصب جس کا تاج نبی اکرم ﷺ کے سر پہ سجنے والا تھا اس کا وقت بہت قریب آ لگا تھا۔ چنانچہ بتدریج آپ ﷺ کے شب و روز کے معمولات میں تبدیلی آ رہی تھی۔ اب آپ ﷺ بہت کم لوگوں سے مخاطب ہوتے تھے۔ آپ ﷺ کا اکثر وقت غور و فکر اور تدبر میں گزرتا۔ آپ ﷺ اپنی قوم کے اعمال و عقائد کی وجہ سے پریشان رہتے۔ آپ ﷺ پہ بت پرستی کی لغویت ظاہر ہو چکی تھی [55*]۔ آپ ﷺ کی بیوی حضرت خدیجہؓ نے بھی اس تبدیلی کو محسوس کر لیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ ﷺ کو کیا پریشانی ہے؟

نبی اکرم ﷺ نے جواب دیا! خدیجہ۔

جب میں تنہا ہوتا ہوں، تب مجھے ایک آواز سنائی دیتی ہے کوئی مجھے آہستہ سے میرا نام لے کے پکارتا ہے مگر سامنے نہیں آتا۔ کبھی ایک روشنی سی میرے سامنے آ جاتی ہے کبھی وہ میرے دائیں طرف ہوتی

ہے اور کبھی میرے بائیں طرف اور کبھی میرے آگے آگے چلتی ہے پھر خود ہی غائب ہو جاتی ہے [*56]۔

خدیجہ مجھے ڈر ہے کہیں اِن پراسرار باتوں کا کوئی برا نتیجہ نہ نکلے۔

حضرت خدیجہؓ پریشان ہوگئیں اور کہا:

حوصلہ رکھیے میرے چچا کے بیٹے۔

اللہ کبھی شیطان کو آپ ﷺ پہ غلبہ عطا نہ کرے گا اس لیے کہ آپ ﷺ تو امانت ادا کرنے والے ہیں، لوگوں پہ رحم کرنے والے ہیں، رشتہ داروں کی خبر گیری کرتے ہیں اور ہمیشہ سچ بولتے ہیں لہٰذا یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ شیطان آپ کو ﷺ زک پہنچانے میں کامیاب ہو سکے۔

آنحضرت محمد ﷺ نے جواب دیا! خدیجہ۔

خدا کی قسم مجھے سب سے زیادہ نفرت اِن بتوں سے ہے جن کو تیرے اہل خانہ پوجتے ہیں اور پھر کاہنوں سے ہے جن کی زبان پہ جھوٹ رہتا ہے مجھے اس بات سے ڈر رہتا ہے کہ کہیں میں کاہن نہ بن جاؤں [*57]۔

حضرت خدیجہؓ نے جواب دیا میرے چچا کے بیٹے۔

جتنے عمدہ اوصاف و اخلاق آپ ﷺ کے ہیں اُن کا کہانت سے کیا تعلق اللہ آپ پہ اور ہم پہ رحم فرمائے گا۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے بہت سی ایسی باتیں محسوس کیں جن کو سمجھنا دشوار تھا۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں اُن دِنوں جب میں کبھی گھر سے باہر نکلتا اور دور تک چلا جاتا کہ تنہائی میں رہنا میرے لیے پسندیدہ بنا دیا گیا تھا۔ تب کبھی کوئی درخت مجھے سلام کرتا اور کبھی کوئی بڑا سا پتھر آواز نکالتا اور کہتا:

اسلام علیکم یا رسول اللہ۔

پھر تو اکثر درخت اور پتھر مجھ پہ سلامتی بھیجنے لگے۔ [*58]

علامہ ماوردی نے امام شعبی سے نقل کیا ہے کہ:

نبوت سے پہلے نبی اکرم ﷺ نے تین سال اللہ کے محبوب فرشتے اسرافیل کے ساتھ گذارے جو

آپ ﷺ کو نبوت کے اسرار سے آگاہ کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو آپ ﷺ کا ہمدم بنا دیا تھا۔ آپ ﷺ ہر دم اُن کی موجودگی کو محسوس کرتے تھے مگر اُن کو دیکھتے نہ تھے۔ وہ آنحضرت محمد ﷺ کو ایک ایک کر کے سب چیزوں کا علم دیتے رہے مگر وہ قرآن پاک کا ذکر نہ کرتے تھے۔ اس لیے کہ کلامِ الٰہی لے کر ہمیشہ سے حضرت جبرائیل علیہ السلام اترا کرتے ہیں اور اس ساری مدت میں حضرت اسرافیل آپ ﷺ کو وحی کی استعداد حاصل کرنے کی تیاری کراتے رہے۔ [*59]

پھر وہ نور کئی سال آپ ﷺ کو نظر آتا رہا جس کا تذکرہ اوپر گزرا ہے۔

اس کے بعد آپ ﷺ مکہ سے تین کلومیٹر کے فاصلے پہ واقع پہاڑوں میں ایک پہاڑ جبل نور کی ایک غار یعنی حرا میں قیام پذیر ہونے لگے۔ غار حرا آبادی سے دور قدرے بلندی پہ واقع تھا جہاں سے جھانکنے پہ اللہ کا گھر نظر آتا تھا۔ [*60]

یہاں آپ ﷺ کو مکمل تنہائی اور سکوت دستیاب ہوتا جس کے آپ ﷺ متمنی تھے اور اپنے اسی خلوت کدہ میں آپ ﷺ کائنات اور کائنات کے خالق پہ غور و فکر کرتے۔ انسان کی پیدائش کا مقصد اور خالق سے اُس کے تعلق کے بارے میں سوچتے۔ آپ ﷺ پہروں ایک ہی انداز پہ بیٹھے رہتے اور اُن سوالات پہ غور کرتے جو آپ ﷺ کے ذہن میں اُمنڈ رہے ہوتے۔ آپ ﷺ چمکتے ستاروں کو دیکھتے، نیلی روشنی والے چاند پہ نظریں جمائے گھنٹوں سوچتے رہتے کہ خالق نے آخر یہ کائنات کیوں پیدا کی انسان کا اُس کی مخلوقات میں کیا مقام ہے۔ اور وہ جو آپ کے اپنے تھے بت پرستی کی طرف کیوں مائل ہیں۔ حالانکہ آپ ﷺ کو تو بت پرستی میں عقل کی ذرا سی جھلک بھی نظر نہ آتی تھی کہ پتھر اور مٹی کے یہ بے جان بت انسان کی کیونکر رہنمائی کر سکتے ہیں۔ لوگ اپنے خالق کو تلاش کیوں نہیں کرتے اور جو تلاش کرتے ہیں خالق اُن کی صدا کیوں نہیں سنتا۔ آپ ﷺ کی غارِ حرا میں غور و تدبر کے علاوہ کیا مصروفیات تھیں اس کے بارے میں مورخین نے زیادہ معلومات فراہم نہیں کیں البتہ یہ ضرور ہے کہ مورخین نے آپ ﷺ کے غارِ حرا کے معمولات کو تحنث کا نام دیا ہے اور کہا کہ تحنث کا معنی یکسوئی ہے، [*61]۔

برہان الدین حلبیؒ نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت محمد ﷺ کے دل میں تنہائی اور خلوت نشینی کا شوق پیدا فرما دیا۔ جہاں آدمی کا دل ہر چیز سے فارغ ہو جاتا ہے اور مخلوق سے علیحدہ رہ کر دنیا

کے تمام مشغلوں اور فکروں سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس طرح انسان ہر گھڑی اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہتا ہے جس سے اس کے قلب میں صفائی پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا چہرہ معرفت کے نور سے جگمگا اٹھتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت محمد ﷺ کو تنہائی اور خلوت نشینی سب سے زیادہ عزیز ہوگئی اور آپ ﷺ غارِ حرا میں خلوت نشین ہو گئے۔ یہی وہ پہاڑ یعنی حرا ہے جس نے آپ ﷺ کو پکارا تھا یعنی آپ ﷺ جب تنہائی کی تلاش میں ودائ مکہ کے پہاڑوں کی طرف گئے تو پہلے آپ ﷺ کوہ ثبیر پہ چڑھے جو حرا کے مقابل تھا کوہ ثبیر نے آپ ﷺ سے درخواست کی یا رسول اللہ میں اس امر سے ڈرتا ہوں کہ مبادا آپ ﷺ کو یہاں قتل کر دیا جائے جس کی وجہ سے مجھ پہ عذاب اترے تب کوہ حرا نے آپ ﷺ کو پکارا کہ یا رسول اللہ ﷺ میری طرف تشریف لے آیئے۔

مورخین نے بیان کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کئی کئی راتوں تک غار حرا میں قیام کرتے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ غار حرا میں راتوں کی تعداد کا درست تعین ممکن نہیں اس لیے کہ آپ ﷺ مختلف اوقات میں مختلف مدتوں کا قیام کرتے تھے۔[*62]

کبھی آپ ﷺ تین راتیں غارِ حرا میں گذارتے اور پھر اتر آتے غار حرا سے واپسی پہ آپ ﷺ ہمیشہ سب سے پہلے بیت اللہ شریف جایا کرتے وہاں طواف کرتے اس کے بعد اپنے گھر جاتے۔

تاہم اِن سالوں میں آپ ﷺ کا معمول تھا کہ رمضان کا سارا مہینہ غار حرا میں ہی مقیم رہا کرتے اور اپنا وقت غور و تدبر اور عبادت میں گذارتے۔ بعض علماء نے خیال ظاہر کیا ہے کہ آپ ﷺ غارِ حرا میں حضرت ابراہیمؑ کی شریعت سے ملنے والی ہدایات کے مطابق عبادت کیا کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ غارِ حرا میں تشریف فرما ہوتے تب مکہ کے بہت سے غرباء اور مساکین آپ ﷺ سے ملنے کے لیے جبل حرا پہ آتے۔ آپ ﷺ اُن لوگوں کی تواضع گوشت اور زیتون سے کرتے کیونکہ جاہلیت کے زمانے میں رسم تھی کہ قریش جیسے اونچے خاندان کے افراد کے پاس کھانا کھانے کے لیے غریب اور مساکین آیا ہی کرتے تھے اور اہل قریش اِن لوگوں کی تواضع کیا کرتے تھے کہ انکار کا کوئی تصور اِن کے ہاں نہیں پایا جاتا تھا۔

علامہ برہان الدین حلبیؒ نے سیرت حلبیہ میں بیان کیا ہے کہ؛

نبی اکرم ﷺ سے پہلے بھی قریش کے کئی لوگ غارِ حرا میں خلوت کرتے رہے تھے جن میں آپ ﷺ کے دادا حضرت عبد المطلب بھی شامل ہیں، ورقہ بن نوفل اور ابوامیہ ابن مغیرہ کے متعلق بھی شواہد ملے ہیں کہ وہ غارِ حرا میں خلوت کرتے رہے ہیں۔قصیدہ ہمزیہ میں نبی اکرم ﷺ کے غارِ حرا میں قیام کے متعلق بہت سے اشعار ہیں اِن میں سے کچھ پیش خدمت ہیں۔

اَ لِّفَ النُّسُکَ وَالْعِبَادَةَ وَالْخَلْوَةَ
طِفْلاً وَ هٰکَذَا النُّجَبَاءُ

آنحضرت محمد ﷺ کو بچپن ہی سے عبادت گذاری اور خلوت نشینی سے محبت تھی اونچے مرتبے والے لوگ اور شریف انسانوں کی یہی شان ہوتی ہے!

✡✡✡✡✡✡✡✡

وَاِذَا حَلَّتِ الْهِدَایَتُہ قَلْبًا
نَشَطَتْ فِیْ الْعِبَادَةِ الْاَعْضَاءُ

کیونکہ جب قلب کو ہدایت اور سچائی حاصل ہوجاتی ہے تب عبادت گذاری کے ذریعہ جسم کے ہر ہر عضو اور حصے کو سکون حاصل ہوتا ہے اس لیے کہ دل تو بدن کا سردار ہے۔‘‘[*63]

✡✡✡✡✡✡✡✡

مورخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ؛

جب نبی اکرم ﷺ مہینہ بھر کے لیے غارِ حرا کی خلوت کا ارادہ کرتے تب حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ کے لیے گندم کی خشک روٹی اور زیتون کا تیل ساتھ کردیتیں۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ؛

کبھی کبھی حضرت خدیجہؓ بھی آپ ﷺ کے ہمراہ آجایا کرتی تھیں مگر وہ غارحرا تک نہ جاتیں بلکہ حرا کے دامن میں خیمہ لگا کر رہتیں اور نبی اکرم ﷺ اس خیمہ کی طرف اترتے رہتے۔

بعض اوقات یوں بھی ہوتا کہ حضرت خدیجہؓ اپنے کسی غلام کو کھانا دے کر آپ ﷺ کی طرف روانہ کرتی تھیں۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ؛

جب اللہ تعالیٰ نے آنخضرت محمد ﷺ کے درجات بلند کرنے کا ارادہ فرمایا اور آپ ﷺ کو شرف و بزرگی عطا فرمائی تب آپ ﷺ رات کو کوئی خواب دیکھتے تو دن کی روشنی میں اسی خواب کی تعبیر کھلی آنکھوں سے دیکھ لیتے اس طرح نبوت کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی۔

اور لوگوں نے کہا ہے کہ؛

اکثر انبیاء کی نبوت کا آغاز سچے خوابوں سے ہوتا ہے اور یہ وحی کی ایک صورت ہے جو انبیاء پہ اترتی ہے۔

حضرت علقمہؓ سے روایت ہے کہ؛

سب سے پہلے نبیوں کو جو چیز دی جاتی ہے وہ سچے خواب ہوتے ہیں جس سے انبیاء کے دل مطمئن ہو جاتے ہیں اور وہ وحی قبول کرنے کی استعداد حاصل کر لیتے ہیں، خوابوں کے بعد ہی اُن کے پاس وہ وحی آتی ہے جسے اللہ کا فرشتہ لے کے اترتا ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

چنانچہ ایک عام آدمی اور انبیاء کے خوابوں میں فرق یہ ہوتا ہے کہ؛

انبیاء کے خوابوں کا تعلق وحی سے ہوتا ہے اس لیے وہ حق اور سچے ہوتے ہیں، اُن کے خواب عام انسانوں کی طرح بے خوابی یا طبیعت کی گرانی کی وجہ سے نہیں ہوتے اور نہ ہی اُن کے خواب شیطانی واہمہ ہوتے ہیں اس لیے کہ شیطان کو انبیاء تک رسائی حاصل نہیں ہوتی اور چونکہ انبیاء کے اذہان نورانی روشنی سے منور ہوتے ہیں اس لیے اُن کے خواب زیادہ واضح اور اُن کی تعبیر روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے لہٰذا اِن کے امثال میں جو بھی نقش واضح ہوتا ہے وہ حق ہوتا ہے اس لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ؛

''ہم انبیاء کی آنکھیں سوتی ہیں مگر دل جاگتے ہیں''۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

مورخین نے بیان کیا ہے کہ وحی کی تین قسمیں ہیں۔

- ایک وہ جو عالم رویا میں کی جاتی ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

- دوسری وہ جس میں پردے کے پیچھے سے پکارا جاتا ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

- اور تیسری وہ جو حضرت جبرائیل لے کے اترتے ہیں۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ؛

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی وحی کی اِن تینوں حیثیتوں سے نوازا گیا تھا جب کہ دیگر انبیاء کے متعلق حتمی طور پہ معلوم نہیں ہوسکا کہ اُن کو بھی تینوں کی قسم کی وحی عطا کی گئی تھی یا کہ نہیں۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ؛

آنحضرت محمد ﷺ کو چھ ماہ تک سچے خوابوں سے نوازا گیا اور سچے خوابوں کے متعلق آنحضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ:

"سچے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں اور یہ کہ میرے بعد نبوت تو ختم ہوگئی مگر بشارات یعنی سچے خواب باقی رہیں گے"۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

سچے خوابوں کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ قرار دینے کی وجہ بعض علماء نے یہ بیان کی ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ پہ مکہ میں تیرہ سال تک وحی اترتی رہی اور دس سال تک مدینے میں وحی اتری۔ اس طرح

آپ ﷺ پہ کل تیئس سال وحی اتری۔ادھر سونے کی حالت میں آپ ﷺ پہ چھ ماہ تک وحی اتری۔چنانچہ آپ ﷺ کی جاگنے کی وحی کو سونے کی وحی پہ تقسیم کیا جائے تو وہ اس کا چھالیسواں حصہ بنتی ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

قاضی بیضاوی نے اس سلسلے میں لکھا کہ؛

رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی کہ آپ ﷺ جو کچھ خواب میں دیکھتے وہی منظر آپ ﷺ کو جاگتی آنکھوں سے بھی دکھایا جاتا جس کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ کے مقرب فرشتے رسالت لے کر آپ ﷺ کی طرف اتریں تب آپ ﷺ اچانک اُنہیں دیکھ کر دہشت زدہ نہ ہو جائیں اس لیے کہ انسان کے قویٰ اس بوجھ کو برداشت کرنے کے قابل نہیں ہوتے۔ اگرچہ فرشتے اکثر و بیشتر اپنی اصل شکل کے ساتھ انبیاء کی طرف نہیں اترتے بلکہ انسانوں کی آسانی کے لیے نرم و لطیف ہیت اختیار کرتے ہیں تا کہ انسان اِن کو دیکھ کر دہشت زدہ نہ ہو جائے تاہم اس صورت میں بھی اُن کو برداشت کرنا آسان نہیں ہوتا اور نہ فرشتے کی آواز سننے کی طاقت انسانوں کو ودیعت کی گئی ہے یہ صرف انبیاء کا کام ہے کہ وہ اس بوجھ کو برداشت کر سکیں اور اس کے لیے اُن کی خاص تربیت کا اہتمام کیا جاتا ہے دیگر کئی علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ رسالت اور نبوت سے متعلق دی گئی خبر بھی امر گراں ہے اور اس کا بوجھ بھی انتہائی ہے۔چنانچہ محدثین نے لکھا ہے کہ جب آنحضرت محمد ﷺ پہ وحی اترا کرتی تب اگر کبھی آپ کسی فربہ اور طاقتور اونٹ پہ سوار ہوتے تو وہ بھی بلبلا اٹھتا اور فوراً ہی اپنے قدموں پہ گر جاتا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

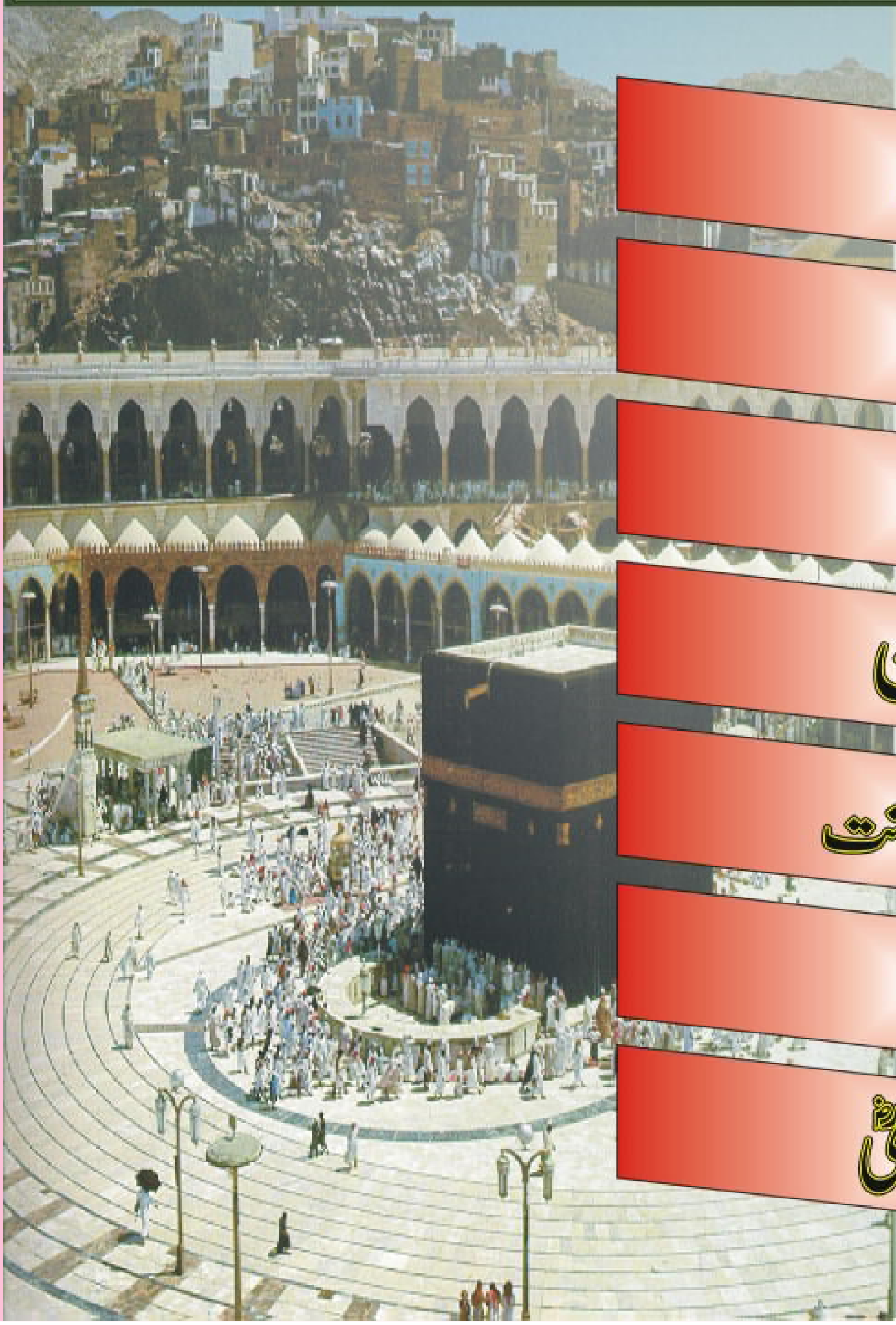
برہان الدین حلبی نے لکھا ہے کہ؛

اللہ تعالیٰ کے بہت سے احسانوں میں جو اُس نے انسانوں پہ کیے ہیں ایک احسان یہ بھی ہے کہ انسان فرشتوں کو نہیں دیکھ سکتے کیونکہ وہ اس قدر حسین اور روشن چہرہ کے مالک ہوتے ہیں کہ اگر

انسان انھیں اُس حالت میں دیکھ لے جس میں اُن کو خلق کیا گیا ہے تو اُن کے حسن سے حسد کی بنا پہ جل مرے۔

❖ ❖ ❖

1 نبوی بمطابق 12 قبل ہجرت 21 رمضان 10 اگست 610ء



تاجِ رسالت

فطرۃ وحی

کیفیاتِ وحی

سابقون الاولون

صدیق اکبرؓ کی معاونت

نماز کی فرضیت

حضرت ابوذر غفاریؓ

1 نبوی، 12 قبل ہجرت، 21 رمضان 10 اگست 610ء



آخر وہ مبارک وقت آپہنچا جب نبی اکرم ﷺ کے سر پہ نبوت ورسالت کا تاج سجا دیا گیا اور اس امر کی تکمیل ہوگئی جس کے لیے کائنات کی ساری رونقیں چشم براہ تھیں۔آسمان سے ستارے جھانک جھانک کر دیکھ رہے تھے کہ وہ مبارک ساعت آخر آ پہنچی جس کا انسانیت کو مدتوں سے انتظار تھا۔شجر و حجر، پہاڑ اور وادیاں، چاند اور سورج سب اس امر پہ مسرت سے شاداں تھے کہ اب انسانیت کی فلاح کا فیصلہ کر لیا گیا ہے اور آنحضرت محمد ﷺ کو نبوت کا تاج پہنا دیا گیا ہے۔بیان کیا گیا کہ وحی اترنے سے پہلے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی آمد بہت بڑھ گئی تھی۔حضرت خدیجہؓ نے کہا کہ یہ پہلی وحی اترنے سے چند دن پہلے کی بات ہے کہ آپ ﷺ غار حرا میں خلوت نشین تھے جب آپ ﷺ کے پاس کھانا ختم ہوگیا تو آپ ﷺ نے ارادہ کیا کہ آپ ﷺ مکہ جائیں اور مزید کھانا لے آئیں۔چنانچہ آپ ﷺ واپسی کے لیے روانہ ہوئے تو آپ ﷺ کو کسی نے پکارا؛

اے محمد (ﷺ)۔

آپ ﷺ نے اِدھر اُدھر دیکھا مگر کوئی پکارنے والا دکھائی نہ دیا۔

تب آپ ﷺ نے سوچا شاید یہ آپ ﷺ کا وہم ہو۔

اور آپ ﷺ پھر روانہ ہوئے۔تب پھر سے آپ ﷺ کو پکارا گیا؛

اے محمد (ﷺ) آپ پہ سلامتی ہو۔

اب کے آواز بالکل صاف اور واضح تھی اور قدرے قریب سے آئی تھی۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا؛ میں نے پھر اس پکارنے والے کو تلاش کیا ہر طرف دیکھا مگر کہیں نہ پایا تب خوف کی ایک لہر میرے بدن میں سرایت کرگئی اور میں مشکل سے خدیجہؓ تک پہنچا۔

حضرت خدیجہ نے آپ ﷺ کو اس حالت میں دیکھا اور پریشان ہوگئیں۔

انھوں نے آپ ﷺ کو ہر طرح سے تسلی دی اور کہا؛

ابو القاسم ! اللہ آپ پہ رحم فرمائے گا شیطان کبھی آپ ﷺ پہ غلبہ نہیں پا سکے گا اس لیے کہ آپ ﷺ کو غریبوں کی مدد کرتے ہیں، مسکینوں کی حاجت روائی کرتے ہیں، رشتے داروں کا خیال رکھتے ہیں ،امانت ادا کرنے والے ہیں اور ہمیشہ سچ بولتے ہیں اس لیے یقین رکھیے کہ آپ ﷺ کے بارے اللہ بہتر فیصلہ فرمائیں گے۔

حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کی خوب دلجوئی کی مگر آپ ﷺ کا خوف کم نہ ہوا تب حضرت ابو بکر صدیقؓ آپ ﷺ کے گھر پہنچے۔

مگر اس وقت آنحضرت محمد ﷺ بیت اللہ تشریف لے جا چکے تھے۔

حضرت خدیجہؓ نے اُن سے کہا! اے عتیق۔

محمد ﷺ کو لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس جائیے اور اس بابت اُن سے پوچھیے؟

چنانچہ تھوڑی دیر بعد جب آنحضرت محمد ﷺ واپس تشریف لائے تو حضرت ابو بکرؓ نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا: میرے ساتھ آیئے۔

حضرت ابو بکرؓ آپ ﷺ کے ہمراہ ورقہ بن نوفل کے ہاں پہنچے۔

آنحضرت محمد ﷺ نے ورقہ بن نوفل کو بتایا کہ میں حرا میں گوشہ نشین تھا۔جب نے مکہ کا قصد کیا تب کسی نے مجھ کو پکارا مگر وہ مجھے نظر نہیں آیا۔میں خوفزدہ ہوگیا تھا اس لیے میں تیزی سے مکہ کی

طرف اتر آیا۔

ورقہ بن نوفل نے آپ ﷺ سے کہا؛

آئندہ جب وہ آپ کے پاس تشریف لائیں تو آپ ﷺ بالکل خوفزدہ نہ ہوں وہاں رکیں اور دیکھیں وہ فرشتہ آپ ﷺ سے کیا کہنا چاہتا ہے۔

یہ واقعہ اُس وقت کا ہے جب آپ ﷺ نے ابھی جبرائیل علیہ السلام کی صرف آواز سنی تھی آپ ﷺ نے جبرائیلؑ کو دیکھا نہ تھا مگر اس کے کچھ دنوں بعد آپ ﷺ نے جبرائیل کو دیکھا اس واقعے کو حضرت خدیجہؓ نے یوں بیان کیا ہے۔

میں اُس دن نبی اکرم ﷺ کے ساتھ غارِ حرا میں تھی نبی اکرم ﷺ باہر تشریف لے گئے پھر بہت دیر تک واپس تشریف نہ لائے تو میں پریشان ہوگئی۔ میں نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ وہ مکہ جائیں اور آپ ﷺ کو تلاش کریں۔

کافی دیر بعد میرے آدمی مکہ سے ہو کر واپس آ گئے اور انھوں نے کہا کہ آپ ﷺ مکہ میں کہیں نہیں ہیں تب بھی آنحضرت محمد ﷺ واپس تشریف نہ لائے تھے۔

پھر آپ ﷺ خود ہی تشریف لے آئے۔

تو میں نے آپ ﷺ سے کہا، اے ابوالقاسم:

آپ ﷺ کہاں رہ گئے تھے میرے آدمی تو آپ ﷺ کو مکہ بھر میں تلاش کر آئے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: خدیجہؓ جب میں یہاں سے نکلا تو مکہ جانے کی بجائے پہاڑ کی ایک جانب چلا گیا۔ تب میں نے اُسے دیکھا؛

ہر سمت وہی تھا وہ زمین سے آسمان تک تھا اور میں جس طرف بھی رخ کرتا وہ میرے سامنے ہی ہوتا۔

پھر اُس نے کہا؛

اے محمد: (ﷺ) میں جبرائیل ہوں، آپ کو خوشخبری ہو، آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس امت کے راہبر (نبی) ہیں۔ میں وہیں رُک کر اس آواز کی طرف دیکھنے لگا۔ نہ میں اپنی جگہ سے آگے بڑھتا تھا اور نہ وہ اپنی جگہ سے پیچھے ہٹتا تھا۔

میں وہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا مگر خوف نے مجھ پہ غلبہ حاصل کر لیا تھا۔
میں ان پر سے نظریں ہٹا کر آسمان کے کناروں کی طرف دیکھتا مگر جہاں تک میری نظر جاتی تھی وہ میرے سامنے ہی ہوتا تھا۔
میں دیر تک اسی حالت میں کھڑا رہا کہ نہ میں اپنی جگہ سے آگے بڑھتا تھا نہ پیچھے ہٹتا تھا۔
چنانچہ میرا خیال ہے کہ جب تم نے میری تلاش میں اپنے آدمی مکے کی طرف روانہ کیے تب میں وہیں کھڑا تھا اور جب وہ واپس آئے تب بھی میں وہیں کھڑا تھا۔ آخر جب جبرائیل میرے سامنے سے ہٹ گئے تب میں تمھاری طرف آنے کے لیے چلا۔
حضرت خدیجہ آپ ﷺ کو لے کر گھر تشریف لے آئیں۔
تاہم آنحضرت محمد ﷺ کا خوف کم نہ ہوا تھا۔
آپ ﷺ کو خوفزدہ دیکھ کر حضرت خدیجہؓ نے کہا: اے میرے چچا کے بیٹے۔
آپ ﷺ کوئی غم نہ کریں آپ ﷺ کو خوشخبری ہو مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے آپ ﷺ یقیناً اس امت کے نبی ہیں۔
اس کے بعد حضرت خدیجہؓ نے کپڑے تبدیل کیے اور ورقہ بن نوفل کی طرف گئیں جو آپ کے چچا کے بیٹے تھے اور الہامی کتابوں کے عالم تھے۔ وہ پہلے یہودی تھے پھر انھوں نے نصرانیت اختیار کر لی تھی۔
حضرت خدیجہؓ نے ورقہ بن نوفل سے کہا:
میرے چچا کے بیٹے!
محمد ﷺ کہتے ہیں کہ انھیں جبرائیل علیہ السلام ملے ہیں اور نھوں نے کہا ہے کہ آپ ﷺ اس امت کے نبی ہیں۔
یہ سن کر ورقہ بن نوفل حیران رہ گئے اور کہا:
قدوس، قدوس
خدا کی قسم! خدیجہؓ اگر تم سچ کہہ رہی ہو تو اس بات میں کوئی شک نہیں کہ آپ ﷺ ہی اس امت کے نبی ہوں گے اور اِن کے پاس وہی ناموس اکبر اترا ہے جو حضرت موسیٰؑ کے پاس آیا کرتا تھا۔

حضرت خدیجہؓ واپس اپنے گھر آ گئیں اور وہ سب کچھ نبی اکرم ﷺ کو بتایا جو کچھ ورقہ بن نوفل نے کہا تھا۔

غالباً اسی دن یا اس سے اگلے دن جب نبی اکرم ﷺ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے تو ورقہ بن نوفل نے آپ ﷺ کو آ لیا۔ ورقہ بن نوفل بھی بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے۔

انھوں نے آپ ﷺ سے کہا؛

اے میرے بھتیجے جو کچھ تم نے پہاڑ پہ سنا اور دیکھا اُس کے متعلق مجھے بتاؤ؟

آپ ﷺ نے پورا واقعہ ورقہ کو کہہ سنایا:

ورقہ بن نوفل نے آپ ﷺ سے کہا؛

خدا کی قسم! یہ وہی ناموس اکبر ہے جو حضرت موسیٰؑ کے پاس اترا کرتا تھا۔ یاد رکھیے آپ ﷺ کو جھٹلایا جائے گا، تکلیفیں پہنچائی جائیں گی آپ ﷺ کا شدت سے انکار کیا جائے گا اور آپ ﷺ سے جنگیں کی جائیں گی بھتیجے اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو یقیناً آپ ﷺ کی معاونت کروں گا۔

اس کے بعد ورقہ بن نوفل نے آنحضرت محمد ﷺ کا سر اپنے ہاتھوں میں لیا اور آپ ﷺ کے سر کا بوسہ لیا۔

حضرت خدیجہؓ اِن پے در پے واقعات کی وجہ سے پریشان تھیں اس لیے وہ ایک اور عالم کے پاس پہنچیں اور اس کا نام عداس تھا۔ [64*] یہ شخص ایک نصرانی راہب تھا اور نینوا کا رہنے والا تھا وہ پہلے عتبہ بن ربیعہ کا غلام تھا۔

جب حضرت خدیجہؓ عداس کے ہاں پہنچیں تب عداس بہت بوڑھا ہو چکا تھا اتنا بوڑھا کہ اُس کی بھنویں اُس کی آنکھوں پہ گر چکیں تھیں اس لیے اُس نے جھک کر حضرت خدیجہؓ کو دیکھا مگر پھر بھی پہچان نہ سکا۔

مگر جب حضرت خدیجہؓ نے اُس کو پکارا اور کہا:

صبح بخیر عداس؛

تب اُس نے حضرت خدیجہؓ کی آواز سن کر اُن کو پہچان لیا اور کہا:

ایسا لگتا ہے یہ آواز سیدۃ القریش خدیجہؓ کی ہے۔

ہاں! عداس تم نے مجھے خوب پہچانا ہے۔

عداس نے کہا: میرے قریب آ جاؤ اس لیے کہ بڑھاپے کی وجہ سے میں اونچا سننے لگا ہوں اور مجھے بتاؤ کہ تم پہ کیا گزری ہے۔

حضرت خدیجہؓ اُس کے قریب گئیں اور اُس سے کہا:

اے عداس میں تجھے خدا کی قسم دے کر کہتی ہوں میں جو بات تم سے پوچھوں اُس کا سچ سچ جواب دینا ؟

عداس نے کہا: پوچھو؟ میں انشاء اللہ سچ ہی بولوں گا۔

حضرت خدیجہؓ نے عداس سے کہا:

کیا تم جرائیل علیہ السلام کے متعلق کچھ جانتے ہوں؟

نصرانی راہب عداس حضرت خدیجہؓ کے منہ سے حضرت جرائیل علیہ السلام کا نام سن کر ششدر رہ گیا اور کہا:

قدوس، قدوس،

عداس نے کہا:

حیرت کی بات ہے کہ جو لوگ بتوں کو پوجتے ہیں اُن کی زبان پہ آج جرائیل علیہ السلام کا نام آ گیا ہے۔ عداس نے کہا:

خدیجہؓ، میں ضرور تم کو جرائیل علیہ السلام کے متعلق بتاؤں گا مگر پہلے تم مجھے بتاؤ کہ تم نے یہ نام کہاں سے سنا ہے۔

تب حضرت خدیجہؓ نے عداس کو پوری تفصیل سے بیان کیا کہ حضرت جرائیل علیہ السلام میرے شوہر محمد بن عبداللہ (ﷺ) پہ اترتے ہیں۔

عداس ایک بار پھر حیران رہ گیا۔

مگر اُس نے فوراً ہی کہا؛ خدیجہؓ مبارک ہو!

جرائیل صرف اسی کی طرف اترتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کے لیے چن لیا

ہو۔حقیقت میں جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ اور انبیاء ورسل کے مابین سفیر ہیں اور اللہ کا کلام لے کر اللہ کے انبیاء ورسل کی طرف اترتے ہیں۔شیطان کو اس بات کی طاقت نہیں کہ وہ جبرائیل علیہ السلام کی شکل اختیار کر کے کسی پہ اتر سکے۔اس لیے خدیجہؓ خوش ہو جاؤ کہ اُس کے ہاں تمھارا رتبہ اتنا بلند ہو گا جس کا تم نے کبھی تصور بھی نہ کیا ہو گا۔

حضرت خدیجہؓ خوشی خوشی واپس آ گئیں اور آنحضرت محمد ﷺ کو اس پوری تفصیل سے آگاہ کیا۔اس کے کچھ ہی دنوں بعد رمضان شروع ہوا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کی طرف پہلی بار اللہ کا کلام لے کے اترے۔

مورخین نے بیان کیا ہے کہ وہ پیر کا دن تھا اور رمضان المبارک کی اکیسویں رات تھی [65*] غالباً رات کا آخری پہر تھا اور نبی اکرم ﷺ حسب عادت غارِ حرا میں تھے اور فکر و مراقبہ میں مشغول تھے کہ اچانک ہی جبرائیل علیہ السلام اُن کے سامنے اترے اور آپ ﷺ سے کہا:

اقرا (پڑھیے)۔

نبی اکرم ﷺ نے کہا میں پڑھنا نہیں جانتا۔

تب جبرائیل نے مجھے اپنے قریب کیا اور مجھے اس شدت سے بھینچا کہ مجھے گمان ہوا کہ میری ہڈیاں ٹوٹ جانے کو ہیں۔

پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا؛

اِقرا (پڑھیے)!

میں نے کہا؛

کیا پڑھوں، میں پڑھنا نہیں جانتا۔

جبرائیل علیہ السلام نے مجھے پکڑ لیا اور اس زور سے بھینچا کہ میں سمجھا کہ موت بس قریب ہی آ لگی ہے۔

اس کے بعد انھوں نے مجھے چھوڑ دیا اور پھر سے کہا: پڑھیے۔

میں نے کہا: کیا پڑھوں۔

انھوں نے مجھے پھر پکڑ لیا اور اس زور سے بھینچا کہ مجھے اس سے سخت تکلیف محسوس ہوئی اور میں تھکن

کا شکار ہو گیا۔

اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھیے۔

اَقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ○ الَّذِی عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ○

القرآن الحکیم (سورۃ علق ۹۶ ؛ آیات ۱-۵)

ترجمہ؛

"اے پیغمبر! آپ پر جو قرآن نازل ہوا ہے اسے پڑھیں اپنے رب کا نام لے کر جس نے مخلوقات کو پیدا کیا ہے اور جس نے پیدا کیا انسان کو خون کے لوتھڑے سے آپ قرآن پڑھا کیجئے کہ آپ کا رب بڑا کریم ہے جس نے انسان کو قلم سے تعلیم دی اسے اِن چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہیں جانتا تھا"۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام چلے گئے۔

آنحضرت محمد ﷺ جو نہایت خوفزدہ تھے کہ اُن کو پہلی دفعہ ایسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا تھا جس کا آپ ﷺ کو شعور نہ تھا۔ آپ ﷺ جبل نور کے دامن میں اُس خیمے کی طرف روانہ ہوئے جس میں حضرت خدیجہؓ اُن کی منتظر تھیں جب آپ ﷺ وہاں پہنچے تو پسینہ پسینہ ہو رہے تھے اور آپ ﷺ کا جسم مبارک ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔

حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ کو اس حالت میں دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

زَمِّلُوْنِی - زَمِّلُوْنِی

مجھے اوڑھا دو! مجھے اوڑھا دو۔

آپ ﷺ کو کپڑا اوڑھا دیا گیا۔

کچھ دیر بعد آپ ﷺ کا خوف دور ہو گیا۔

تب آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کو تمام واقعہ کہہ سنایا اور کہا:

خدیجہؓ مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔

کتاب امتاع میں لکھا ہے کہ مجھے اپنی عقل کی طرف سے خطرہ ہو گیا ہے۔

حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو تسلی دی اور کہا؛

میرے چچا کے بیٹے!

حوصلہ کیجیے خدا کی قسم؛ اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا اس لیے کہ آپ تو صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔احسان فرمانے والے ہیں۔امانت دار ہیں اور ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔شیطان کبھی آپ ﷺ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

اس کے بعد حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ کو مکے لے آئیں۔

پھر آپ ﷺ کو ساتھ لے کر اپنے چچا زاد ورقہ بن نوفل کے پاس پہنچیں اور اُن سے کہا: میرے چچا کے بیٹے دیکھو محمد ﷺ کیا کہتے ہیں۔

تب آپ ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کے اترنے اور قرآن کے نازل ہونے کے متعلق پوری تفصیلات بیان کیں۔

ورقہ بن نوفل کچھ دیر خاموش رہے اور پھر کہا:

آپ ﷺ کو مبارک ہو آپ کو اس قوم کی راہنمائی کے لیے چُن لیا گیا ہے۔اے کاش میں اس وقت جوان ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو جھٹلائے گی آپ کا انکار کرے گی اور آپ کو یہاں سے نکال دے گی۔

نبی اکرم ﷺ نے جب یہ سب کچھ سنا تو آپ ﷺ حیران رہ گئے اور فرمایا:

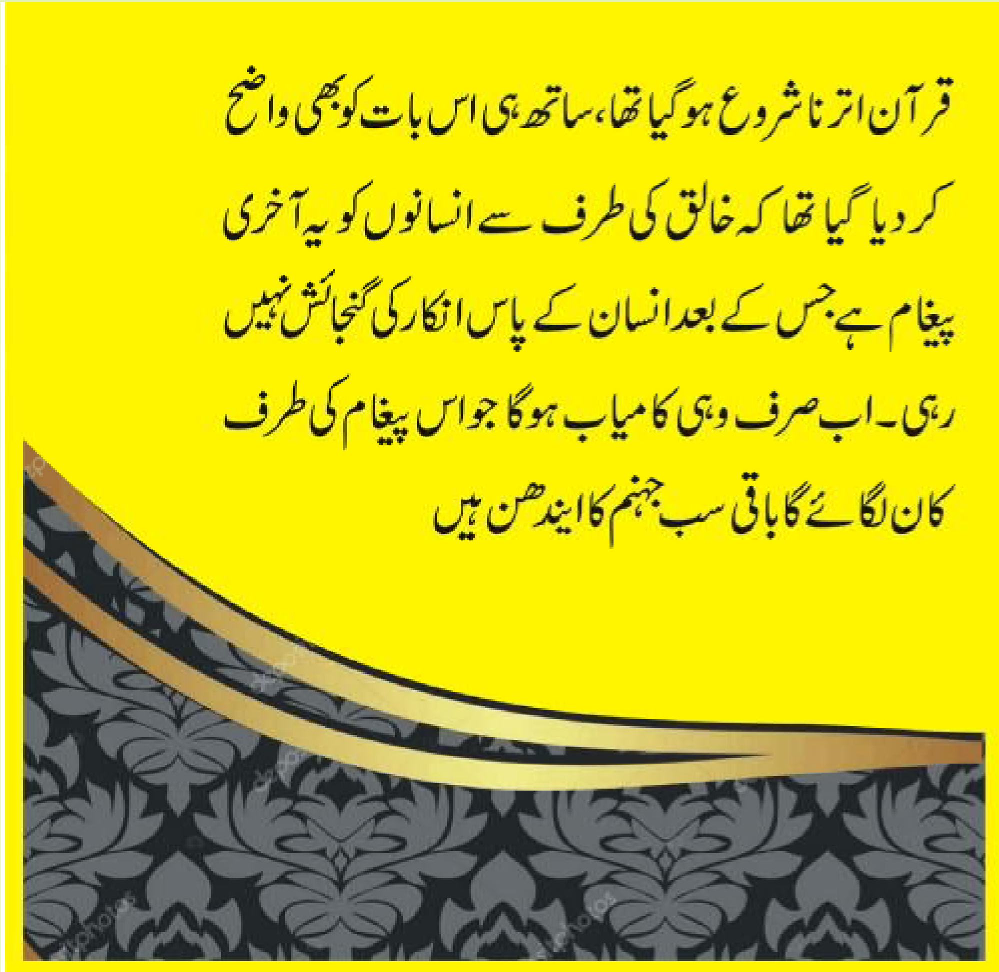
کیا یہ لوگ مجھے میرے وطن سے نکال دیں گے؟

ہاں ورقہ بن نوفل نے جواب دیا۔

اس لیے کہ آپ ﷺ سے قبل جس نے بھی اپنی قوم کو ہدایت اور راہنمائی کی طرف بلایا ہے اُسے اپنی قوم کی طرف سے شدائد کا سامنا کرنا پڑا ہے،ہجرت کرنی پڑی ہے۔چنانچہ وحی اترنے کے بعد

آپ ﷺ نے سب سے پہلے اپنی بیوی حضرت خدیجہؓ کو دین اسلام کی دعوت دی جنھوں نے فوراً ہی اسے قبول کر لیا۔ اُن کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسلام قبول کیا اور پھر حضرت علیؓ اسلام میں داخل ہوئے۔

اگرچہ بعض مورخین کے مطابق حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ سے بھی پہلے حضرت زید بن حارثہؓ آپ ﷺ پہ اسلام لائے۔[66*]


قرآن اترنا شروع ہو گیا تھا، ساتھ ہی اس بات کو بھی واضح
کر دیا گیا تھا کہ خالق کی طرف سے انسانوں کو یہ آخری
پیغام ہے جس کے بعد انسان کے پاس انکار کی گنجائش نہیں
رہی۔ اب صرف وہی کامیاب ہو گا جو اس پیغام کی طرف
کان لگائے گا باقی سب جہنم کا ایندھن ہیں

کیفیات وحی

اماں عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پہ وحی کا آغاز اس وقت ہوا جب میں حالت بیداری میں تھا۔حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں مزید بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ پہ وحی کا آغاز سچے خوابوں کی صورت میں ہوا۔آپ ﷺ رات کو جو خواب دیکھتے دن کے اجالے میں وہ اسی طرح نمودار ہو جاتا۔پھر اللہ تعالٰی نے آپ ﷺ کے نزدیک خلوت گزینی کو محبوب بنا دیا حتیٰ کہ حق آپ ﷺ پہ اتار دیا گیا اور اس وقت آپ ﷺ غارِ حرا میں تشریف فرما تھے۔چنانچہ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں جن سچے خوابوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ نزول وحی سے پہلے کے واقعات ہیں اور اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ پہ وحی اتارنے سے پہلے بھی تشریف لایا کرتے تھے۔بیداری میں وحی اتارنے سے پہلے نیند کی حالت میں وحی اترنے کی مصلحت بیان کرتے ہوئے علماء وفقہا نے لکھا ہے کہ اس کا مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ سے آسانی اور نرمی کی جائے اور آپ ﷺ کا قلب مبارک تدریجاً وحی کی استعداد حاصل کر لے اس لیے کہ یہ ایک

بارِگراں تھااورانسان اس کی نسبت اپنی سرشت کے حوالے سے کمزور ہے۔اسی ضمن میں حضرت عامر شعبیؒ صحیح سند کے ساتھ یہ بات بیان کرتے ہیں کہ وحی اترنے سے پہلے حضرت اسرافیل تین سال تک آپ ﷺ کے ہمراہ رہےاورآپ ﷺ کواسرارنبوت کی تعلیم دیتے رہے،ساتھ میں آپ ﷺ کووحی قبول کرنے کی استعداد حاصل کرنے کے متعلق آپ ﷺ کی تربیت بھی کرتے رہے۔وہ آپ ﷺ سے محو کلام ہوتے تھے پھر جب وہ رخصت ہوئے تب حضرت جبرائیل علیہ السلام قرآن حکیم لے کرآپ ﷺ کی طرف اترے۔حضرت عامر شعبیؒ کی اُس روایت میں وحی کی مختلف کیفیات کو بھی بیان کیا گیا ہے ۔جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا جاچکا ہے کہ آپ ﷺ پہ وحی کا آغاز سچے خوابوں سے ہوااور سچے خوابوں کی صورت وحی آپ ﷺ کے علاوہ دیگر پیغمبروں پہ بھی اترا کرتی تھی ۔جیسا کہ حضرت ابراہیم کے تذکرے میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ انھوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ حضرت اسماعیلؑ کوذبح کررہے ہیں تب انھوں نے حضرت اسماعیل سے کہا کہ:

اِنِّیٓ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیٓ اَذۡبَحُکَ فَانۡظُرۡ مَا ذَاتَرٰی۔

القرآن الحکیم (سورۃ الصافات ۳۷؛ آیات ۱۰۲)

میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تمھیں ذبح کررہاہوں اب بتا کہ تیری کیارائے ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

حضرت اسماعیلؑ نے جواب دیا:

قَالَ یٰٓاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ سَتَجِدُنِیٓ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ O

القرآن الحکیم (سورۃ الصافات ۳۷؛ آیات ۱۰۳)

ترجمہ:

کرڈالیے آپ کوجس امر کا حکم دیا گیا ہے آپ مجھے انشاءاللہ صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

وحی کی کیفیات کا ذکر کرتے ہوئے علمائے تاریخ نے لکھا ہے کہ سچے خوابوں کی صورت وحی اترنے کے علاوہ وحی کی ایک شکل یہ بھی تھی کہ اللہ کا فرشتہ آپ ﷺ کو دکھائی دیئے بغیر آپ ﷺ کے پاس آتا اور کوئی بات آپ ﷺ کے قلب مبارک میں ڈال دیتا جیسا کہ اس ضمن میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رَوْعِیْ اَنَّہٗ لَنْ تَمُوْتَ نَفْسٌ حَتّٰی تَسْتَکْمِلَ اَجَلَھَا وَ رِزْقَھَا فَاتَّقُوْا اللّٰہَ وَ اَجْمِلُوْا فِیْ الطَّلَبِ۔

روح القدس نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرسکتا جب تک وہ اپنی مدت اور رزق کو مکمل نہ کرلے اس لیے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور طلب رزق میں خوبصورت طریقے اختیار کرو" [67*]

❖❖❖❖❖❖❖❖

مجاہدؒ کا قول ہے کہ وحی کی اس صورت کی تصدیق قرآن حکیم کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ؛

وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا وَحْیًا ۔

القرآن الحکیم (سورۃ شوریٰ ۴۲ ؛ آیات ۵۱)

"اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہو اِلا یہ کہ وحی کی صورت میں"۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

وحی کی اس صورت کو وحی بالقاء بھی کہا گیا ہے۔ وحی کی ایک صورت یہ تھی جس میں گھنٹیوں کی سی آواز سنائی دیتی تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ وحی کا یہ طریق اُن کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ تھا۔ جب نزول وحی کی یہ کیفیت ختم ہوجاتی تب جو کچھ آپ ﷺ نے سنا ہوتا وہ آپ کو یاد

ہو جاتا۔وحی کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ اللہ کا فرشتہ کسی انسان کی شکل میں ظاہر ہوتا اور اللہ کا پیغام نبی اکرم ﷺ کو منتقل کرتا۔عام طور پہ حضرت جبرائیل علیہ السلام دحیہ بن کلبیؓ کی شکل میں نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا کرتے تھے۔دحیہ بن کلبیؓ بہت حسین و جمیل تھے۔بیان کیا گیا ہے کہ جب دحیہ کلبی مدینہ منورہ میں آئے تو مدینہ کی خواتین نے اُن کو دیکھا کہ وہ حسن و جمال کی انتہا پہ تھے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

نبی اکرم ﷺ نے حضرت جبرائیل کو اُس شکل میں بھی دیکھا ہے جس میں انھیں اللہ تعالیٰ نے تخلیق فرمایا ہے۔حضرت جبرائیل کے چھ سو پر تھے جن سے ہمہ وقت موتی اور جواہرات بکھرتے رہتے تھے۔[*68]

❖❖❖❖❖❖❖❖

نزول وحی کا پانچواں طریق یہ ہے کہ؛

اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء ورسل سے پردے کے پیچھے سے بھی ہم کلام ہوا کرتے تھے''۔چنانچہ امام رازی کے حوالے سے ترمذی میں یہ روایت مذکور ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''میرا پروردگار میرے پاس احسن صورت میں آیا اور مجھ سے سوال کیا؟

محمد ﷺ کیا تم جانتے ہو ملاء اعلیٰ کس بات پہ جھگڑ رہے ہیں؟

میں نے کہا:

میرے پروردگار میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔

تب اللہ تعالیٰ نے اپنا دستِ قدرت میرے شانوں کے درمیان رکھا اور میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی اس کے بعد میرے لیے ہر چیز کا علم عیاں ہو گیا۔

تب میں نے اپنے پروردگار سے کہا: اے میرے رب۔

ملاء اعلیٰ کفارات کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں۔

میرے پروردگار نے پھر مجھ سے سوال کیا؟

اور کفارات کیا ہیں؟

مگر اب مجھ پہ بہت کچھ کھول دیا گیا تھا اس لیے میں نے کہا؛

اے میرے رب!

کفارات یہ ہیں، ناپسندیدگی کے لمحات میں وضو کرنا، بھلائیوں کی طرف چل کے جانا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

چنانچہ جس شخص نے سعادت کے یہ اعمال سرانجام دینے کی صلاحیت حاصل کر لی اس نے قابل ستائش زندگی بسر کی اور اس کی موت قابل فخر ہو گی وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا جیسے کہ اُس کی ماں نے اسے ابھی جنم دیا ہو۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

علامہ برہان الدین حلبیؒ نے وحی کی کیفیات بیان کرتے ہوئے سیرت حلبیہ میں لکھا ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ پر جب وحی نازل کی جاتی تو آپ ﷺ اس سے بہت تکلیف محسوس کرتے تھے۔ آپ ﷺ کو سخت بوجھ اور تھکان محسوس ہوا کرتی۔ یہاں تک کہ شدید سردی کے موسم میں بھی حالت وحی میں آپ ﷺ کے ماتھے سے پسینہ بہنا شروع ہو جاتا۔ آپ ﷺ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور وحی کے بعد آپ ﷺ اس طرح گہرے گہرے سانس لیتے جیسے کہ میلوں پیدل چل کے آئے ہوں۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

حضرت زید بن حارثہؓ نے روایت کی ہے کہ:

جب آنحضرت محمد ﷺ پہ وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ کو اس کا بہت بوجھ محسوس ہوا کرتا ۔ایک مرتبہ جب آپ ﷺ پہ وحی نازل ہوئی تب آپ ﷺ میری ران پہ اپنی ران رکھے آ

رام فرما رہے تھے۔ جونہی اللہ کا فرشتہ اللہ کا کلام لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو خدا کی قسم میں نے اپنی ران پہ اتنا بوجھ محسوس کیا کہ مجھے لگا ابھی میری ران ٹوٹ جائے گی۔ اس کے بعد جب آپ ﷺ اس کیفیت سے باہر آئے تو وہ بوجھ جو میری ٹانگ کو توڑنے والا تھا اچانک ہی ختم ہو گیا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

ایک اور حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ؛

جب کبھی آپ ﷺ پہ اس حالت میں وحی نازل ہوتی کہ آپ ﷺ سوار ہوں تب وہ اونٹ جس پہ آپ ﷺ سوار ہوں وہ وحی کی اس کیفیت کا بوجھ شدت سے محسوس کرتا اور کانپنے لگتا۔ اس کا پسینہ چھوٹ جاتا اور وہ اپنی ٹانگوں پہ کھڑا ہونے کے قابل نہ رہتا حتیٰ کہ بیٹھ جاتا اور آپ ﷺ اُس پر سے اتر آتے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

مورخین نے بیان کیا ہے کہ؛

جب آنحضرت محمد ﷺ پہ سورۃ مائدہ نازل ہوئی تو آپ ﷺ اس وقت غضباء نامی اونٹنی پہ سوار تھے اور کہیں جا رہے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ پہ وحی کی کیفیت شروع ہوئی اور اونٹنی اس بوجھ کو برداشت نہ کر سکی وہ گر گئی مگر گرنے سے پہلے ہی اس کے شانے کی ہڈی ٹوٹ چکی تھی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

ایک اور روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ:

غضباء کا شانہ ٹوٹ گیا تھا اس لیے آپ ﷺ کو اس سے اترنا پڑا اور یہ وحی کا بوجھ تھا جس کو وہ برداشت کرنے کے قابل نہ تھی اس لیے گر گئی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

علماء نے حالت وحی کے بیان میں لکھا ہے کہ جب آپ ﷺ پہ وحی کی جاتی تب آپ ﷺ پہ غنودگی کی کیفیت طاری ہوجاتی آپ ﷺ دنیا سے کٹ جاتے اور پوری طرح اللہ کی طرف متوجہ ہوجاتے۔

وحی کی یہی سات کیفیات ہیں جن کو ہم نے بیان کردیا ہے اور یہ بیان ہمارے علم کی حد تک محدود ہے کہ سارے علم کا مالک تو اللہ رب العزت ہی کی ذات ہے۔[*69]

❖ ❖ ❖

یہ قریش کی جہالت تھی کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی بات کو غور سے نہ سنا اور اللہ کی کتاب میں جو حقائق اتارے جا رہے تھے اُن کا انکار کیا۔ اہل مکہ میں اکثر و بیشتر کا تعلق خود رسول اللہ ﷺ کے اپنے ہی خاندان سے تھا مگر حیرت ہے کہ انھوں نے اقرار کی بجائے انکار کی راہ اپنائی۔ اس سے بڑی بدقسمتی کی اور کیا بات ہوسکتی تھی۔



علمائے حدیث نے بیان کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ پہ پہلی وحی اترنے کے بعد کچھ عرصے تک وحی اترنے کا سلسلہ رک گیا تھا جس کی وجہ سے آپ ﷺ پریشان رہنے لگے تھے۔اس پریشانی کی وجہ یہ تھی کہ اُس برہان ودلیل کا آپ ﷺ کو بے چینی سے انتظار تھا جس میں راہ ہدایت واضح ہو اور اسے وہ اپنی قوم تک پہنچائیں کیونکہ اپنی قوم کی جہالت اور اعمال وافعال سے تو آپ ﷺ ایک مدت سے آشنا تھے اور جانتے کہ وہ جاہلیت میں مبتلا ہیں۔اس لیے آپ ﷺ چاہتے تھے کہ جلد از جلد وہ پیغام حق آپ تک پہنچے جس میں آپ ﷺ کی قوم کی فلاح ہے۔چنانچہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ سورۃ علق کی آیات لے کر اترنے کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام کافی عرصہ تک آپ ﷺ کے سامنے نہیں آئے اور اس کے بعد آپ ﷺ پہ سورۃ مدثر کی کچھ آیات نازل کی گئیں۔چنانچہ سورۃ علق کی آیات اور سورۃ مدثر کی آیات کے اترنے کے درمیانی عرصے کو ہی فترۃ وحی کہا جاتا ہے۔

بعض لوگوں نے کہا کہ؛

اس وقفہ میں یہ حکمت کارفرما تھی کہ آنحضرت محمد ﷺ کے قلب مبارک پہ پہلی وحی کی وجہ سے جو خوف طاری ہوا تھا وہ کسی حد تک دور ہو جائے اور یہ بھی کہ آپ ﷺ کے دل میں وحی قبول کرنے

کی استعداد بیدار ہو اور آپ ﷺ اس کے شوق میں بے قرار رہیں۔ چنانچہ خالق کائنات کے مطلوبہ مقاصد حاصل ہوئے۔

تاہم اس دوران نبی اکرم ﷺ وحی نہ آنے کی وجہ سے پریشان رہنے لگے۔ آپ ﷺ ناموس اکبر کے منتظر تھے، بے چین و بے قرار تھے۔ اور اسی بے قراری کو لیے ہوئے آپ ﷺ کئی بار کوہ ثبیر پہ گئے اور کئی بار کوہ حرا کی طرف گئے۔ تب ایک دن آپ ﷺ کی ملاقات کوہ ثبیر پہ جبرائیل علیہ السلام سے ہوئی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام اس وقت اپنی اصل شکل میں تھے وہ ایک کرسی پہ بیٹھے تھے جو شمال سے لے کر جنوب تک چلی گئی تھی اُن کے چھ سو پر پھیلے ہوئے تھے جو آسمانوں کو ڈھانپ رہے تھے۔ چنانچہ اس سے قبل کہ آپ ﷺ پہ پھر سے خوف کی حالت طاری ہو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا:

اے محمد (ﷺ)

"غم نہ کریں کیونکہ درحقیقت آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں"۔

اس ملاقات سے آپ ﷺ کو قدرے اطمینان حاصل ہوا اور آپ ﷺ امید کرنے لگے کہ اللہ یقیناً آپ ﷺ پہ کرم فرمائے گا۔ اس ساری مدت میں جس کا دورانیہ حقیقی طور پہ معلوم نہیں ہو سکا حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت محمد ﷺ کی ہر طرح سے دلجوئی کی۔ آپ ﷺ کو حوصلہ عطا فرمایا اور ہر قدم پہ آپ ﷺ کو اپنے تسلی آمیز دلاسوں سے آپ ﷺ کی حوصلہ افزائی کی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی توصیف فرمائی اُن کے لیے بشارات اتاریں۔

❖❖❖❖❖❖❖

امام سہیلی نے الروض الانف میں لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے فرمایا: اے خدیجہؓ۔

یہ جبرائیل ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پیامبر ہیں اللہ نے آپ کو سلام کہا ہے۔

حضرت خدیجہؓ نے جواب میں فرمایا؛

اللہ تو خود ہی سلام ہیں اور ہر کسی کو انھی کے در سے سلامتی حاصل ہوتی ہے۔

اور جبرائیل علیہ السلام پہ سلامتی ہو۔

یہ ایک خوبصورت جواب تھا جو اُن کی دانش پہ دلیل ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

ابن اسحاق نے ہشام بن عروہ سے عروہ نے اپنے والد زبیر سے اور زبیر نے عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب سے روایت کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں حضرت خدیجہؓ کو یہ خوشخبری دوں کہ اللہ تعالیٰ نے اِن کے لیے جنت میں موتیوں سے بنا ہوا ایک محل مختص کیا ہے جس میں نہ کوئی شور ہوگا نہ کوئی کوفت"

❖❖❖❖❖❖❖❖

فترۃ وحی کے بارے میں یہ کہنا کہ پہلی آیات اور اور دوسری آیات کے مابین کتنا عرصہ گزرا مشکل ہے اس لیے کہ اس بارے میں بے شمار اقوال ہیں جن سے معاملہ الجھ کے رہ گیا ہے۔

کسی نے کہا فترۃ وحی کا عرصہ چالیس دن تھا۔

ایک اور روایت ہے کہ فترۃ وحی کا عرصہ پندرہ دن تھا۔

کسی نے کہا! یہ عرصہ بارہ دن ہے۔

ایک قول کے مطابق یہ عرصہ تین دن کا تھا۔

اور کسی نے کہا کہ فترۃ وحی کا عرصہ کا اڑھائی سال پہ محیط تھا۔

ایک قول کے مطابق وحی میں یہ تعطل تین سال تک برقرار رہا۔

چنانچہ مختلف اقوال جو اس سلسلے میں مذکور ہیں معاملے کو الجھا دیتے ہیں۔ تاہم علماء اور صاحب دانش فقہا نے اِن اقوال پہ عمدہ تحقیقی مباحث چھوڑے ہیں۔ مگر ابن اسحاق سمیت کسی نے بھی درست عرصے کا تعین نہیں کیا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

چنانچہ برہان الدین حلبی نے لکھا کہ:

تین بارہ اور پندرہ دن کی روایات اس لیے قابل توجہ نہیں کہ اتنا تھوڑے سے عرصے تک قرآن کا نہ اترنا نبی اکرم ﷺ کے لیے اس قدر پریشانی کا باعث نہ بن سکتا تھا کہ آپ ﷺ انتہائی بے چینی محسوس کریں۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

فتح الباری میں لکھا ہے کہ ابن اسحاق نے فترۃ وحی کی مدت تین سال بیان کی ہے۔

علامہ سہیلی نے بعض روایات کی بنا پہ لکھا ہے کہ؛

فترۃ وحی کی مدت ایک سال تھی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

تاہم حافظ ابن حجر نے علامہ سہیلی کے اس خیال پہ نقطہ چینی کی ہے اور لکھا ہے کہ علامہ سہیلی نے جن روایات پہ اعتماد کیا ہے وہ ثابت شدہ اقوال نہیں ہیں کیونکہ حضرت ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ فترۃ وحی کی مدت محض چند دن تھی مگر دیگر علماء نے حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کو نہیں لیا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

چنانچہ بعض محدثین نے جن میں عامر شعبی بھی شامل ہیں کہا ہے کہ فترۃ وحی دراصل وہی زمانہ ہے جس میں حضرت اسرافیل آنحضرت محمد ﷺ کے ہمراہ رہے اور وہ زمانہ اقرا اور سورۃ مدثر کی آیات کا درمیانی زمانہ ہے اور اس کی مدت تین سال بیان کی گئی ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

چنانچہ علامہ ابن عبدالبر نے شعبی کے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور لکھا ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کی عمر چالیس سال کی ہوئی تو حضرت جبرائیل آپ ﷺ پہ سورۃ علق کی آیات لے کر اترے۔اس کے

بعد تین سال تک حضرت اسرافیل آپ ﷺ کے ہمراہ رہے اور یہی آپ ﷺ کی نبوت کا زمانہ ہے۔اس کے بعد آپ ﷺ کو رسالت کے منصب پہ فائز کیا گیا۔یاد رہے کہ کسی آدمی کو اسی وقت سے نبی کہا جائے گا جب اُس پہ وحی آ گئی مگر اُس کو رسول تب کہا جائے گا جب اُس کو اللہ کا پیغام لوگوں کی طرف پہنچانے پہ مامور کیا جائے جب وہ لوگوں کو ڈرانا شروع کرے جب وہ لوگوں کو دین حق کی دعوت دے اور یہ بھی کہ انبیاء بہت زیادہ ہیں جب کہ رسولوں کی تعداد تین سو سے کچھ اوپر ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

علامہ اصفہانی نے عیون الاثر میں جو لکھا ہے اس میں بھی انھوں نے ایسی ہی بات کی ہے صاحب عیون الاثر بھی علامہ شعبی کے قول کو درست جانتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ پہلی وحی اترنے کے بعد حضرت اسرافیل نبی اکرم ﷺ کے ساتھ منسلک ہو گئے حتیٰ کہ آپ ﷺ کی نبوت کا عرصہ تمام ہوا اور آپ ﷺ کو رسالت کا منصب سونپا گیا۔

وہ لکھتے ہیں کہ اگرچہ حضرت اسرافیل آنحضرت محمد ﷺ کے پاس آتے رہے اور آپ ﷺ سے ہمکلام رہے مگر وہ قرآن لے کر آپ ﷺ کی طرف نہیں اترے تھے اس لیے کوئی ایک بھی آیت ایسی نہیں جس کو وہ لے کے اترے ہوں بلکہ اُن کی ذمہ داری ہی اور تھی اور قرآن کا آپ ﷺ پہ نازل کرنا حضرت جبرائیل کی ذمہ داری تھی۔چنانچہ اگرچہ حضرت اسرافیل آپ ﷺ پہ وحی لے کر اترا کرتے مگر وہ قرآن سے ماسوا ہوتی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

شیخ حافظ دمیاطی نے جو علامہ اصفہانی کے استاد تھے انھوں نے بھی کچھ اسی قسم کی رائے کا اظہار کیا ہے۔صرف علامہ واقدی نے شعبی کی اس روایت کا انکار کیا ہے اور اسے رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ حضرت جبرائیل کے بعد کوئی اور فرشتہ آپ ﷺ کی طرف نہیں اترا تاہم وہ وحی کے اس تعطل کے بارے میں خاموشی اختیار کرتے ہیں جس کو فترۃ وحی کہا گیا ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

حافظ ابن حجر نے واقدی کے اس قول پہ نقد چھوڑا ہے اور لکھا کہ؛

علامہ شعبیؒ نے جو کچھ لکھا ہے وہی صحیح اور محفوظ ہے اور مشہور قول کے مطابق ہے اور دیگر بہت سے علماء نے بھی اسی قول کو درست قرار دیا ہے۔ اس ساری بحث سے کوئی بات کھل کے سامنے نہیں آتی بلکہ معاملہ الجھ کے رہ جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فطرۃ وحی کی مدت سالوں تک محیط ہونے کا تو کوئی جواز ہی نہیں ہے کیونکہ اس دوران قرآن کی کئی سورتیں اترنے کے شواہد موجود ہیں اس لیے یہ عرصہ چند ماہ سے زیادہ نہ رہا ہوگا ۔ واللہ واعلم

❖❖❖

1 نبوی، 12 قبل ہجرت، 21 رمضان 10 اگست 610ء

نمازِ کی فرضیت

تب اللہ کی زمین پر مٹھی بھر ایسے افراد جمع ہو چکے تھے جو نبی اکرم ﷺ پہ ایمان لا کر دنیا اور آخرت کی فلاح سے اپنے دامن سنوار چکے تھے۔ تب گمراہوں کی تعداد اگرچہ کثیر تھی مگر امید کا چراغ روشن ہو چکا تھا اور اس چراغ سے چراغ جلتے جا رہے تھے۔ لوگ اپنے اطوار پہ غور کر رہے تھے اور اپنے آباء کی جاہلیت سے منہ موڑ رہے تھے۔ اسلام کی حقانیت دلوں میں چھید کر رہی تھی تو نبی اکرم ﷺ کی دعوت اور سچائی لوگوں کے لیے کسی مشعل راہ سے کم نہیں تھی اور اُن کے ساتھ نبوت کا وہ نور تھا جس نے لوگوں کی اندھیری راہوں میں اجالا کر رکھا تھا۔ اُن کے گلشن سے خزاں کو چاٹ لیا تھا اور اُن کے صحن میں بہاروں کی آسودگی قطرہ قطرہ اتر رہی تھی۔ اُن کے صحراؤں میں صبا نیم خرام تھی تو اِن کے دلوں میں اِک اضطراب تھا جس نے اُن کو نئی منزلوں کی طرف دھکیل دیا تھا۔ وہ لوگ جن کے دل نرم اور قلب تفکر و تدبر کے ذرا سے بھی عادی تھے وہ خود کو قرآن حکیم سے دور نہ رکھ سکے۔ وہ اُس کی فصاحت اور بلاغت کے سامنے ہتھیار ڈال چکے تھے۔ وہ

جو زبان و بیان کے حسن و فتح سے آخری حد تک آگاہ تھے بھلا اُن سے قرآن کی معجز نما زبان کا حسن کیسے پوشیدہ رہ سکتا تھا۔

چنانچہ آہستگی سے ہی سہی لوگ نبی اکرم ﷺ کے پیغام سے آگاہ ہو رہے تھے اپنے اللہ پہ ایمان لا رہے تھے۔

ابن اسحاقؒ کہتے ہیں کہ؛

مجھے کچھ صاحبِ علم لوگوں نے بتایا کہ اُس دن نبی اکرم ﷺ مکہ معظّمہ کے ایک بلند مقام پہ تھے کہ جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا:

اللہ کی طرف سے آپ ﷺ پہ سلامتی ہو۔

پھر قرآن کی یہ آیت پڑھی!

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ○

''اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے شام کے وقت اور صبح کے وقت''

القرآن الحکیم (سورۃ المومن ۴۰ ؛ آیت 55)

❖❖❖❖❖❖❖❖

پہلے پہل مسلمانوں پہ صرف دو نمازیں فرض کی گئیں ایک غروبِ آفتاب سے پہلے اور دوسری طلوع آفتاب سے پہلے اور حضرت اماں عائشہؓ سے روایت ہے کہ یہ نمازیں دو دو رکعت پہ مشتمل تھیں۔

ابن اسحاقؒ کی روایت میں مزید ہے کہ؛

مکہ کی بالائی وادی میں جبرائیل علیہ السلام حضرت نبی اکرم ﷺ پہ اترے اور وادی کے ایک کنارے پہ اپنا پاؤں مارا تو وہاں سے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا اور اس پانی سے انھوں نے نبی اکرم ﷺ کو وضو کرنے کی تعلیم دی۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے وضو کیا اور جس طرح جبرائیلؑ وضو کرتے اسی طرح آنحضرت محمد ﷺ بھی وضو کرتے رہے۔اس کے بعد حضرت جبرائیلؑ نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور آپ

ﷺ نے حضرت جبرائیلؑ کے ساتھ نماز پڑھی۔
اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام واپس چلے گئے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

امام حسنؒ اور امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ حضر کی نماز میں اضافہ ہجرت سے ایک سال قبل ہوا۔
اس کی تائید میں بہت سے قول ہیں۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

جیسا کہ امام بخاریؒ نے معمر سے انھوں نے امام زہریؒ سے انھوں نے حضرت عروہؓ سے اور انھوں نے اماں حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ؛
پہلے نماز دو رکعت فرض ہوئی تھی پھر جب حضور اکرم ﷺ نے مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی تو سفر کی نماز تو وہی رہی مگر حضر کی نماز چار رکعت کر دی گئی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

ایک روایت میں اس بات کی تشریح کی گئی ہے کہ:
اگر چہ وضو کی آیات مدینہ میں اتریں اور اس بات میں کسی کو شبہ نہیں تاہم مسلمان اپنے اولین دنوں سے ہی وضو کے طریقے سے آگاہ تھے اس لیے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آنحضرت محمد ﷺ کو وضو سکھا دیا تھا۔
جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ کو وضو کرنا اور نماز پڑھنا سکھایا۔ تب اسی دن نبی اکرم ﷺ نے گھر آنے کے بعد حضرت خدیجہؓ کو وضو اور نماز کا طریقہ سکھایا اور حضرت اماں خدیجہؓ نے آنحضرت محمد ﷺ کے ساتھ وضو کیا اور نماز ادا کی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

امام سہیلیؒ نے لکھا ہے کہ؛

مردوں میں سے سب سے پہلے حضرت علیؓ کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ انھوں نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی اور اس وقت اُن کی عمر دس سال اور کچھ مہینے تھی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

ابن اسحاقؒ لکھتے ہیں کہ بعض اہل علم نے اُن سے بیان کیا ہے کہ؛

نماز کے فرض ہو جانے کے بعد جب نماز کا وقت قریب آتا تو نبی اکرم ﷺ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مکہ کی گھاٹیوں میں تشریف لے جاتے اور نماز ادا کرتے۔ دراصل اُنھیں اس بات کا خوف تھا کہ کفار قریش انھیں نماز پڑھتا دیکھ کر ایذا پہنچانے کی کوشش کریں گے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

امام حلبیؒ نے لکھا ہے کہ؛

جب نماز کا وقت ہوتا تو حضرت علیؓ بھی اپنے باپ چچاؤں اور دوسرے عربوں سے چھپتے چھپاتے گھاٹی میں پہنچ جاتے اور نماز ادا کرتے۔ ایک دن جب حضرت علیؓ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نماز ادا کر رہے تھے تو اچانک ہی کہیں سے حضرت علیؓ کے والد حضرت ابو طالب نمودار ہو گئے اور انھیں اس عجیب طریقے سے جس سے وہ آگاہ نہیں تھے عبادت کرتا دیکھ کر حیران رہ گئے اور نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا۔

بھتیجے یہ کیا ہے اور تم نے یہ کون سا دین اختیار کر لیا؟

آنحضرت محمد ﷺ نے جواب دیا:

میرے محترم چچا؛

یہ اللہ کا دین ہے جو اُس کے فرشتے لے کر میری طرف اترتے ہیں اور اللہ نے مجھے کل عالم کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ یہ ہمارے باپ حضرت ابراہیمؑ کا دین ہے جس کی تکمیل میرے ذمے ہے اور میرے چچا آپ اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ میں آپ کو نصیحت کروں اور آپ اس کو قبول کریں

اور میرا دستِ بازو بنیں۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

جیسا کہ اس امر کا بسیط تذکرہ گزر چکا ہے کہ حضرت ابوطالب کو نبی اکرم ﷺ سے بے پناہ محبت تھی اس لیے انھوں نے آپ ﷺ کی دعوت کے جواب میں کہا: بھتیجے میری بات سن۔

سر دست میں اپنے آباء کا دین نہیں چھوڑ سکتا۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ میں تمھارا مددگار بنوں تو خدا کی قسم کوئی شخص تیرے قریب نہیں آ سکتا، جس نے تمھیں تکلیف پہنچانے یا تمھارا راستہ روکنے کی کوشش کی بخدا ہم اُس کا خون بہا دیں گے۔

پھر وہ اپنے بیٹے کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا:

علیؑ یہ کیسا دین ہے جس کو تم نے اختیار کر لیا ہے؟

حضرت علیؑ نے جواب دیا۔

اے پدر محترم! میں اللہ اور اس کے رسول پہ ایمان لے آیا ہوں اور جو دین میرے چچا کے بیٹے لے کر آئے ہیں میں نے اُس کی تصدیق کی ہے میں نے آپ ﷺ کی پیروی اختیار کی ہے اور آپ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی ہے۔

حضرت ابوطالبؑ نے حضرت علیؑ سے فرمایا:

اے علیؑ انھوں نے یقیناً تمھیں خیر ہی کی طرف بلایا ہوگا اِن کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھنا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

امام سہیلیؒ نے لکھا ہے کہ؛

حضرت علیؑ کے بعد جس صحابی کو آپ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کرنے کی سعادت حاصل ہوئی وہ حضرت زید بن حارثہؓ تھے۔ اکثر صحابہ نماز کے وقت مکہ کی بلند گھاٹیوں میں پہنچ جاتے اور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کی سعادت حاصل کرتے۔

بعض مورخین نے عہد جاہلیت میں عربوں کی عادات کے ضمن میں لکھا ہے کہ وہ جاہلیت میں بھی

غسل جنابت کیا کرتے تھے اور غسل کے دوران کلی کرنا ناک میں پانی ڈالنا اور مسواک کرنا شامل تھا۔مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ طریقے عربوں کے نہیں تھے بلکہ دراصل یہ طریقے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اُن طریقوں میں سے تھے جو اس شریعت کے مٹ جانے کے باوجود بھی رسم ورواج کی صورت کسی حد تک اُن میں باقی رہ گئے تھے۔اسلام نے ملت ابراہیمی کو ختم نہیں کیا بلکہ یہ اس کی مکمل ترین شکل ہے۔لہٰذا ایسے بہت سے احکام ہیں جو اسلام نے باقی رکھے ہیں اور یہ انھیں میں سے تھے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

وضو کا طریقہ قرآن حکیم میں سورۃ مائدہ میں اترا جو ایک مدنی سورت ہے اس لیے بعض لوگوں کا وہ استدلال درست معلوم ہوتا ہے کہ وضو کی آیات اُن آیات میں شامل ہیں جو دو دفعہ اتری تھیں جیسا کہ سورۃ فاتح وغیرہ۔
اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں وضو کا طریقہ یوں بتایا ہے۔

یَآ یَھُّا الَّذِیْنَ اٰ مَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَا غْسِلُوْا وُجُوھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُ وْسِکُمْ وَ اَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ O

القرآن الحکیم (سورۃ المائدہ۵؛ آیت ۳۵)

ترجمہ؛

''اے ایمان والو جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے چہروں کو دھوؤ اپنے ہاتھوں کو بھی کہنی سمیت دھوؤ اور اپنے سروں پہ ہاتھ پھیرو اور پھر اپنے پیروں کو ٹخنوں سمیت دھوؤ۔

❖❖❖

ان صفحات میں جہاں قریش کی جہالت اور نادانی کا تذکرہ ہے وہاں رسول اللہ ﷺ سے محبت کرنے والے اُن اصحاب کا تذکرہ بھی موجود ہے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ پر ایمان کا اعلان کر دیا تھا اور آپ ﷺ کی دعوت کو دوسرے لوگوں تک منتقل کرنے میں مشغول تھے۔ اس ضمن میں حضرت ابوبکر صدیق کا نام سرفہرست ہے۔

حضرت ابوبکر کی معاونت

نبی اکرم ﷺ پہ نبوت اتر چکی تھی جس کے باعث کائنات کے رنگ نکھرنے لگے تھے صحن حرم میں سجے بت لرزنے لگے تھے، شہر مکہ کے بام و در شاداں تھے، فرحاں تھے کہ اِن کو اللہ کے آخری نبی محمد ﷺ کے قدموں کو بوسا دینے کا شرف حاصل ہو رہا تھا۔وادی مکہ کے شجر و حجر اکثر و بیشتر نبی اکرم ﷺ کو نبوت سے پہلے ہی پہچانتے تھے اور آپ ﷺ پہ سلامتی بھیجا کرتے تھے اور وہ اپنی خوش قسمتی پہ نازاں تھے۔اگر بدقسمت تھے تو اہل مکہ تھے جنھوں نے ابھی تک نبی اکرم ﷺ کو نہیں پہچانا تھا۔اگرچہ وہ آپ ﷺ کو صادق اور امین کی حیثیت سے جانتے تھے مگر وہ نبی اکرم ﷺ کو بحیثیت ایک رسول ابھی نہیں جانتے تھے ۔صرف چند ہی لوگ تھے جو آپ ﷺ کے اس بلند درجے سے آگاہ تھے اور اس بلند درجے سے سب سے زیادہ آشنا حضرت صدیق اکبرؓ تھے جو نبی اکرم ﷺ کے بچپن کے دوست تھے، غم خوار تھے، دکھ اور

سکھ کے ساتھی تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے آپ کی توصیف کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ؛

''میں نے جس شخص پہ اسلام پیش کیا وہ کچھ جھجکا کچھ سمٹا کچھ کترایا پھر اگر اللہ نے اُس کو توفیق دی تو اس نے اسلام قبول کیا ورنہ انکار کیا مگر ابوبکر کہ اُن کو جب میں نے دعوت دی تو وہ جھجکے نہ سمٹے اور نہ دیر کی بلکہ فوراً ہی دین اسلام میں داخل ہو گئے اور ایک لمحہ کی دیر بھی نہ لگائی''۔ [*70]

❖❖❖❖❖❖❖❖

ابن ہشام نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے متعلق لکھا ہے کہ؛

''حضرت ابوبکر صدیق کا نام عبداللہ تھا تاہم اُن کے چہرے کی شادابی کی وجہ سے لوگ انھیں عتیق کہنے لگے تھے۔ بعض نے کہا کہ انھیں عتیق اس لیے کہا گیا کہ وہ اپنے معاشرے کے برے عیوب سے دور رہتے تھے۔ امام سہیلی نے اُن کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کو عتیق اس لیے کہا جاتا تھا کہ اُن کی والدہ محترمہ کے ہاں اولاد تو پیدا ہوتی تھی مگر زندہ نہ رہتی تھی اس لیے انھوں نے بیت اللہ شریف جا کر یہ منت مانی تھی کہ اگر اب اُن کے اولاد زندہ رہی تو وہ اس کا نام عبدالکعبہ رکھیں گی اور انھیں بیت اللہ کے لیے وقف کر دیں گی۔ چنانچہ جب صدیق اکبر پیدا ہوئے تو انھوں نے آپ کا نام عبدالکعبہ رکھا اور اسلام قبول کرنے تک لوگ آپ کو عبدالکعبہ ہی کے نام سے پہچانتے تھے۔ تاہم نبی اکرم ﷺ نے اسلام قبول کرنے کے موقع پر اُن کا نام عبداللہ رکھا۔ [*71]

❖❖❖❖❖❖❖❖

بعض مورخین نے آپ کے لقب عتیق کے بارے میں لکھا ہے کہ جب آپ نے اسلام قبول کیا تو آنحضرت محمد ﷺ نے فرمایا:

اَنْتَ عَتِیْقٌ مِّنَ النَّارِ

اے عتیق! اب تم آگ سے آزاد ہو''۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے والد کا نام ابوقحافہ اور والدہ کا نام سلمہ تھا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے خاندان میں ایک معزز اور سنجیدہ شخص کے طور پہ جانے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ بہت کامیاب تاجر تھے اسلام قبول کرتے وقت آپ کے پاس ستر ہزار درہم تھے۔ آپ کی سماجی زندگی بہت فراغ تھی اور بہت سے لوگوں کا آپ سے ملنا جلنا رہتا تھا۔ چنانچہ جب آپ نے اسلام قبول کیا تو اسے دوسرے لوگوں پہ بھی پیش کیا۔

آپ کی دعوت پہ مکہ کے کئی لوگوں کو دین اسلام کی دولت حاصل ہوئی۔

حضرت حسان بن ثابتؓ حضرت، ابوبکر صدیقؓ کی مدح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

خَیْرَ الْبَرِیَّۃِ اَتْقَا ھَا وَاَفْضَلَھَا
بَعْدَ النَّبِیّ وَاَوفَا ھَا بِمَا حَمَلَا

نبی اکرم ﷺ کے بعد وہ تمام مخلوق میں سب سے بہتر ہیں سب سے زیادہ متقی اور سب سے افضل تھے اور انھوں نے جو ذمہ داری اٹھائی اُس کو پورا کرنے میں سب سے زیادہ وفادار تھے۔

۞۞۞۞۞۞۞۞

وَالثَّانِیُ التَّالِیُ الْمَحْمُوْدُ مَشْھَدُہٗ
وَاَوَّلُ النَّاسِ مِنْھُمْ صَدَّقَ الرُّسُلَا

آپ دوسرے اور فرمانبردار ہیں جن کا مشہد قابل ستائش ہے اور لوگوں میں سب سے پہلے ہیں جنھوں نے رسل عظام کی تصدیق کی تھی۔''[72*]

۞۞۞۞۞۞۞۞

چنانچہ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے اپنے حلقہ اثر میں اسلام پھیلانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ انھوں نے ایسے لوگوں کا انتخاب کیا جو آپ کو اچھی طرح جانتے تھے اور آپ کی عزت کرتے تھے، جو صاحب دانش تھے اور بات کو سمجھنے والے تھے، چنانچہ سب سے پہلے آپ نے عثمان بن عفان سے بات کی اور انھوں نے بغیر کسی تردد کے نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ پہ اسلام قبول کیا۔



حضرت عثمان بن عفانؓ کا نسب امام سہیلی نے بیان کیا ہے۔
حضرت عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب۔[*73]

حضرت عثمانؓ کو جہاں اللہ تعالیٰ نے مال وزر کی دولت سے نوازا تھا وہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت بڑا دل بھی عطا کیا تھا جس کی وجہ سے آپ نے اپنی بیشمار دولت اسلام کی راہ میں خرچ کی۔ نبی اکرم ﷺ نے پہلے اپنی ایک بیٹی کا عقد آپ سے کیا اور اُن کی وفات کے بعد اپنی دوسری بیٹی بھی اُن سے بیاہ دی اس لیے عرب حضرت عثمان بن عفان کو ذوالنورین کہہ کے پکارا کرتے تھے آپ مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ ہوئے۔ بہت سے مواقع پر اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے حضرت عثمان بن عفانؓ نے اپنے مالی وسائل پانی کی طرح بہائے چنانچہ آنحضرت محمد ﷺ نے آپ ﷺ کو جنت کی بشارت دی۔



حضرت زبیر بن عوامؓ بھی حضرت ابوبکر صدیق کی دعوت پہ اسلام لائے تھے۔زبیر بن عوام ابھی بچے ہی تھے جب انھوں نے اسلام قبول کیا۔علامہ برہان الدین حلبیؒ نے اسلام قبول کرتے وقت اُن کی عمر آٹھ سال لکھی ہے۔علامہ سہیلی نے دس سال اور ابن ہشام نے اُن کی عمر نو سال لکھی ہے۔مورخین میں سے اُن کا نسب صرف امام سہیلی نے لکھا ہے۔حضرت زبیر بن عوام بن خویلد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی''۔[74*]

❖ ❖ ❖



مورخین نے لکھا کہ حضرت عبدالرحمان ابن عوفؓ بھی حضرت ابوبکرؓ کے ذریعے ہی اسلام لائے تھے۔ جاہلیت میں اُن کا نام ابن عمر تھا۔ایک قول کے مطابق عبدالکعبہ اور ایک قول کے مطابق عبدالحرث تھا۔تاہم جب انھوں نے اسلام قبول کیا تو آنحضرت محمد ﷺ نے اُن کا نام عبدالرحمان رکھا۔ امیہ بن خلف حضرت عبدالرحمان ابن عوف کا دوست تھا۔ اس نے حضرت عبدالرحمان سے کہا: تم نے اُس نام کو چھوڑ دیا ہے جو تمھارے ماں باپ نے رکھا تھا۔

میں نے کہا: ہاں۔

چنانچہ اپنی اسلام دشمنی کی وجہ سے اس نے آپ کے نام کو ناپسند کیا اور کہا:

میں کسی رحمان کو نہیں جانتا۔

میں آج سے آپ کو عبدالالہٰ کہہ کے پکاروں گا۔

چنانچہ اس کے بعد کافر اُن کو عبدالالہٰ کہتے اور مسلمان اُن کو عبدالرحمان ابن عوف کے نام سے پکارتے۔ حضرت عبدالرحمان ابن عوف اپنے اسلام لانے کا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ میں تاجر تھا اور اکثر ملک یمن کی طرف جایا کرتا تھا۔ میں جب بھی یمن جاتا تو وہاں اپنے ایک دوست عسکلان ابن عواکف حمیری کے مکان پہ ٹھہرا کرتا تھا۔ میں جب بھی اُس کے ہاں اترتا وہ ایک بات مجھ سے ضرور پوچھا کرتا؟

عسکلان ابن عوا کف کہتا:

کیا تم لوگوں میں کسی شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے کیا کسی شخص نے کوئی نیا دین لانے کا دعویٰ کیا ہے یا کسی شخص نے تمھارے آبائی دین کی مخالفت کی ہے۔

میں اکثر اُس سے کہا کرتا:

نہیں! ایسی تو کوئی بات نہیں۔

یہاں تک کہ پھر وہ سال بھی آ ہی گیا جب میں عسکلان کے ہاں اترا اور نبی اکرم ﷺ اُس وقت مبعوث ہو چکے تھے۔

اور اُس نے پھر وہی سوال کیا: میں نے کہا ہاں! وہ تشریف لا چکے ہیں اور خاص بات تو یہ ہے کہ میں اُن کی پیروی کرنے والوں میں شامل ہوں۔

تب عسکلان نے مجھ سے کہا: تم خوش قسمت ہو اس لیے کہ وہ سچے ہیں۔

حضرت علیؓ نے کہا:

میں حضرت عبدالرحمان ابن عوف کے متعلق نبی اکرم ﷺ کی زبان سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''کہ وہ زمین والوں میں بھی امانتدار ہیں اور آسمان والوں میں بھی''



حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ بھی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ترغیب پہ ہی اسلام لائے تھے۔حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے والد کا نام مالک بن اہیب تھا۔اہیب کا تعلق بنو زہرہ سے تھا جو نبی اکرم ﷺ کی والدہ کا خاندان تھا۔چنانچہ اُن کا تعلق آپ کے ننہال سے تھا۔حضرت سعدؓ کی والدہ کا نام حمنہ بنت سفیان تھا۔لغت میں وقاص وقاقیص کا واحد ہے اور پرندوں کو شکار کرنے والے جال کو وقاص کہا جاتا ہے۔امام سہیلیؒ نے لکھا ہے کہ اُن کی کنیت ابو اسحاق تھی۔حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا صحابہ میں بہت درجہ تھا۔نبی اکرم ﷺ کو آپ سے خاص محبت تھی۔زہد و تقویٰ میں کوئی اُن کا ثانی نہ تھا۔نبی اکرم ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی محبت کی وجہ سے اُن کے لیے خاص دعا کی تھی اور فرمایا:

اے اللہ! اِن کی بات کو درست کر دے اور اِن کی دُعا کو قبول فرما لے۔چنانچہ صحابہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ سعد اُن کو بددعا دیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اُن لوگوں میں شامل تھے جن کو نبی اکرم ﷺ نے اُن کی زندگی میں ہی جنت کی بشارت دی تھی یہ کل دس افراد تھے مورخین اُن کو عشرہ مبشرہ کے نام سے پکارتے ہیں [*75]۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نوجوان ہی تھے جب انھوں نے اسلام قبول کیا اُس وقت اُن کی عمر انیس سال تھی۔چونکہ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ بنو زہرہ سے تھے اس لیے وہ آنحضرت محمد ﷺ کو

ماموں کہا کرتے تھے۔

وہ کہتے، ہے کسی کا ماموں میرے ماموں جیسا۔

علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا اسلام لانا اُن کی والدہ کو سخت نا گوار گزرا تھا اور حضرت سعد اپنی والدہ کے بہت فرمانبردار تھے۔

چنانچہ حضرت سعد کی والدہ نے اُن کو بلایا اور کہا:

کیا تم نہیں جانتے کہ والدین کا حق کیا ہے۔

حضرت سعد نے کہا؛

میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ والدین کا حق کیا ہے۔

تب پھر تم نبی اکرم ﷺ کا انکار کرو اور جا کر اساف اور نائلہ کو چھوؤ۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اس بات سے انکار کر دیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی اس بات کی تصدیق قرآن حکیم نے کی اور مندرجہ ذیل آیات اتریں۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا۔

القرآن الحکیم (سورۃ العنکبوت ۲۹ ؛ ۸)

ترجمہ؛

"اور ہم نے انسانوں کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور اگر وہ دونوں تم پہ اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے تو اُن کا کہنا نہ ماننا۔

حضرت سعدؓ کی ماں نے جب دیکھا کہ حضرت سعدؓ نے اس کی بات کی طرف کوئی توجہ نہیں کی تو اس نے حضرت سعدؓ پہ سختی کی۔

حضرت سعدؓ کی ماں نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے کہا:

تم اپنے بھائی عامر کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس قدر فرمانبردار ہے اور ایک تم ہو کہ اپنے خداؤں کا انکار کرتے ہو۔ اپنے آباء کے دین کو جھوٹا کہتے ہو اگر تم نے محمد ﷺ کے دین کا انکار نہ کیا تو میں صحرا کی اس تپتی دھوپ میں بیٹھ جاؤں گی نہ کچھ کھاؤں گی نہ پیوؤں گی اور اس وقت تک دھوپ میں ہی جلتی رہوں گی جب تک کہ تم محمد ﷺ کا انکار نہ کردو اور اس نئے دین کو چھوڑ نہ دو جس کو تم نے اختیار کرلیا ہے۔

حضرت سعد نے اُن کی بات سنی ان سنی کردی اور وہاں سے اٹھ آئے۔

حضرت سعد اکثر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔

لوگوں نے حضرت سعد کو بتایا کہ اُن کی ماں دھوپ میں بیٹھ چکی ہے حضرت سعدؓ چونکہ اپنی ماں سے محبت کرتے تھے اس لیے اُن کی پریشانی فطری تھی۔ حضرت سعد نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی اس پریشانی کا ذکر کیا۔ جس پہ قرآن کی وہ آیات اتریں جو اوپر درج کی گئیں ہیں۔

علامہ بلاذری نے اس واقعے کو قدرے مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔

انھوں نے کہا:

حضرت سعد کی والدہ نے جانا کہ:

حضرت سعد نبی اکرم ﷺ کے ساتھ عصر کی نماز پڑھتے ہیں اور محمد ﷺ کے ماننے والوں میں شامل ہیں تب انھوں نے حضرت سعد کو بلایا اور کہا:

محمد ﷺ کا انکار کرو ورنہ میں تمھیں عرب بھر میں بدنام کردوں گی دھوپ میں بیٹھوں گی اور پھر وہاں سے میری لاش اٹھائی جائے گی۔

حضرت سعد کی والدہ ایک دن یا ایک رات اُس جگہ بیٹھی رہیں جہاں دھوپ تھی اور ویرانی تھی اور لوگ اس امر کو ایک تماشا جان کر دیکھتے تھے۔ حضرت سعد کو نبی اکرم ﷺ نے یہ تسلی دے رکھی تھی کہ جب اُس کے سر کی جوئیں اُسے پریشان کریں گی تو وہ دھوپ سے اٹھ جائے گی اور ایسا ہی ہوا۔

حضرت سعد بھی اپنی ماں کے پاس گئے اور اُن سے کہا: اے میری ماں۔

تیرا مطالبہ ناجائز ہے اور اگر تو یہ سمجھتی ہے کہ تیرا یہاں بیٹھنا مجھے پسند ہے تو یہ غلط ہے مجھے تیرے اس

کام سے تکلیف ہے۔مگر یادرکھ!

اگر تیری سوجانیں ہوں اور وہ ایک ایک کر کے میرے سامنے نکلیں میں تب بھی محمد ﷺ کا انکار کبھی نہ کروں اس لیے تو بہتر سمجھتی ہے اب تجھے کیا کرنا ہے۔

حضرت سعد کی اِن باتوں کے بعد اُن کی ماں جان گئی کہ وہ یوں ہی خود کو اذیت دے رہی ہے اور یہ کہ اس سے کوئی فائدہ ہونے والا نہیں اس لیے وہ دھوپ سے اٹھ گئی۔

حضرت سعد کے بعد اُن کا چھوٹا بھائی عامر بھی ایمان لے آیا تو حضرت سعد کی ماں نے طوفان کھڑا کر دیا اسے اس بات سے بہت دکھ ہوا تھا۔چنانچہ اُس نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو پکارا اور انھوں نے اس کی بات سن کے عامر کو مضبوط رسی سے باندھ دیا۔

اس کے بعد انھوں نے عامر پہ بہت سے ظلم کیے۔

حضرت سعد اکثر اپنے بھائی سے ملتے اور اسے ثابت قدم رہنے کی تلقین کرتے اس کے بعد عامر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔

امام سہیلی نے حضرت سعد بن ابی وقاص کا نسب یوں لکھا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص بن مالک بن اہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی۔

❖ ❖ ❖



حضرت طلحہ ابن عبیداللہ تیمی نے بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دعوت پہ اسلام قبول کیا۔ وہ حضرت ابوبکر کے دوست تھے۔ اس لیے کہ حضرت ابوبکر کی طرح وہ بھی کپڑے کے تاجر تھے۔ حضرت ابوبکر نے اُن کو اسلام کی دعوت دی اور انھیں اسلام کی حقانیت کے بارے میں آگاہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کا دل روشن کر دیا تھا اس لیے حضرت ابوبکر اُن کو ساتھ لے کر آنحضرت محمدﷺ کے پاس آئے جہاں اُن کے دامن میں اسلام کی دولت ڈال دی گئی اور اُن کی دنیا اور آخرت دونوں سنور گئیں۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہ کا نسب امام سہیلی نے الروض الانف میں یوں لکھا ہے۔

اُن کا نسب طلحہ بن عبیداللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب لوئی تھا‘‘۔

حضرت طلحہ بن عبیداللہ کے اسلام کا علم جب اُن کے ورثا کو ہوا تو انھوں نے آپ پہ ظلم وستم شروع کر دیا۔ نوفل بن عدویہ نے اُن کو پکڑ لیا۔ نوفل بن عدویہ اہل قریش کا ایک طاقتور شخص تھا۔ لوگ اُس کو قریش کا شیر کہا کرتے اس نے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور طلحہ بن عبیداللہ کو ایک ہی رسی سے باندھ دیا حتیٰ کہ اُن کے خوف سے حضرت ابوبکر کا قبیلہ بنو تیم بھی اُن کو بچانے کے لیے آگے نہ بڑھا۔ حضرت

طلحہؓ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کو چونکہ ایک ہی رسی سے باندھا گیا تھا اس لیے لوگوں نے اُن کو قرنین بھی کہا ہے۔

نوفل بن عدویہ ایک برا شخص تھا نبی اکرم ﷺ نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ ہم کو ابن عدویہ کے شر سے محفوظ رکھ"۔

طلحہ بن عبید اللہ نے اپنے سلام لانے کا واقعہ کچھ اس طرح بیان کیا ہے۔

میں تاجر تھا اور کپڑے کی تجارت کے سلسلے میں اکثر شام و یمن کے سفر کیا کرتا تھا ایک دفعہ جب میں بصرہ کے بازار میں تھا تب میں نے دیکھا کہ سبھی لوگ ایک طرف کو بھاگے جا رہے ہیں میں بھی اُن کے پیچھے ہو لیا۔

میں نے کسی سے پوچھا؟

آخر بات کیا ہے لوگ اس طرف والہانہ کیوں دوڑ رہے ہیں۔

تو کسی نے مجھے بتایا کہ پہاڑی والا راہب اپنی خانقاہ سے نمودار ہو گیا ہے وہ چالیس سال سے عبادت میں مصروف تھا اور اسے کسی نے بھی نہیں دیکھا۔

جب میں لوگوں کے ساتھ وہاں پہنچا تو وہاں بے پناہ ہجوم تھا۔

اور راہب اُن کو کچھ کہہ رہا تھا۔

پھر اُس کی بات میری سمجھ میں آئی راہب کہہ رہا تھا تم لوگوں میں حرم کا کوئی شخص بھی موجود ہے۔

تب میں نے لوگوں کو بتایا کہ میں حرم پاک سے آیا ہوں۔

راہب نے مجھے اپنے قریب بلا لیا اور مجھ سے پوچھا؟

کیا احمد کا ظہور ہو گیا ہے"۔

میں نے اُس سے پوچھا؟

کون احمد!

تو راہب نے حیرت سے میری طرف دیکھا اور کہا!

کیا تم احمد ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب کو نہیں جانتے۔

میں نے فوراً کہا:

جانتا ہوں وہ قریش کے سردار ہیں۔

راہب نے کہا:

وہ اللہ کے آخری رسول ہیں اور یہی مہینہ اُن کے ظہور کا مہینہ ہے اُن کے ظہور کی جگہ حرم پاک ہے اور اُن کی جائے ہجرت وہ جگہ ہے جہاں کثرت سے کھجور کے باغات ہیں۔

حضرت طلحہ کہتے ہیں پھر میں شام سے واپس مکہ چلا آیا لیکن ایک پل کے لیے بھی میں اُس راہب کی بات کو نہ بھولا تھا اس لیے میں مکہ میں پہنچا اور اگلے ہی دن اپنے دوست ابوبکر کے پاس پہنچا اور اُن سے پوچھا؟

ابوبکر میری غیر موجودگی میں مکہ میں کوئی غیر معمولی واقعہ تو پیش نہیں آیا۔

حضرت ابوبکر نے کہا ہاں! ایسا ہی ہوا ہے۔

محمد ابن عبداللہ ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔

تب میں نے حضرت ابوبکر سے بصرہ کے کاہن کا سارا واقعہ بیان کر دیا۔

جب میں ختم کر چکا تو حضرت ابوبکر نے مجھ سے پوچھا؟

پھر تمھارا کیا ارادہ ہے؟

میں نے پوچھا! کیا مطلب؟

حضرت ابوبکر نے کہا!

دیکھو ہم محمد ﷺ کو بچپن سے جانتے ہیں وہ نہایت اعلیٰ نسب اور عمدہ اخلاق کے مالک ہیں۔ اُن میں عربوں کی برائیاں تو نہیں پائی جاتیں مگر اُن کی خوبیاں آپ ﷺ کی ذات میں بہ درجہ احسن موجود ہیں۔ انھوں نے جو بات عربوں پہ پیش کی ہے وہ نہایت ہی عمدہ بات ہے۔ جس میں مجھے ذرا برابر بھی شک نہیں ہے اس لیے میں اُن پہ ایمان لا چکا ہے اور اس بات کی خواہش رکھتا ہوں کہ تم بھی اُن پہ ایمان لے آؤ اور تم جانتے ہی ہو کہ وہ سچے ہیں۔

حضرت طلحہ کہتے ہیں۔

میں نے حضرت ابوبکر صدیق کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا:

پھر دیر کس بات کی ہے اٹھیے اور میرے ساتھ چلیے اس طرح حضرت طلحہ بن عبیداللہ بھی حلقہ اسلام

میں داخل ہوگئے۔

حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ!

وہ پانچ افراد جنھوں نے حضرت ابوبکر صدیق کی دعوت پہ اسلام قبول کیا ان کے نام یہ ہیں۔

وہ حضرت عثمان بن عفان، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت زبیر بن عوام، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبدالرحمان ابن عوفؓ ہیں۔

اور یہ سب اُس بشارت والوں میں شامل ہیں جن کو نبی اکرم ﷺ نے اُن کی زندگی میں ہی جنت کی بشارت دی تھی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

اور اُن سے پہلے حضرت خدیجہؓ، حضرت خدیجہ کی اولادیں، جن میں رسول اللہ ﷺ کی بیٹیاں تھیں اور حضرت خدیجہؓ کے بیٹے تھے جو ان کے پہلے خاوند سے تھے اسلام لا چکے تھے۔

حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت علیؓ بھی اسلام کی دولت اپنے دامن میں سجا چکے تھے۔

شہر مکہ نبی اکرم ﷺ پہ ایمان لانے والوں کے وجود سے آباد ہونے لگا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کا رتبہ بہت بلند بیان کیا ہے۔ جنھوں نے آغازِ میں ہی اسلام کو قبول کر لیا تھا۔ اس لیے کہ اُس وقت اسلام قبول کرنا ایک ایسا امر تھا جیسے کوئی سارے عرب کو اپنا دشمن بنا لے۔ چنانچہ یہی وہ لوگ تھے جنھوں نے اول اول اسلام قبول کیا اور نبی اکرم ﷺ کی نبوت کی تائید کی۔ انھی لوگوں سے دین اسلام کا آغاز ہوتا ہے جو آج خطہ ارض پہ اہل نصاریٰ کے بعد سب سے بڑا دین ہے۔

❖❖❖

وہ جنھوں نے عشق پیالا پی لیا تھا وہ اب قریش کے جبر و عتاب کا نشانہ تھے، قریش کی تمام تر جہالت اور وحشیانہ تشدد بھی اب اُن کے اقرار کو انکار پہ مائل کرنے پہ قادر نہ تھا کہ توحید کا نشہ اُن کی رگوں میں اتر چکا تھا اور رسول اللہ ﷺ کی محبت ہی اب اُن کی واحد خوشی تھی۔

1 نبوی، 12 قبل ہجرت، 21 شوال، ذیقعدہ۔ ستمبر، اکتوبر 610ء

سابقون الاولون

وہ لوگ جنھوں نے بہت ابتداء میں ہی اسلام قبول کرلیا تھا قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اُن کو سابقون الاولون کہہ کے پکارا ہے اور اُن کو اس بلند درجے کی بشارت دی ہے جو اُن کو سبقت کرنے سے حاصل ہو نے والا تھا۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ سب سے پہلے حضرت اماں خدیجہؓ نے اسلام قبول کیا۔ اُن کے بعد یہ سعادت حضرت علیؓ کے حصے میں آئی۔ حضرت علیؓ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسلام قبول کیا پھر زید بن حارثہؓ ایمان لائے، پھر عثمان بن عفانؓ ایمان لائے''۔ جو لوگ دائرہ اسلام میں ہو رہے تھے اُن میں سے ہر ایک کا احوال کسی داستانِ کی طرح تھا۔ ہر ایک کی داستانِ عزیمت مختلف تھی اور اُن میں سے ہر ایک پہ ظلم وستم کے الگ الگ طریقے استعمال کیے گئے رسول اللہ ﷺ کے ہر صحابیؓ نے صبر و یقین کے وہ معیار وضع کیے جس کی مثال نہیں دی جا سکتی وہ صبر و استقلال کے پہاڑ تھے۔ کفار قریش جن سے سر ٹکراتے ٹکراتے تھک گئے تھے۔ حضرت عمر اپنی لونڈی پہ ظلم کرتے کرتے تھک جاتے تو کہتے ابھی تمھاری سزا پوری نہیں ہوئی میں نے تمہیں صرف اس لیے چھوڑا ہے کہ میں تمہیں مار مار کے تھک گیا ہوں ۔ اہل اسلام پہ قریش کے ظلم وستم کی داستان طویل اور صبر آزما ہے جس کا تذکرہ ہم تھوڑی دیر بعد کریں۔

فی الحال ہم اس قافلے کے ہم سفر بننے والے کچھ دیگر مشتاقانِ دید کا احوال بیان کریں گے جن کو حق کی دولت عطا کی گئی اور انھوں نے نبی اکرم ﷺ کے پیغام کی سچائی اور عظمت کا ادراک حاصل کیا۔



مورخین میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت ابوذر غفاریؓ نے بھی انھی دِنوں میں اسلام قبول کیا تھا جب اسلام قبول کرنا ایک مہنگا سودا تھا۔اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ محبت کرنے والوں کے سوا کوئی اسلام کے قریب نہ آتا تھا۔جاننے والوں نے ہم تک یہ بات پہنچائی کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کا شمار اُن عربوں میں کیا جاسکتا ہے جو نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے ہی دین حق تک پہنچنے کے لیے بے تاب تھے اور عربوں کی بت پرستی سے بے زار اور نالاں تھے۔خود ابوذر غفاریؓ نے جن کا اصل نام جندب ابن جنادہ تھا اور اُن کا تعلق قبیلہ غفار سے تھا۔انھوں نے بتایا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے برسوں پہلے بھی نماز ادا کیا کرتے تھے اور دین حق کی تلاش میں اللہ تعالیٰ جس طرف چاہتا میرا رخ کر دیا کرتا۔پھر ہم نے سنا کہ حرم پاک میں کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو میں بے تاب ہو گیا مگر ناگزیر وجوہات کی بنا پہ میں خود مکہ نہ جاسکا۔تاہم میں نے اپنے چھوٹے بھائی انیس کو فوراً ہی مکے روانہ کر دیا اور اُن کو ہدایت کی کہ وہ اس شخص سے ملیں جس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اُن سے معلوم کریں کہ وہ کس بات کی دعوت دیتے ہیں۔

چنانچہ انیس مکہ پہنچے اور نبی اکرم ﷺ سے ملے۔

نبی اکرم ﷺ نے اُن کو قرآن سنایا اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔

انیس کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ؛

وہ اللہ کے کلام سے متاثر ہو گیا تھا اور اسلام کی تعلیمات نے اُن کے دل میں گھر کر لیا تھا تاہم انھوں نے مناسب جانا کہ پہلے اُن کے بڑے بھائی ابوذر اسلام قبول کر لیں پھر وہ اپنے اسلام کا اعلان

کریں گے۔

چنانچہ انیس نبی مکرم ﷺ سے ملاقات کے بعد واپس اپنے قبیلے میں پہنچے۔

حضرت ابوذرؓ نے اُن سے پوچھا؟

مجھ سے اُس ملاقات کا احوال بیان کرو جو تم نے مکہ کے اُس شخص سے کی ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔

انیس نے کہا:

خدا کی قسم میرے بھائی! وہ اللہ کے سچے رسول ہیں لوگوں کو حق اور فلاح کی طرف بلاتے ہیں اور اُن پہ جو کلام اترا ہے وہ تو بہت ہی دل نشیں ہے۔

حضرت ابوذرؓ نے پوچھا؟

لوگ اُن کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

انیس نے کہا:

وہ متفرق ہیں اور انکار پہ اڑے ہوئے ہیں، کوئی اُن کو شاعر کہتا ہے حالانکہ میں نے اُن میں شاعروں والی کوئی بات نہیں دیکھی، کوئی اُن کو ساحر کہتا ہے حالانکہ میں نے اُن میں جادوگروں والی کوئی بات نہیں دیکھی اور کوئی اُن کو مجنون کہتا ہے حالانکہ میں نے اُن میں ذرا سا جنوں بھی نہیں پایا بلکہ وہ تو اتنی آہستگی اور نرمی سے بات کرتے ہیں جیسے خنک جھرنے کا پانی بہتا ہے۔

خدا کی قسم! جو لوگ اُن کو جھوٹا کہتے ہیں دراصل وہ خود جھوٹے ہیں۔

بس کرو"۔

حضرت ابوذرؓ نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے منع کر دیا۔

میں خود جا کر اُن سے ملتا ہوں۔

میرے بھائی سنو: انیس نے اُن کو پکارا۔

اہل قریش سے ہوشیار رہنا۔ وہ آنحضرت محمد ﷺ کے دشمن ہیں۔

چنانچہ حضرت ابوذرؓ اٹھے اپنے موزے چڑھائے لاٹھی اٹھائی اور مکہ کا قصد کیا۔

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں۔

میں مکہ پہنچا اور لوگوں پہ یہ ظاہر کیا کہ مجھے نبی اکرم ﷺ سے کوئی غرض نہیں۔

میں ایک ماہ تک مسجد حرام میں ٹھہرا رہا اور موقع کی تلاش میں رہا کہ نبی اکرم ﷺ مجھے ایسی حالت میں مل جائیں جب کوئی اور اُن کے قریب نہ ہو اور میں اطمینان سے اُن سے بات کرسکوں۔

جب میں اپنے وطن سے نکلا تھا تو میرے ساتھ کوئی زادِ راہ نہ تھا۔

جب میں مکہ پہنچا تو تب بھی میرے پاس کھانے کے لیے کچھ نہ تھا۔صرف زم زم تھا جس کو پی لینے سے مجھے بھوک محسوس نہ ہوتی تھی بلکہ الٹا میں موٹا ہو گیا تھا اور میرے پیٹ کی سلوٹیں بھی دور ہو گئیں۔

اور تب ایک رات میری مراد برآئی۔

میں نے دیکھا کہ رات گئے نبی اکرم ﷺ طواف کے لیے تشریف لائے ہیں اور اُن کے اردگرد اس وقت کوئی بھی نہ تھا۔

میں آپ ﷺ کے قریب آیا اور کہا: اسلام وعلیکم یا رسول اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے چہرے پہ خوشی پھیل گئی ہے۔

آپ ﷺ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا:

تم کون ہو؟

میں بنو غفار کا ایک فرد ہوں۔

میں نے جواب دیا۔

تم یہاں کب آئے اور اور یہاں آنے سے تمھاری کون سی غرض وابستہ ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے پھر سوال کیا؟

میں نے جواب میں کہا:

میں تیس راتوں اور تیس دنوں سے یہاں مسجد حرام میں ہوں میرے پاس کھانے کے لیے کچھ نہ تھا اور میں ایک مہینے سے صرف زم زم پہ گذارا کر رہا ہوں اور مجھے قطعاً نہ بھوک ہے نہ پیاس بلکہ اس کے برعکس میری صحت پہلے سے بہتر ہو گئی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مبارک ہے یہ زم زم، یہ بہترین کھانا ہے اور ہر بیماری کی دوا ہے۔

اور زم زم کے متعلق نبی اکرم ﷺ کی بہت روایات ہیں۔

مثلاً یہ کہ؛

جب زم زم کا پانی پیا جائے تو اس نیت سے پیو کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے تمہیں بیماریوں سے شفاء عطا فرمائے تب اللہ تعالیٰ انسان کو شفاء عطا فرماتا ہے۔ اور اگر زم زم کو اس نیت سے پیا جائے کہ اس سے بھوک مٹ جائے اور پیٹ بھر جائے تو اس کے پینے سے پیٹ بھر جاتا ہے اور بھوک مٹ جاتی ہے۔ اور یہ کہ زم زم اگر اس نیت سے پیا جائے کہ پیاس کا اثر باقی نہ رہے تو پیاس مٹ جاتی ہے۔ یہ زم زم حضرت جبرائیلؑ کی داب ہے اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو سیرابی عطا فرمائی تھی۔ اور یہ بھی کہ جی بھر کر آب زم زم پینے سے انسان کے اندر سے نفاق ختم ہو جاتا ہے۔

ہم ذکر کر رہے تھے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ آنحضرت محمد ﷺ سے حرم پاک میں ملے اور کہا السلام و علیکم: اور یہ پہلے شخص تھے نے جنھوں نے نبی پاک کو اس طرح سے پکارا تھا یعنی اسلامی طریقے سے سلام کیا تھا۔

آنحضرت محمد ﷺ نے حضرت ابوذرؓ سے اِن باتوں پہ بیت لی۔

کہ وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں گھبرائیں گے اور یہ کہ ہمیشہ حق اور سچی بات کہیں گے چاہے وہ حق سننے والے کے لیے کتنا ہی کڑوا کیوں نہ ہو۔

حضرت ابوذر غفاریؓ نے اپنی اس بیعت کو ہمیشہ قائم رکھا۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کو نبی اکرم ﷺ کے صحابہ میں بہت بلند درجہ حاصل تھا۔

چنانچہ آنحضرت محمد ﷺ نے آپ کے متعلق فرمایا کہ؛

ابوذر غفاریؓ سے زیادہ سچ بات کہنے والا آدمی زمین و آسمان نے شاذ ہی دیکھا ہو۔ دنیا میں ابوذر غفاریؓ عیسی ابن مریمؑ جیسی زندگی بسر کرتے تھے۔

آپ ﷺ نے مزید فرمایا کہ؛

ابوذر غفاریؓ میری امت کے سب سے زیادہ پاکباز اور سچے آدمی ہیں۔

حضرت ابوذر غفاریؓ اُن ایام کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب میں نبی اکرم ﷺ پہ ایمان لایا تو مجھے آبِ زم زم کے سوا کچھ کھائے پیئے چالیس روز گزر چکے تھے۔

تب حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت محمد ﷺ کی اجازت سے میری دعوت کی اور اس مہینے طائف کے وہ انگور پہلی خوارک تھے جو میرے پیٹ میں گئے ورنہ میرا گذارا زم زم پہ ہی ہو رہا تھا۔

حضرت ابوذر غفاریؓ نے جب اسلام قبول کرلیا تو آنحضرت محمد ﷺ نے اُن سے فرمایا:

اللہ نے تمھیں جس دولت سے نوازا ہے اس کو اپنے دامن میں سمیٹو اور اپنے وطن واپس چلے جاؤ یہاں تم اس کا اعلان نہ کرنا۔ پھر جب تم سنو کہ ہم نے بھی اس کا اعلان کر دیا ہے تو تم بھی اپنے ایمان کو ظاہر کر دینا۔ ابھی یہاں اس بات میں خطرہ ہے کہ قریش تمھیں اذیت پہنچائیں گے۔

حضرت ابوذرؓ نے کہا:

یارسول اللہ ﷺ اگر ہم حق پہ ہیں اور یقیناً حق پہ ہیں تو ہمیں اس کے اظہار میں شرمانے کی کیا ضرورت ہے۔

خدا کی قسم: میں تو اپنے ایمان کا اعلان پکار پکار کے کروں گا چاہے مجھے اس کی کوئی بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔ اُن کی یہ بات سن کر آنحضرت محمد ﷺ مسکرا دیئے اور اُن کو اس ارادے سے منع نہ کیا۔

الغرض کہ حضرت ابوذرؓ مسجد حرام پہنچے اور جب انھوں نے دیکھا کہ قریش کافی تعداد میں حرم پاک میں جمع ہو چکے ہیں تو انھوں نے پکار پکار کر اپنے ایمان کا اعلان کیا۔

انھوں نے بلند آواز سے قریش کو پکارا اور جب وہ اُن کی طرف متوجہ ہو گئے تو حضرت ابوذرؓ نے کہا:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں"۔

اس پہ قریش بھڑک اٹھے اور کہا اس بددین کو پکڑ لو۔

چونکہ وہ مکہ میں اکیلے اور بے آسرا تھے اس لیے قریش نے انھیں پکڑ کر خوب مارا اور اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔

وہ مجھے مارتے رہے اور اتنا مارا کہ میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

پھر میں نے دیکھا کہ
ایک شخص مجھ پہ جھکا ہوا ہے اور قریشیوں کو مجھ سے دور ہٹا رہا ہے۔
اور وہ حضرت عباسؓ تھے۔
وہ لوگوں سے کہہ رہے تھے تمھارا برا ہو یہ تو قبیلہ غفار کا ایک آدمی ہے جس کے علاقے سے تمھارے تجارتی قافلے گزرتے ہیں۔
اُن کے کہنے پہ لوگوں نے مجھے چھوڑ دیا۔
چنانچہ جب قریش نے مجھے چھوڑا تو حضرت عباسؓ مجھے سہارا دے کر زم زم کے کنویں تک لائے جہاں میں نے اپنے زخموں کو اس مبارک پانی سے دھویا حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں اسلام لانے والوں میں سے پانچواں آدمی تھا یعنی اُن لوگوں میں سے جنھوں نے مکہ کے باہر سے آ کر اسلام قبول کیا تھا۔
اس کے بعد میں اپنے وطن کی طرف روانہ ہو گیا۔
اور جب میں اپنے بھائی انیس کے پاس پہنچا تو اس نے مجھ سے پوچھا؟
مکہ میں آپ پہ کیا گزری۔
میں نے اسے ساری تفصیل سے آگاہ کیا اور کہا۔
میں نے بخوشی اُن کی اطاعت قبول کر لی ہے۔
تب انیس نے مجھ سے کہا:
بھائی! خدا کی قسم مجھے بھی اپنے پرانے دین سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اس لیے میں بھی آج سے محمد ﷺ کے دین پہ ہوں۔
حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم دونوں اپنی ماں کے پاس گئے اور اُن سے کہا: اے ہماری ماں۔
آج سے ہم نے اپنا دین بدل لیا ہے کیا ہی اچھا ہو اگر آپ بھی اُسے اختیار کر لیں۔انھوں نے جواب دیا میں اپنے بیٹوں کی خوشی میں خوش ہوں جو تمھارا دین وہی میرا دین ہے۔اس کے بعد حضرت ابوذرؓ اور اُس کا بھائی انیسؓ اپنی قوم کے پاس گئے۔

انھوں نے اپنی قوم کو ایک جگہ اکٹھا کیا اور اُن سے کہا:

لوگو! میری بات غور سے سننا کہ اس سے زیادہ فائدے کی بات آج تک تمہیں کسی نے نہ بتائی ہوگی۔

اُن کی قوم نے کہا:

ہم ہمیشہ سے تمھاری بات غور سے سنتے آئے ہیں اور تمھاری دانش کے بھی قائل ہیں اس لیے جو کچھ بھی تم کہو گے ہم اسے غور سے سنیں گے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ نے انھیں اسلام کی حقانیت اور نبی اکرم ﷺ کے متعلق کھل کے بتایا۔

انھوں نے کہا:

تم جانتے ہو میں ایک مدت سے اُس دین سے بیزار ہوں جسے ہمارے آباء اپنائے ہوئے ہیں۔ میں حق کی تلاش میں ملک ملک پھرا ہوں در بہ در بھٹکا ہوں۔ آخر حرم پاک میں جو عربوں کا مرکز ہے مجھے اپنے عقائد کی راہنمائی کرنے والا مل گیا۔ تم میں سے بھی کچھ لوگ جانتے ہوں گے کہ عربوں کے سردار قبیلے قریش کے ایک آدمی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ میں ایک ماہ تک اُن کے پاس رہا ہوں اُن سے دین اسلام سیکھا ہے اور مجھے اس بات پہ پختہ یقین ہے کہ زمین کے تختے پہ اس وقت اسلام کے سوا باقی تمام مذاہب جھوٹے ہیں۔ صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو انسانوں کی راہنمائی کے لیے مکمل ضابطہ حیات فراہم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کے اوپر قرآن اتارا ہے جو بہت دل نشیں ہے لوگو! میری خواہش ہے کہ میری طرح تم بھی محمد ﷺ پہ ایمان لے آؤ اسی میں تم لوگوں کی دنیا اور آخرت کی بھلائی مضمر ہے اور تم جانتے ہو کہ میں نے اپنی قوم کو کبھی خسارے کی طرف نہیں بلایا۔

حضرت ابوذرؓ کی اس عمدہ طرز دعوت کے نتیجے میں اُن کی قوم کے کثیر تعداد میں لوگ اسی موقع پہ اسلام لے آئے اور جو رہ گئے وہ اس وقت اسلام لے آئے جب نبی اکرم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

تب قبیلہ غفار کے لوگ نبی اکرم ﷺ کے خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا:

یارسول اللہ (ﷺ):

ہم بھی اسی چیز پہ مسلمان ہوتے ہیں جس پہ ہمارے بھائی یعنی قبیلہ غفار کے لوگ مسلمان ہوئے

ہیں۔

آنحضرت محمد ﷺ نے اُن سے فرمایا:

اللہ تعالیٰ غفار کے اِن لوگوں کی مغفرت فرمائے جنھوں نے اسلام کی تصدیق کی ہے۔

اور اُن کے ساتھ قبیلہ اسلم کے لوگ بھی تھے جنھوں نے اسلام قبول کیا اور اپنے دامن کو فلاح دارین سے بھر لیا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

حضرت ابوذرؓ غفاری نہایت متقی اور پرہیز گار مسلمان ثابت ہوئے انھوں نے ہمیشہ اپنی زندگی کو اسلام کے لیے وقف رکھا۔

نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد اسلام میں اُن کے درجے اور نبی اکرم ﷺ کی اُن سے محبت کی وجہ سے لوگ اُن سے بہت محبت کرتے تھے۔ ایک دفعہ جب وہ حج کے لیے آئے یا شاید عمرے کے لیے آئے ہوں تو لوگ اُن کے گرد اکھٹے ہو گئے تاکہ اُن سے نبی اکرم ﷺ کی باتیں سن سکیں اس کے علاوہ یہ بھی تھا کہ لوگ اُن کی دانش مندی کی وجہ سے بھی اُن سے محبت کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت ابوذرؓ نے بیت اللہ کا طواف کیا اور لوگوں سے کچھ کہنے کے لیے حجر اسود سے ٹیک لگا کے کھڑے ہو گئے۔

انھوں نے لوگوں سے کہا:

تم میں سے کوئی جب سفر کا ارادہ کرتا ہے تو کیا زادِراہ کا انتظام نہیں کرتا۔

لوگوں نے کہا: ہاں کیوں نہیں۔

تب حضرت ابوذرؓ نے کہا:

یاد رکھو قیامت کا سفر اس سفر سے کہیں زیادہ لمبا ہے جس کا تم نے یہاں ارادہ کیا ہو اس لیے اپنے ساتھ وہ سامان لے لو جو تمہیں سفر قیامت میں کام دے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖

اور یہ کہ؛

بلند مقاصد کے لیے حج کرو حشر کے دن کا خیال کرو اور ایسے دِنوں میں روزے رکھو جن میں سخت گرمی ہو۔

اندھیری راتوں میں نماز کے لیے کھڑا ہوا کرو کہ یہ کام تمہیں قبر کے اندھیرے سے بچالے گا۔

حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد ہجرت کر کے ملک شام کی طرف چلے گئے تھے اور حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت تک وہیں رہے۔

چونکہ حضرت ابوذر غفاریؓ حضرت امیر معاویہؓ کے طرزِ حکومت کو ناپسند کرتے تھے اس لیے وہ اِن کے خلاف خوب بولا کرتے پھر وہ مقام زبدہ کے مقام پہ فروکش ہو گئے اور وہیں انتقال کیا۔

❖ ❖ ❖

عمار بن یاسر، صہیب رومی رضی اللہ عنہ

عمار ابن یاسرؓ اور صہیب رومیؓ نے اکٹھے ہی اسلام قبول کیا تھا۔صہیب رومیؓ کی داستان محبت اور ایمان کی پختگی بھی عجیب داستان ہے۔صہیب رومیؓ کا ماضی نہایت تابناک اور اُن کا آج نہایت تلخ تھا۔کل وہ کسی شہزادے کی طرح زندگی بسر کرتے تھے مگر آج اُن کا پھٹا ہوا لباس اور مکہ کے اوباشوں کا اُن پہ ظلم اُن کی وفا کی مہک کو دور تک لیے جاتا تھا کہ جب تک محبت کی قیمت نہ ادا کی جائے وفا میں کچھ لطف نہیں۔مورخین نے صہیب رومیؓ کے بارے میں لکھا ہے کہ اُن کا باپ ایران میں ایک قابل حیثیت اور قابل قدر آدمی کے طور پہ جانا جاتا تھا اور کسریٰ ایران کو اس کی ذات میں بہت دلچسپی تھی۔صہیب کا باپ امرائے ایران میں شامل تھا۔پہلے اُس نے کسریٰ ایران کے دربار میں اپنا نام پیدا کیا اور کسریٰ کے دل میں اپنی عزت پیدا کی جس کی بنا پہ آخر کسریٰ نے سلطنت ایران کا ایک وسیع صوبہ اسے سونپ دیا۔اب وہ اپنے صوبے کا گورنر تھا ۔جب اسے ایران کے ایک صوبے کی حکمرانی ملی تو اللہ نے اسے ایک اور خوشی بھی عطا کی یعنی اسے بیٹے سے نوازا۔جس کا نام اُس نے صہیب رکھا۔چنانچہ صہیب نے جب آنکھ کھولی تو وہ ایک لاڈلے شہزادے کی زندگی بسر کر رہے تھے۔اُن کے پاس دنیا کا ہر عیش اور ہر خوشی تھی۔مگر خوشی اور غم کی یہی خاصیت دنیا میں رونق پیدا کرتی ہے کہ اپنی فطرت میں یہ دونوں نہایت ناپائیدار ہیں اور اسی طرح حضرت صہیب رومی ؓ کے ساتھ ہوا۔کل وہ سلطنت ایران کا ایک شہزادہ تھا اور اگلے ہی روز وہ ایک غلام کے طور پہ بکنے کے لیے

کسی بازار میں سجا تھا۔

واقعہ کچھ یوں بیان کیا گیا ہے کہ؛

کہ ایران اور روم کی دشمنی صدیوں سے قائم چلی آ رہی تھی کبھی روم کا پلہ بھاری رہتا اور کبھی ایران کا۔تب ایک بار جب رومیوں نے سلطنت ایران پہ یلغار کی تو اس کی زد میں ایران کا وہ صوبہ بھی آیا جس کا گورنر صہیب کا والد تھا۔رومیوں کی یلغار شدید تھی اور ایرانیوں کو شکست کا سامنا تھا۔صہیب کے والد کو قتل کر دیا گیا اور صہیب جن کی عمر اس وقت گیارہ سال تھی اُن کو گرفتار کر لیا گیا۔

یلغار کے بعد کسی کو یاد بھی نہ رہا کہ اُن کے قبضے میں گورنر ایران کا لڑکا ہے۔

حضرت صہیب کو روم میں غلاموں کے ایک بازار میں بیچنے کے لیے لے جایا گیا اور کسی رومی نے انھیں خرید لیا۔

حضرت صہیب روم میں اسی شخص کے گھر میں جوان ہوئے جس نے انھیں خریدا تھا۔

بعد میں انھیں کسی عرب نے خرید لیا۔

جب طائف کے قریب اہل مکہ کا مشہور میلا عکاظ سجا تو صہیب ایک بار پھر فروخت کے لیے اس بازار میں لائے گئے۔یہاں سے انھیں مکہ کے ایک قریشی رئیس عبداللہ ابن جدعان نے خرید لیا۔

اس طرح حضرت صہیبؓ مکہ آ پہنچے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو اِن کی بھلائی مقصود تھی۔جب نبی اکرم ﷺ نے مکہ میں اپنی بعثت کا اعلان کیا تو صہیب رومیؓ عبداللہ ابن جدعان کے غلام تھے۔

یہیں اُن کی ملاقات عمار بن یاسرؓ سے ہوتی ہے۔

جب نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو اسلام کی طرف بلانا شروع کیا تو انھی دنوں میں سے کسی دن حضرت صہیبؓ نے ارادہ کیا کہ انھیں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ آپ ﷺ لوگوں کو کس بات کی طرف بلاتے ہیں۔

چنانچہ صہیبؓ یہ ارادہ اپنے دل میں لیے گھر سے نکلے۔

اُدھر اسی ارادے کو اپنے دل میں سجائے عمار بن یاسر بھی اپنے گھر سے نکلے۔

دونوں کا راستے میں ٹکراؤ ہوا۔انھوں نے ایک دوسرے سے پوچھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں؟

صہیب نے کہا: میں نے سوچا ہے کہ محمد (ﷺ) سے ملاقات کی جائے اور اُن سے وہ بات جانی

جائے جس کی طرف وہ لوگوں کو دعوت دیتے ہیں اگر وہ بات مجھے درست لگی تو میں اُن پہ ایمان لے آؤں گا ورنہ ایسے ہی واپس چلا آؤں گا۔

عمار بن یاسر نے کہا:

خدا کی قسم میرے دل میں بھی بالکل یہی بات ہے۔

چنانچہ وہ دونوں ایک ساتھ دربار رسالت میں حاضر ہوئے۔

نبی اکرم ﷺ نے اِن مہمانوں کی خوب تکریم کی اس لیے کہ آپ ﷺ ہر کسی سے ایسے ہی پیش آتے تھے۔

آپ ﷺ نے اُن پہ قرآن پیش کیا۔

قرآن کا حسن اُن کے دلوں میں چھید کر گیا اور وہ اس مجلس سے نبی اکرم ﷺ کی غلامی اختیار کرنے کے بعد ہی اٹھے۔

اس کے بعد عمار بن یاسر اپنے گھر پہنچے۔اُن کے والدین نے اُس تبدیلی کو محسوس کیا جو اسلام کے بعد حضرت عمار بن یاسر میں آئی تھی۔

انھوں نے اس کی وجہ دریافت کی۔

تب حضرت عمار بن یاسر نے اپنے والدین کو دین اسلام کے متعلق تفصیلاً بتایا اُن کو قرآن سنایا اسلام کے بنیادی نظریے سے آگاہ کیا۔

جس پہ اُن کے والدین نے اسلام قبول کرلیا۔

اور اس خاندان پہ اسلام قبول کرنے کی بنا پہ جو ظلم وستم کیے گئے اور قریش کی انتہائی وحشت کے غماز ہیں۔

❖❖❖



حضرت خالد بن سعید کا خاندان شہر مکہ کا ایک معزز خاندان تھا۔اُن کا باپ سعید ابن عاص ابواجیہ ایک عزت دار اور متمول آدمی تھا۔یہ اہل قریش میں سے تھا لوگ اس کی رائے کا احترام کرتے تھے، اگر وہ کھانے پہ دیر کرتا تو لوگ اس کے انتظار میں رک جاتے اور اس وقت کا انتظار کرتے جب کہ وہ اپنا ہاتھ کھانے کی طرف بڑھائے۔عرب شعرا نے اُس کی تعریف میں شعر کہے ہیں۔

خالد بن سعید العاص مسلمانوں کے اولین قافلے کے مسافر تھے۔

اُن کی بیٹی ام خالد سے روایت ہے کہ؛

میرے چچاؤں میں وہ پہلے تھے جنھوں نے اسلام قبول کیا اور دور سے آنے والوں کے تیسرے یا چوتھے تھے جنھوں نے اسلام قبول کیا۔

خالد بن سعید العاصؓ اس بات پہ فخر کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم رویا میں اُن کی راہنمائی محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف کی تھی۔

خالد بن سعید العاصؓ کے قبول اسلام کا واقعہ اُن کی بیٹی اُم خالد سے روایت کیا جاتا ہے۔

حضرت خالد بن سعید العاصؓ نے کہا کہ؛

اللہ تعالیٰ نے دو دفعہ میری راہنمائی محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف کی ایک بار اس وقت جب ابھی نبی اکرم ﷺ کو بعثت عطا نہ کی گئی تھی اور ایک بار تب جب آپ ﷺ پہ وحی اتر

چکی تھی۔

اُم خالد نے کہا:

یہ آنحضرت محمدﷺ کے اعلان بعثت سے چند روز پہلے کی بات ہے کہ میرے والد خالد ابن سعید سو رہے تھے کہ انھوں نے خواب میں دیکھا۔

خواب کے راوی خود حضرت خالد ابن سعیدؓ ہیں۔

انھوں نے کہا میں نے عالم رویا میں دیکھا کہ پورا شہر مکہ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ڈوبا ہوا ہے یہاں تک کہ ہاتھ کو ہاتھ تک سجھائی نہیں دیتا۔اسی دوران میں نے دیکھا کہ اچانک زم زم کے کنویں کے پاس سے ایک نور ظاہر ہوا ہے جو آسمان کی طرف بلند ہونا شروع ہو گیا اور اس نور سے بیت اللہ جگمگا اٹھا۔اس کے بعد یہ نور سارے شہر میں پھیل گیا مگر اس کا پھیلاو رکا نہیں بلکہ یہ عرب بھر پہ پھیلتا چلا گیا یہاں تک کہ اس نور کا رخ مدینے کی طرف ہو گیا اور پورا مدینہ اس سے روشن ہو گیا اور میں نے مدینہ کے نخلستانوں میں کھجور کے درختوں پہ کچی کھجوریں تک دیکھ لیں اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

میں نے سوچا کہ میں یہ خواب کس کو سناؤں۔

پھر میں نے یہ خواب اپنے بڑے بھائی عمرو ابن سعید کو سنایا جو صاحب رائے اور صاحب دانش آدمی تھا۔

اُس نے مجھے اس خواب کی تعبیر بتائی۔

انھوں نے کہا:

خالد میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس خواب کا تعلق بنو عبد المطلب سے ہے تم نے دیکھا نہیں کہ انھوں نے صدیوں سے گمشدہ زم زم کا کنواں بھی تلاش کر لیا ہے اور اس خواب کا نور بھی زم زم کے پاس سے ہی ابھرا ہے۔

حضرت خالد ابن سعیدؓ نے کہا:

جب میں نبی اکرمﷺ پہ اسلام لے آیا تو اس کے بہت دن بعد میں نے نبی اکرمﷺ کو اپنا یہ خواب سنایا تو نبی اکرمﷺ نے فرمایا:

خالد خدا کی قسم!تمھارا خواب سچا تھا اور وہ نور جو تم نے اس خواب میں دیکھا ہے وہ میں ہوں اس لیے

کہ میں اللہ کا رسول ہوں (ﷺ)"۔

حضرت خالد ابن سعیدؓ نے کہا:

کہ میں نے یہ خواب اس وقت دیکھا تھا جب ابھی نبی اکرم ﷺ کو معبوث نہ کیا گیا تھا اور جب آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے شرف نبوت عطا کیا اور آپ نے خاص خاص لوگوں کو اسلام کی طرف بلانا شروع کیا تب میں نے ایک اور خواب دیکھا۔

میں نے دیکھا کہ آگ کا بہت ہی بڑا آلاؤ ہے اتنا بڑا کہ اس کو بیان کرنا مشکل ہے، پھر کسی نے مجھ کو بتایا کہ یہ جہنم ہے اور جہنم نہایت بھیانک انداز میں بھڑک رہی تھی، میں نے اسے انتہائی خوفناک صورت میں دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ میں اُس کے کنارے پہ ہوں اور میں جہنم میں گرنے سے بچنا چاہتا ہوں مگر میرا باپ مجھے گھسیٹ کر اُس طرف لے جانا چاہتا ہے۔ قریب تھا کہ وہ مجھے جہنم میں گرا ہی دیتا کہ نبی اکرم ﷺ وہاں تشریف لاتے ہیں اور مجھے کمر سے پکڑ کر جہنم میں گرنے سے بچا لیتے ہیں۔

پھر اسی گھبراہٹ میں میری آنکھ کھل گئی۔

مگر میں نے یہ خواب اپنے بھائی کو سنانے سے گریز کیا اور اس لیے کہ میں شاید اس خواب میں چھپے پیغام تک پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ میں نے یہ خواب حضرت ابوبکر صدیقؓ کو سنایا اور میں جانتا تھا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے دوست ہیں اور انھوں نے آپ ﷺ کی پیروی بھی اختیار کر لی ہے۔

جب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنا خواب سنا چکا تو انھوں نے کہا:

خالد اس خواب کی تعبیر تو اتنی سیدھی ہے جس میں کوئی کلام نہیں۔

اور میں جانتا ہوں کہ تم ایک سمجھدار آدمی ہو"۔[*2]

اس لیے میں نہیں سمجھتا کہ تم اس خواب میں چھپے پوشیدہ خیر سے واقف نہیں ہو۔

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ مجھے ہمراہ لے کر نبی اکرم ﷺ کے پاس پہنچے۔

اور جو اُن کے پاس پہنچ جائے منزل خود اُس تک پہنچ جاتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ اتنے نرم مزاج اور توجہ دینے والے تھے کہ آدمی خواہ مخواہ ہی شرمندہ ہو جاتا تھا۔

اُن کا دعوت دینے کا انداز نہایت ہی دلنشیں تھا۔ جو کلام آپ ﷺ پہ اترا تھا وہ اس سے بھی دلنشیں

تھا۔

چنانچہ میں نے آنحضرت محمد ﷺ کے ہاتھوں پہ اسلام قبول کرلیا۔

اور میں انتہائی خوش تھا۔

مگر میرے گھر والے خوش نہ تھے۔

جب میرے باپ کو اس امر کی خبر ملی تو اُس نے اپنے آدمیوں کو میری تلاش میں دوڑایا آخر انھوں نے مجھے آلیا۔ جب وہ مجھے لے کر میرے باپ کے پاس پہنچے تو میرے باپ نے اپنے ہنٹر کے ساتھ مجھے پیٹنا شروع کر دیا اور اتنا پیٹا کہ وہ ہنٹر میرے سر پہ ہی ٹوٹا۔

میرے باپ نے گرج کر مجھ سے کہا:

تو نے محمد ﷺ کی پیروی اختیار کر لی ہے حالانکہ تو جانتا ہے وہ پوری قوم کے خلاف جا رہے ہیں ۔اُن کا اپنا خاندان اُن کا دشمن ہو چکا ہے۔ انھوں نے اہل عرب کے معبودوں کو برا بھلا کہا اور ہمارے آباء کی توہین کی ہے۔

خالدؓ ابن سعید کہتے ہیں کہ چونکہ وہ میرے باپ تھے اس لیے میں احتراماً خاموش رہا۔

مگر میری یہ خاموشی بھی اُن کی برداشت سے باہر تھی۔

اس لیے انھوں نے کہا:

تم میری باتوں کا جواب کیوں نہیں دیتے۔

تب میں نے کہا:

آپ نے ابھی تک کوئی ایسی بات ہی نہیں کی جس کا جواب دیا جا سکے۔

میرا باپ میرا منہ تکنے لگا۔

پھر اُس نے کہا:

محمد ﷺ کی پیروی سے باز آجاؤ۔

میں نے نرمی اور ملائمت سے انکار کر دیا:

اس پر وہ اور زیادہ غضب ناک ہو گئے اور کہا:

میرے گھر سے نکل جا آج سے تیرا اور ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔

میں چپکے سے اپنے گھر سے باہر نکل آیا۔اور میرے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا۔مگر اس کے باوجود وہ نور جس سے میرا سینہ جگمگا رہا تھا اس سے مجھے ایک عجیب اطمینان محسوس ہو رہا تھا۔جیسے میری زندگی میں کوئی پریشانی ہی نہ ہو۔

خالد ابن سعید نبی اکرم ﷺ کے پاس آ گئے۔اب اُن کا زیادہ وقت آپ ﷺ ہی کی قربت میں گزرنے لگا تھا۔جب رات ہوتی تو وہ مکہ کی وادئ میں دور باہر کی طرف نکل جاتے۔

انھیں اپنے باپ یا اُن کی دولت کی کوئی پرواہ نہ تھی۔

چونکہ خالد ابن سعیدؓ کے بھائی بھی اُن سے بات نہ کرتے تھے اور نہ ہی اُن کا قبیلہ اُن کی پشت پناہی پہ آمادہ تھا اس لیے مکہ کے آوارہ لونڈوں اور اسلام کے دشمنوں نے انھیں تنگ کرنا شروع کر دیا تھا ۔وہ اُن کو پتھر مارتے اور اُن کو بھگا بھگا کر تھکا دیتے۔

پھر کسی نے حضرت خالد ابن سعیدؓ کو بتایا کہ اُن کا باپ بیمار ہے۔

خالد ابن سعیدؓ اپنے باپ کی عیادت کو گئے۔

وہ اِن کو دیکھ کر بپھر گیا اور نبی اکرم ﷺ کے خلاف بکواس کرنے لگا۔

اُس نے خالد کی طرف دیکھا اور کہا:

جب اللہ نے مجھے اس بیماری سے صحت عطا فرمائی تو میں محمد ﷺ کے خدا کی عبادت اس شہر میں نہ ہونے دوں گا۔

اب کے خالد ابن سعیدؓ سے برداشت نہ ہو سکا اور اُس نے کہا:

اے میرے اللہ! اِس کو اسی مرض میں اٹھا لے۔

خالد کے بھائی اُن کو مارنے کے دوڑے۔

خالد نے اُن سے کہا:

ہمارے باپ نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف بات کی ہے اب تم دیکھنا تمھارا باپ جھوٹا اور نبی اکرم ﷺ سچے ثابت ہوں گے۔

وہ کیسے، اُن کے بھائیوں نے پوچھا؟

خالدؓ ابن سعید نے کہا:

دیکھو! ایک دُعا تمھارے باپ نے مانگی ہے کہ اگر وہ اٹھ بیٹھا تو نبی اکرمﷺ کو مکہ میں خدا کی عبادت نہ کرنے دے گا۔

اور ایک دُعا میں نے مانگی ہے کہ میرے اللہ اس کو اس بیماری سے مت اٹھنے دینا بلکہ اِن کو موت کے حوالے کر دینا۔

تو اگر وہ اس بیماری سے اٹھ آیا تو تم سچے، تب تم جو کہو گے مجھے قبول ہوگا۔

اور اگر وہ نہ اٹھ سکا تو تمہیں چاہیے کہ تم میری بات مان لو۔

خالد ابن سعیدؓ کے بھائیوں نے یہ شرط قبول کر لی۔

مگر صحابہؓ کو نبی اکرمﷺ کی رسالت اور خدا کی واحدانیت کا اتنا ہی یقین ہوتا تھا جتنا کہ اس بات پہ کہ سورج روشن ہے اور دن چمک رہا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خالد ابن سعیدؓ کے یقین کی بھی لاج رکھی اور اُس کا باپ اگلے ہی دن اسی بیماری میں مر گیا۔

تب اُن کے بھائی عمرو ابن سعید ابن عاص نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

اُن کے دوسرے بھائی ابان اور حکم نے کچھ توقف کیا مگر آخر وہ بھی نبی اکرمﷺ کی غلامی میں آ گئے۔

❖ ❖ ❖

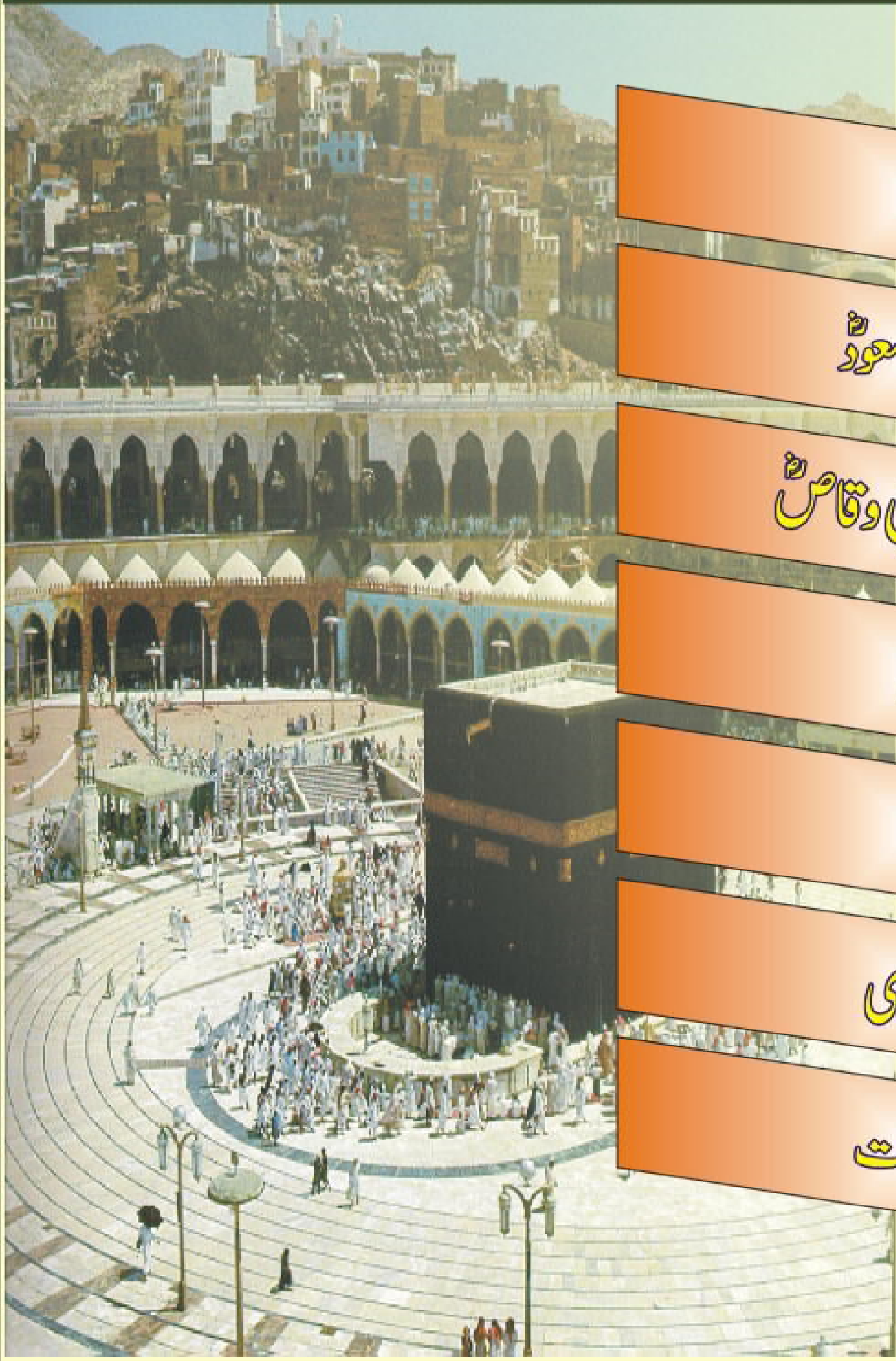
راہ حق کے کچھ اور مسافر

اگرچہ اس بارے میں مورخین نے مکمل معلومات فراہم نہیں کی ہیں تاہم مختلف روایات کے مطالعے سے یہ بات ہم تک پہنچی ہے کہ حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ نے بھی انھی دِنوں اسلام قبول کرلیا تھا جب نبی اکرم ﷺ نے ابھی اپنی دعوت کا آغاز ہی کیا تھا۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دعوت پر ایمان لائے تھے۔ علاوہ ازیں حضرت عباسؓ کی بیوی اُم فضلؓ اور حضرت ابوبکر صدیق کی دختران حضرت اسماءؓ اور حضرت عائشہؓ نے بھی ایک نبوی میں ہی اسلام قبول کرلیا تھا۔ حضرت عمر کی بہن اُم جمیلؓ جن کا نام فاطمہ بنت خطابؓ بیان کیا گیا انھوں نے بھی اسلام قبول کرلیا تھا۔ قبل ازیں حضرت اُم ایمنؓ بھی اسلام لے آئیں تھیں کہ وہ تو نبی اکرم ﷺ کے گھر میں ہی ہوتی تھیں۔ حضرت بلالؓ اور اُن کی والدہ حمامہؓ نے بھی اسلام قبول کرلیا تھا۔ اِن کے علاوہ حضرت مقداد بن اسودؓ بھی اسلام لے آئے تھے۔ علاوہ ازیں حضرت عیاش بن ربیعہؓ، حضرت عثمان بن مظعونؓ، ابو سلمہ عبداللہ بن

عبدالاسدؓ، حضرت عامر بن ابی وقاصؓ، حضرت عبیدہ بن حارثؓ، حضرت جعفر بن ابی طالبؓ، حضرت سعید بن زیدؓ، حضرت خنیس بن حذافہ سہمیؓ، حضرت معقیب دوسیؓ، حضرت عتبہ بن غزوان مازنی جن کا تعلق قیس عیلان سے تھا بھی اسلام لا چکے تھے۔ حضرت ورقہ بن نوفلؓ بھی نبوت کے اولین سال اسلام لے آئے تھے۔ نبوت کے پہلے سال جن خواتین کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی سعادت سے بہرہ مند کیا اُن میں سے حضرت خدیجہؓ اور رسول اللہ ﷺ کی بیٹوں کا تذکرہ گزر چکا ہے۔ اِن کے علاوہ حضرت سمیہؓ بنت خباط، حضرت اُم عمارؓ، حضرت عبداللہ بن مسعود کی والدہ اُم عبد بنت عبدودؓ کو بھی اللہ تعالیٰ نے نبوت کے پہلے ہی سال دولت ایمان سے سرفراز فرمایا تھا۔ شہر مکہ میں اسلام قبول کرنے والے ابھی کمزور اور نادار لوگ ہی تھے۔ سوائے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کے شرفائے مکہ نے ابھی اسلام قبول نہ کیا تھا۔ جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ ابھی تک آنحضرت محمد ﷺ نے لوگوں کو اسلام کی عام دعوت نہ دی تھی دوسری وجہ یہ تھی کہ لوگ نبی اکرم ﷺ کی دعوت کو سنجیدگی سے نہ لیتے تھے بلکہ اشراف قریش لوگوں سے کہا کرتے کہ محمد ﷺ کی باتوں پر غور کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اس لیے کہ اُن سے قبل زید بن عمرو نفیل، قس بن ساعدہ، امیہ بن ابی صلت اور ورقہ بن نوفل بھی اسی طرح کی باتیں کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ اُن کا خیال تھا کہ آنحضرت محمد ﷺ کی دعوت زیادہ نہیں بڑھے گی اور خود ہی ختم ہو جائے گی۔ مگر یہ ایک خیال خام تھا جس کو آنے والے وقتوں نے ثابت کر دیا۔

❖ ❖ ❖

2 نبوی بمطابق رمضان 11 قبل ہجرت 31 جولائی 611ء



قافلہ حق

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ

مسلمان دارِ ارقم میں

قریش کا تمسخر

حضرت رقیہؓ کی شادی

دو نبوی، دیگر واقعات



حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا شمار نبی اکرم ﷺ کے جلیل القدر صحابہ میں کیا جاتا ہے۔ مورخین نے اُن کو سابقون الاولون میں شمار کیا ہے۔ اس لیے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ انھی دِنوں میں اسلام لائے جب اسلام قبول کرنے والوں کو انگلیوں پہ شمار کیا جا سکتا تھا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعوؓد اپنے ایمان لانے کا واقعہ بیان کرتے ہو کہتے ہیں کہ میں مکہ کا ایک غریب آدمی تھا اور لوگوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ میرے حلیئے اور ہیت کی وجہ سے میرے گھر والے بھی مجھے اہمیت دینے کو تیار نہ تھے اس لیے کہ میرا قد مشکل سے ایک گز ہوگا اور میں بہت دبلا پتلا اور کمزور سا تھا۔ میں یہ تو جانتا تھا کہ محمد ابن عبداللہ (ﷺ) نے نبوت کا دعوی کیا ہے مگر مجھے اُن سے چنداں دلچسپی نہ تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ میں خود اپنے حالات اور بے قدری کی وجہ سے ہمیشہ اپنی ہی ذات میں الجھا رہتا تھا۔

اس مبارک دن جس کے بعد نہ میرے پاس محبت کی کمی رہی نہ توجہ کی، نہ علم کی کمی رہی نہ عمل کی نہ عزت کی کمی رہی نہ عظمت کی کہ اُس دن دوپہر گرنے کو تھی اور میں مکہ کے بالائی حصے میں عقبہ بن ابی

معیط کی بکریاں چرا رہا تھا۔ تبھی میں نے دو آدمیوں کو پہاڑ کی طرف آتے دیکھا مگر فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے میں اُن کو پہچان نہ سکا تھا۔

پھر وہ لوگ میرے قریب آ گئے۔

وہ آنحضرت محمد ﷺ تھے اور اُن کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے۔

آنحضرت محمد ﷺ مجھ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا:

اے لڑکے! تیرے پاس دودھ والی بکری ہے۔

میں نے کہا: ہاں ہے مگر میں امین ہوں۔

تب آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

تمھارے پاس کوئی ایسی بکری بھی ہے جس پہ ابھی تک کوئی نر نہ اترا ہو۔

میں نے کہا: ہاں ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

اُسے میرے پاس لے آؤ۔

میں دوڑ کے گیا اور ایک ایسی بکری پکڑ لایا جو اب تک گابھن نہ ہوئی تھی۔

آنحضرت محمد ﷺ نے اُس بکری کو پکڑا اور مجھ سے کہا برتن لاؤ۔

اور میں شدید حیرت سے انھیں دیکھنے لگا۔

حضرت ابوبکرؓ نے مجھے میری محویت سے نکالا اور کہا:

جاؤ برتن لاؤ۔

قریب ہی ایک برتن تھا میں نے لا کر آنحضرت محمد ﷺ کے ہاتھ میں دے دیا۔ نبی اکرم ﷺ نے اُس بکری کے تھنوں پہ ہاتھ پھیرا تو بکری کے تھن دودھ سے بھر گئے بلکہ لٹکنے لگے۔

تب انھوں نے دودھ دوہا۔

پہلے حضرت ابوبکرؓ کو دیا پھر مجھے دیا اور ہم نے سیر ہو کر پیا اس کے بعد آنحضرت محمد ﷺ نے خود دودھ پیا۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے بکری کے تھنوں پہ ہاتھ پھیرا اور کہا:

سمٹ جاؤ۔

اور میں نے دیکھا کہ بکری کے تھن ایسے ہو گئے جیسے وہ اس وقت تھے جب میں اسے آپ ﷺ کے قریب لایا تھا۔

میں ایک مدت سے بکریاں چرا رہا تھا مگر میں نے آج تک ایسا معجزہ نہیں دیکھا تھا اس لیے میں چاہتا تھا کہ نبی اکرم ﷺ کچھ کہیں۔

مگر آپ ﷺ خاموش تھے۔

مگر میرے اندر تجسس لہریں لے رہا تھا چنانچہ مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے پوچھ ہی لیا۔ یا رسول اللہ (ﷺ)! مجھے اس امر کی حقیقت سے آگاہ فرمائیں۔

نبی اکرم ﷺ نے مجھے دعا دی اور فرمایا:

اللہ تعالیٰ تجھے برکت عطا فرمائے تم ایک عقل مند لڑکے ہو۔ اگر تم میری بات مان لو تو تمھاری دنیا بھی سنور جائے گی اور آخرت بھی۔

پھر آپ ﷺ نے اللہ کا دین مجھ پہ پیش کیا۔

میں نے چونکہ آپ ﷺ کی قوت و تصرف کا معجزہ کھلی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا اس لیے میں نے آپ ﷺ سے زیادہ سوال کیے بغیر ہی اسلام قبول کر لیا۔ عبداللہ ابن مسعودؓ جب اسلام کی دولت سے مالا مال ہو گئے تو اُن کا درجہ بہت بلند ہو گیا۔ عبداللہ ابن مسعودؓ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ قرآن کو بہت اچھی طرح سمجھتے تھے اور لوگ دور دور سے قرآن سمجھنے کے لیے آپ کے پاس اترا کرتے تھے۔

عیون الاثر اور شرح اربعین جو ابن حجر کی کتاب ہے اُس میں ایسے ہی لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا درجہ صحابہؓ میں بہت بلند تھا۔

ایک دفعہ جب کچھ صحابہؓ نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے چھوٹے قد کی وجہ سے اُن پہ چوٹ کی اور ہنسنے لگے تو یہ بات آنحضرت محمد ﷺ کو بہت بری لگی اور آپ ﷺ نے فرمایا:

لوگو تم عبداللہ ابن مسعودؓ پہ ہنستے ہو!

خدا کی قسم! جب اِن کو تولا جائے گا تو اپنے مرتبے کے لحاظ سے یہ تم سب پہ بھاری پڑیں گے۔

آنحضرت محمد ﷺ کے نزدیک عبداللہ ابن مسعودؓ کا درجہ بہت بلند تھا جیسا کہ آپ ﷺ کے اس

بیان سے اس کا اظہار ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ نے اُن کے بارے میں فرمایا:

اپنی امت کے لیے میں بھی اُسی چیز پہ راضی ہو گیا جس پہ ابن ام عبد یعنی عبداللہ ابن مسعودؓ راضی ہو گیا اور جس چیز کو ابن مسعودؓ نے ناگوار جانا یا در کھو وہ چیز میرے لیے بھی ناگوار ہو گئی۔

عبداللہ ابن مسعودؓ کو صحابہ رازدانِ رسالت کہا کرتے تھے۔

جس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ؛

عبداللہ ابن مسعودؓ اکثر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر رہا کرتے تھے اور نبی اکرم ﷺ ہمیشہ اُن کو اپنے قریب بٹھایا کرتے تھے۔اپنے گھر کی باتیں اُن سے کیا کرتے تھے۔اس لیے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا آپ ﷺ کے گھر بہت آنا جانا تھا۔جب آپ ﷺ کہیں جا رہے ہوتے تو عبداللہ ابن مسعودؓ آپ ﷺ کے آگے آگے چلتے اور اگر راستے میں کوئی ناگوار چیز دیکھتے تو اسے نبی اکرم ﷺ کے آنے سے پہلے ہی ہٹا دیتے۔جب آپ ﷺ غسل فرمانا چاہتے تو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ چادر تان کر کھڑے ہو جاتے اور چادر کے اس پردے کے پیچھے نبی اکرم ﷺ غسل فرما لیا کرتے۔حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ آپ ﷺ کے جوتوں کی خاص حفاظت کرتے اور اکثر اِن کو اپنی بغلوں میں لیے رہتے اور جب نبی اکرم ﷺ کو ضرورت پیش آتی تو وہ فوراً ہی جوتے اپنی بغلوں سے نکال کر زمین پہ رکھ دیتے۔

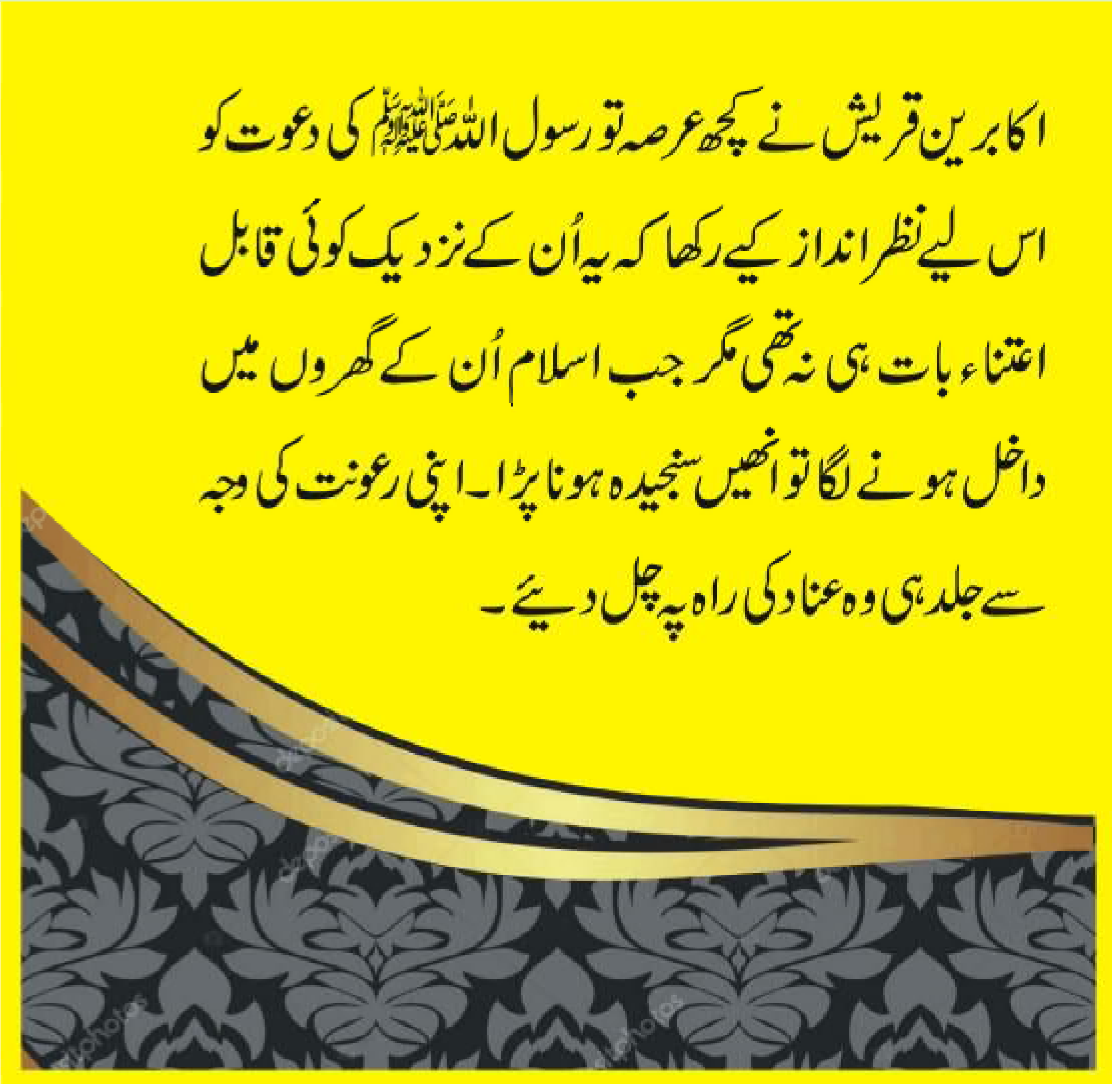
حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا شمار عرب کے صاحبِ دانش افراد میں کیا جانے لگا تھا لوگ اُن سے حکمت کی باتیں سنا کرتے تھے۔

اُن کے بہت سے اقوال ہیں جس سے اُن کی دانش کا احساس ابھرتا ہے۔

مثال کے طور پہ انھوں نے فرمایا کہ؛

دنیا تمام کی تمام غموں کی پونجی ہے اس میں اگر کوئی خوشی ہے تو وہ صرف نفع کے طور پہ ہے۔

آنحضرت محمد ﷺ کو اُن سے بہت محبت تھی آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو جنت کی بشارت بھی دی تھی۔


اکابرین قریش نے کچھ عرصہ تو رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو
اس لیے نظر انداز کیے رکھا کہ یہ اُن کے نزدیک کوئی قابل
اعتناء بات ہی نہ تھی مگر جب اسلام اُن کے گھروں میں
داخل ہونے لگا تو انھیں سنجیدہ ہونا پڑا۔ اپنی رعونت کی وجہ
سے جلد ہی وہ عناد کی راہ پہ چل دیئے۔

2 نبوی، 11 قبل ہجرت، ذیقعدہ۔۔۔اکتوبر 611ء



تب مکہ میں اسلام کی روشنی بتدریج پھیل رہی تھی اور درجنوں قلب سلیم اسلام کی حقانیت پہ ایمان لا چکے تھے۔ تاہم ابھی تک اہل قریش نے اسلام کے اُس خطرے کو پوری طرح محسوس نہ کیا جو اُن کے سر پہ کسی ننگی تلوار کی طرح لٹک رہا تھا اور اس کی کئی ایک وجوہات تھیں جس کی وجہ سے قریش اسلام کے خلاف خم ٹھونک کے ابھی میدان میں نہ اترے تھے۔ اس لیے کہ اسلام کے پیروکار زیادہ تر غریب اور بے آسرا لوگ تھے جن کو عرب معاشرے میں کوئی خاص اہمیت حاصل نہ تھی۔ اُن میں کچھ غلام تھے کچھ کم سن نوجوان تھے اور کچھ وہ لوگ تھے جو عربوں میں قابل ذکر نہ تھے۔ اس لیے قریش یہ سمجھتے تھے کہ آہستہ آہستہ یہ وبال خود ہی ختم ہو جائے گا اور انھیں اس کے خلاف جدوجہد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ عربوں کا کوئی سردار حتیٰ کہ خود آنخضرت محمد ﷺ کے خاندان سے بھی کوئی قابل ذکر آدمی دائرہ اسلام میں داخل نہ ہوا تھا۔ چنانچہ بے کس اور نادار لوگوں کا یہ گروہ ابھی تک اُن کے لیے کسی پریشانی کا باعث بھی نہ بنا تھا۔

اس لیے کہ وہ لوگ خاموشی سے اپنے دین کی دعوت دیتے اور خاموشی سے ہی مکہ کے بالائی حصوں میں جا کر اپنے خدا کی عبادت کرتے۔ ایک دن جب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اپنے ساتھیوں اور راہنما سمیت مکہ مشرفہ کی گھاٹیوں میں اپنے اللہ کی عبادت کر رہے تھے اور نماز ادا کر رہے تھے کہ اُس وقت تک نماز کا حکم آ چکا تھا تب مشرکین کی ایک جماعت بھی وہاں آ پہنچی اور انھوں نے مسلمانوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔

انھوں نے صحابہ کے طریق عبادت پہ اُن کو مطعون کیا۔
اور اپنے آباء کا دین چھوڑ دینے پہ اُن کو لعنت و ملامت کا ہدف کا بنایا۔
حتیٰ کہ بات لڑائی جھگڑے تک جا پہنچی اور تب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے قریب ہی پڑی ہوئی اونٹ کے جبڑے کی ایک بڑی ہڈی اٹھائی اور پوری قوت سے اسے ایک مشرک کے سر پہ دے ماری۔
مشرک کا سر کھل گیا اور ہر طرف اُس کا خون بکھر گیا۔ ابن کثیر نے اُس مشرک کا نام عبداللہ بن خطل لکھا ہے۔ وہ مشرک شدید زخمی ہو گیا تھا اور یہ پہلا خون تھا جو اسلام کی خاطر بہایا گیا۔ یہ ایک ناخوشگوار واقعہ تھا جس کے مضمرات سے نبی اکرم ﷺ پوری طرح آگاہ تھے۔ آپ ﷺ جانتے تھے کہ مسلمانوں کی تعداد ابھی قلیل ہے اور اُن کے دشمن طاقت و قوت کے لحاظ سے بہت بڑھے ہوئے ہیں۔
اسی وجہ سے آپ ﷺ دارِ ارقم میں اُٹھ آئے تھے جہاں آپ ﷺ کے ہمراہ تمام مسلمان بھی موجود رہتے تھے اور دارِ ارقم میں منتقل ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ چونکہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ایک مشرک کو زخمی کر دیا تھا اس لیے اب اُن کے اور قریش کے درمیان ٹھن گئی تھی۔ نبی اکرم ﷺ نہیں چاہتے تھے کہ اہل قریش انتقام کے طور پہ کسی مسلمان کو زک پہنچائیں اس لیے آپ ﷺ مسلمانوں کے ہمراہ دارِ ارقم میں مقیم ہو گئے۔ [*2]
مورخین نے لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک سال تک دارِ ارقم میں مقیم رہے۔ اس دوران انھوں نے اسلام کی تبلیغ جاری رکھی۔ غرض تھوڑے ہی دِنوں میں دارِ ارقم مسلمانوں کا ایک ایسا مرکز بن گیا جہاں

صحابہؓ ہردم نبی اکرم ﷺ سے دین سیکھتے،قرآن پڑھتے،نمازیں ادا کرتے اوراہل کفر کی سازشوں کا مقابلہ کرنے کی منصوبہ بندی کرتے۔

برہان الدین حلبیؒ نے لکھاہے کہ؛

جب نبی اکرم ﷺ دارِارقم میں اترے تب مسلمانوں کی تعداد چالیس سے بھی کم تھی اوروہ صرف اڑتیس تھے۔[*3]

مسلمان اب جہاں کہیں بھی تھے وہ آپ ﷺ کی صحبت اختیار کرنے کی خاطر دارِارقم میں اُٹھ آئے تھے۔دارِارقم مسلمانوں کی پہلی تربیت گاہ تھی جہاں مسلمانوں نے نہ صرف اسلام کو بہتر طور پہ جانا بلکہ ہرلمحہ نبی اکرم ﷺ کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے اُن کے دین میں بھی نکھار آیا۔اُن کی عادات واطوار میں بھی بہتری آئی،اُن کے ایمان کو بھی استحکام نصیب ہوا اُن کو معاشرے کے دباؤ سے بھی نجات ملی،اُن کو کفار مکہ کے طعن وتشنیع سے بھی نجات ملی قرآن سمجھنےاور شارح قرآن کے ساتھ رہنے کی وجہ سے اُن کو دنیا کی بے ثباتی اور عالم آخرت کا وہ تیقن بھی حاصل ہوا جس کی بنا پہ اُن کا ایمان مزید پختہ ہوا۔

علاوہ ازیں مسلمانوں کواُن کے اپنے والدین اوررشتے داروں کے ظلم سے بھی نجات ملی اوراب وہ آزادانہ طوردین پہ اسلام کے ارکان کی پیروی کر سکتے تھے۔اُن کا مقصد چونکہ صرف اورصرف فلاح تھااس لیے اس مکان میں وہ فتنہ وفساد کی اُس آگ سے محفوظ تھے جس کو قریش اب آہستہ آہستہ بھڑکا رہے تھے ۔نبی اکرم ﷺ کے پیروکاروں میں چونکہ اکثریت اُن نادار لوگوں کی تھی جن کا معاشرے میں کوئی پرسان حال نہ تھااس لیے کفار قریش کواُن پہ دسترس حاصل تھی۔

عرب معاشرے میں وہ شخص جس کا قبیلہ یاخاندان اُس کی پشت پہ نہ ہواُس کوکوئی بھی گزند پہنچا سکتا تھااور اس مظلوم کے پاس کوئی ایسی جائے پناہ نہ تھی جہاں وہ خود کو چھپا سکے،کوئی ایسا قانون اورحکمران موجود نہ تھا جواُس کی فریادرسی پہ قادر ہو۔دارِارقم ابن ارقم کا مکان تھا جن کواللہ نے اسلام کی دولت سے نوازا تھا اورانھوں نے اس بڑے مکان کو نبی اکرم ﷺ کے لیے مختص کر دیا تھا۔اگرچہ دارِارقم میں گزرنے والے مسلمانوں کے شب وروز اطمینان اور خاموشی سے گزر رہے تھے مگر یہ خاموشی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ معلوم ہورہی تھی اور کچھ عرصے بعد واقعتاً قریش نے مسلمانوں پہ ظلم وستم کی انتہا کردی اُن کی مخالفت اور

مخاصمت اتنی شدید تھی کہ خود نبی اکرم ﷺ کی ذات بھی اُس سے محفوظ نہ رہ سکی۔

دارِارقم میں مقیم مسلمانوں کو ابھی تک جہاد کی اجازت بھی نہ ملی تھی اور وہ صرف اپنی مدافعت کر سکتے تھے ۔اس لیے نبی اکرم ﷺ نہیں چاہتے تھے کہ وہ مسلمانوں کو کفار کے دستِ ستم کے حوالے کر دیں مگر خود مسلمانوں کا دل کچھ اور چاہتا تھا اُن کے دلوں میں سچائی جان لینے کے بعد یہ امنگ جنم لے چکی تھی کہ وہ اسلام کا اعلان برسرِ عام کریں تا کہ جو لوگ اس کی روشنی میں اپنا جیون سنوار سکتے ہیں وہ اس سے محروم نہ رہیں۔

2 نبوی، 11 قبل ہجرت --- 611ء

حرم میں تشدد

چنانچہ ایک طرف کفار کے منصوبے تھے اور دوسری طرف مسلمانوں کی جانفروشی، ایک طرف ظلم و بہیمیت تھی تو دوسری طرف صبر و ثبات، ایک طرف علم تھا تو دوسری طرف جہل، ایک طرف عقل تھی تو دوسری طرف اَنا، ایک طرف ایمان تھا تو دوسری طرف کفر، ایک طرف توحید تھی اور دوسری طرف شرک، ایک طرف عصبیت تھی تو دوسری طرف مساوات، ایک طرف روشنی تھی تو دوسری طرف اندھیرا، ایک طرف حقیقت تھی تو دوسری طرف سراب، ایک طرف محبت تھی تو دوسری طرف نفرت، ایک طرف عزم تھا تو دوسری طرف ضد، ایک طرف ایثار تھا تو دوسری طرف بخل، ایک طرف ایمان کی قوت تھی تو دوسری جاہلانہ رسم و رواج، ایک طرف نیکی تھی تو دوسری طرف بدی، ایک طرف سچ تھا تو دوسری طرف جھوٹ، ایک طرف بہار تھی تو دوسری طرف خزاں، ایک طرف آسودگی تھی تو دوسری طرف تشنگی، ایک طرف منزل تھی تو دوسری طرف ذلت، ایک طرف کامیابی تھی تو دوسری طرف ناکامی، ایک طرف حسن تھا تو دوسری طرف کجی، ایک طرف توازن تھا تو دوسری طرف بگاڑ، ایک طرف وفا تھی تو دوسری طرف جفا، ایک طرف یقین تھا تو

دوسری طرف وہم، ایک طرف نور تھا تو دوسری طرف ظلمت، ایک طرف دن تھا تو دوسری طرف رات، ایک طرف آزادی تھی تو دوسری طرف قید، ایک طرف شناخت تھی تو دوسری طرف گمنامی، ایک طرف طہارت تھی تو دوسری طرف گندگی، ایک طرف جنت کے باغ تھے تو دوسری طرف دوزخ کی آگ، ایک طرف یقین کا چمکتا چاند تھا تو دوسری طرف تذبذب بھری رات، ایک طرف قرآن تھا تو دوسری طرف قصے کہانیاں ایک طرف اصول تھا تو دوسری طرف بے اعتنائی، ایک طرف اسلام کی رونق تھی تو دوسری بے یقینی کا دشت، ایک طرف بادِ صبا تھی تو دوسری طرف بادِ صرصر، ایک طرف صحرا کی سختی تھی تو دوسری طرف نخلستانوں کی خنکی، ایک طرف خیالوں کی روانی تھی تو دوسری طرف رسموں کا جمود، ایک طرف اسلوب قرآن کا حسن تھا تو دوسری طرف آباء پرستی، ایک طرف یقین کی مہک تھی تو دوسری طرف گماں کی حبس، ایک طرف ابوبکرؓ کی جود و سخا تھی تو دوسری طرف ابولہب کا بخل، ایک طرف عمار کا صبر تھا تو دوسری طرف ابوجہل کی بہیمیت تھی، ایک طرف بلالؓ کا چٹانوں سا عزم تھا تو دوسری طرف امیہ کی اخلاقی پستی، ایک طرف عبداللہ ابن مسعودؓ کی لذت تھی تو دوسری طرف اہل قریش کی وحشت۔

اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی لذت کیا تھی؟

اس کے متعلق مورخین رقمطراز ہیں کہ مسلمان اُن دِنوں کمزور تھے اور قریش کا دستِ ستم اُن پہ حاوی تھا جس کی بنا پہ مسلمان سرِعام قرآن پڑھنے سے گریز کرتے تھے۔ ایک بار صحابہ کی ایک محفل میں اس بات کا تذکرہ ہوا کہ اُن کے جو بھائی حالت کفر پہ ہیں وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ پہ کتنا ہی عمدہ قرآن اتارا ہے۔ یاد رہے کہ کفار قریش قرآن حکیم سے دور بھاگتے تھے جب وہ حرم پاک میں آتے تو اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لیتے کہ مبادا نبی اکرم ﷺ کی آواز اُن کی سماعتوں سے ٹکرا جائے۔

نبی اکرم ﷺ حرم پاک میں نماز ادا کیا کرتے تھے اور نماز میں باآوازِ بلند قرآن بھی پڑھا کرتے تھے اور کفار انھیں روکنے سے عاجز تھے کہ بنو ہاشم ایک مضبوط خاندان تھا اور وہ آنحضرت محمد ﷺ کی پشت پہ تھا۔ چنانچہ جب صحابہ نے اپنے اِس دکھ کا اظہار کیا کہ کاش اُن کے بھائیوں تک حقیقت سے بھرا یہ کلام پہنچے کہ وہ محض اپنی بے جا ضد کی بنا پہ جاہلیت کے اطوار اپنائے ہوئے ہیں۔

تب صحابہ میں سے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے کہا:

اگر آپ لوگ کہو تو میں حرم پاک میں جا کر قرآن حکیم کی تلاوت کرتا ہوں۔مگر صحابہ نے اُن کو منع کر دیا اس لیے کہ مکہ میں اُن کی پشت پہ کوئی نہ تھا نہ کوئی قبیلہ نہ اقرباء نہ کوئی دوست۔

صحابہ نے اُن سے کہا:

آپ یہ کام نہ کریں یہ ایک کٹھن کام ہے اور اس کے لیے ہمیں ایسا آدمی چاہیے جو حرم پاک میں قرآن پڑھے تو اُس کا قبیلہ اُس کو قریش کے جبر و قہر سے بچا لے۔

مگر کوئی شخص تیار نہ ہوا تب حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے کہا:

کل انشاءاللہ میں یہ کام کر گزروں گا۔

صحابہ نے کہا:

ہمیں اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ آپ کو زک پہنچائیں گے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے کہا:

میرا اللہ میرے ساتھ ہے۔

چنانچہ اگلی صبح جب قبائل قریش حرم پاک میں اپنی اپنی مجلسیں سجا چکے تب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رونما ہوئے۔وہ مقام ابراہیم پہ تشریف لے گئے۔

اور بلند آواز سے قرآن پڑھنے لگے۔پہلے تو قریش کچھ نہ سمجھے۔

پھر اُن میں سے کسی نے کہا:

مجھے تو یہ وہ کلام لگتا ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ پہ اتارا گیا ہے۔

تب تو قریش حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی جرأت پہ حیران رہ گئے کیونکہ اس سے قبل کسی مسلمان نے کفار کو زچ کرنے کے لیے اس طرح کی کوئی حرکت نہ کی تھی۔

پھر تو اُن کی مجلسوں میں ایک شور برپا ہو گیا کہ پکڑو مارو۔وہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی طرف لپکے اور اُن کو مارنے لگے۔مگر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ یک گونہ لذت میں تھے اس لیے انھوں نے تلاوت منقطع نہ کی بلکہ پڑھتے چلے گئے۔تب کفار نے اُن کے منہ پہ مارنا شروع کیا اور اُن کے چہرے سے لہو رسنے لگا۔اور جب وہ بے ہوش ہو کر گرے تب کفار نے اُن کا پیچھا چھوڑا۔

پھر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اٹھے اور اپنے مسکن کی طرف گئے جو یقیناً دارِ ارقم تھا۔

صحابہ نے اُن کی یہ حالت دیکھی تو وہ دکھ میں مبتلا ہو گئے۔

انھوں نے کہا: ہمیں اسی بات کا خدشہ تھا۔

مگر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو اپنے زخموں کی کوئی پرواہ نہ تھی وہ ایک اجنبی لیکن یقینی لذت کے حصار میں تھے۔

انھوں نے صحابہ سے کہا:

خدا کی قسم! میرے زخموں کو مت دیکھو بلکہ یہ دیکھو کہ میں نے اُن کے کانوں میں اکسیر انڈیلا ہے۔

مگر انھوں نے بدلے میں تم سے برا سلوک کیا۔

صحابہ نے اُن سے کہا:

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے کہا:

اللہ کے دشمن میری آنکھوں میں پہلے سے زیادہ رسوا ہو گئے ہیں اور جہاں تک میرے زخموں کا تعلق ہے کہ تو خدا کی قسم مجھے اِن کی ذرا بھی پرواہ نہیں اور میں انشاءاللہ کل پھر یہ سعادت حاصل کروں گا۔

تاہم دوسرے دن صحابہ نے اُن کو نہ جانے دیا اور زبردستی روک لیا۔[26*]

❖❖❖❖❖❖❖❖

انھی دنوں جب اہل مکہ قرآن سے گریزاں تھے اور مسلمانوں کو زک پہنچانے کے متعلق سوچتے رہتے تھے تب ایک روز حضرت ابوبکرؓ نے نبی اکرم ﷺ سے ضد کر کے اجازت لی اور بیت اللہ جا کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ کفار قریش کو اُن سے اس جرأت کی توقع نہ تھی اس لیے انھوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ پہ حملہ کر دیا۔

کفار نے اُن پہ بے انتہا تشدد کیا۔ خاص طور پہ عتبہ نے اُن کے چہرے پہ اپنے جوتے سے چوٹیں لگائیں جس پہ نعل لگے ہوئے تھے اس وجہ سے اُن کا چہرہ لہولوہان ہو گیا تھا۔ پھر اُن کے قبیلے کے لوگ پہنچ گئے اور وہ حضرت ابوبکر کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر وہاں سے لے گئے۔

اس کے بعد بنوتمیم یعنی حضرت ابوبکر کے وارث حرم پاک میں آئے اور اعلان کیا کہ اگر حضرت ابوبکر

شہید ہو گئے تو وہ بدلے میں عتبہ کو قتل کر دیں گے۔[*4].

چنانچہ عتبہ اُن سے چھپ گیا مگر اللہ تعالیٰ کو ابھی حضرت ابوبکرؓ کی زندگی چاہیے تھی انھوں نے ابھی اسلام کی بہت خدمت کرنا تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُن کو زندگی بخشی تاہم اب مسلمانوں اور اہل قریش میں دوبدو ٹھن گئی تھی۔ کفار قریش نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں کے لیے اپنے سینے میں عناد پالنے لگے تھے اس لیے کہ قریش کے کئی نوجوانوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور وہ اپنے گھر کے بڑے بوڑھوں اور قبیلے کے سردار کے حکم کے باوجود اسلام سے انحراف پر آمادہ نہ ہوتے تھے۔

❖ ❖ ❖

2 نبوی، 11 قبل ہجرت۔۔۔سنہ 611ء

حق قبول کرنے والے

ایک ایک کر کے قافلہ بنتا جارہا تھا، راہ حق کے مسافر رفتہ رفتہ اس قافلے میں شامل ہوتے جارہے تھے۔راہ حق کے کچھ مسافروں کے قبول اسلام کا احوال ہم پیش کر چکے ہیں اور کچھ کا تذکرہ یہاں مقصود ہے۔یہ صبر وعزیمت کی وہ داستانیں ہیں جن سے لہو میں گرمی پیدا ہوتی ہے اور دین میں پختگی،قریش مکہ کا قہر تپتی دوپہر کی طرح بے رحم اور بے دریغ تھا تو دوسری طرف صبر وثبات اور یقین واستقامت کا معیار بھی ناقابل یقین حد تک پختہ تھا۔شہر مکہ کے درودیوار حق کے اِن پروانوں کے ناقابل شکست عزم کے احساس سے مخمور تھے اور انھیں دادِ شجاعت سے نوازتے تھے۔ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ؛

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔پھر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ،پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ ،پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ،پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ،پھر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ،پھر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ ،پھر حضرت عبدالرحمان عوف رضی اللہ عنہ ،پھر حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ،پھر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ۔

تاہم انھوں نے آنحضرت محمد ﷺ کی صاحبزادیوں کا ذکر نہیں کیا جنھوں نے یقیناً اسلام قبول کرلیا تھا۔ مورخین نے انھیں گھر کی خواتین جانتے ہوئے نظر انداز کیا ہے۔ چنانچہ اِن قابل عزت افراد کے بعد جنھوں نے نبی اکرم ﷺ کو پہچان لیا اور ایمان کی دولت سے اپنا دامن کو سجایا۔ اُن کی کچھ تفصیل ذیل میں درج کی جارہی ہے۔

علامہ سہیلی نے "**الروض الانف**" میں لکھا کہ اس کے بعد مندرجہ ذیل اصحاب قافلہ حق کے مسافر بنے۔

- حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا شمار نبی اکرم ﷺ کے بلند درجہ صحابہ میں کیا جاتا ہے۔ اُن کا نام عامر تھا۔ اُن کا نسب امام سہیلیؒ نے یوں بیان کیا ہے۔ عامر بن عبداللہ بن جراح بن ہلال بن اہیب بن ضبہ بن حارث بن فہر۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

- پھر حضرت ابو سلمٰی رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اُن کا نام عبداللہ تھا اور نسب یوں بیان کیا گیا ہے۔ عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن مخزوم بن یقظہ بن مرۃ بن کعب بن لوئی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

- اُن کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ارقم بن ارقم رضی اللہ عنہ کے سینے کو منور کیا جنھوں نے مسلمانوں کی خوب معاونت کی۔ انھوں نے کوہ صفا کے قریب اپنا ایک بہت بڑا سا گھر مسلمانوں کے لیے مختص کر دیا تھا جہاں مسلمان جمع ہوتے، نماز ادا کرتے، قرآن پڑھتے اور قریش کے دستِ جبر سے محفوظ رہتے۔ یہ گھر اُن کے لیے دارالامن تھا۔ دارالعلم تھا، رنج والم سے محفوظ کسی ماں کی گود کی طرح تھا ۔ جہاں کفار دارالندوہ میں بیٹھ کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں تیار کرتے وہیں مسلمان دارِ ارقم میں

بیٹھ کر اُن کا توڑ تیار کرتے۔ابوارقم کا اصل نام عبد مناف بن اسد تھا اور نسب عبد مناف بن اسد بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ بن کعب بن لوئی تھا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

☚ پھر حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل کی ۔اُن کا نسب عثمان بن مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح بن عمرو بن وعصیص بن کعب بن لوئی تھا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

☚ ان کے بعد حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے آفتابِ اسلام سے نورانیت پائی۔امام سہیلیؒ نے اُن کا نسب یوں بیان کیا ہے۔عبیدہ بن حارث بن مطلب بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

☚ پھر حضرت زید بن سعید رضی اللہ عنہ اور اُن کی بیوی فاطمہ بنت خطابؓ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کا نسب یوں بیان کیا گیا ہے۔سعید بن زید بن عمرو بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن عبداللہ بن قرط بن ریاح بن زراح بن عدی بن کعب بن لوئی اور اُن کی زوجہ حضرت فاطمہؓ کا نسب یوں ہے۔فاطمہ بنت خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن عبداللہ بن قرط بن ریاح بن زراح بن عدی بن کعب بن لوئی ہے۔فاطمہ بنت خطابؓ حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ تھی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

☚ پھر حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت اسماءؓ نے اسلام قبول کیا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹیاں تھیں۔جب حضرت عائشہؓ نے اسلام قبول کیا تو وہ اس وقت بہت کمسن تھیں۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

☚ اُن کے بعد حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا ابن ہشام نے لکھا ہے کہ اُن کا تعلق بنو تمیم سے تھا۔ تاہم دیگر کچھ مورخین نے کہا ہے کہ وہ بنو خزاعہ سے متعلق تھے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

☚ علامہ ابن اسحاقؒ نے لکھا ہے کہ خباب کے ساتھ حضرت عمیرؓ بن ابی وقاص دائرہ اسلام میں داخل ہوئے جو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے بھائی تھے اور اُن کا تعلق بنو زہرہ سے تھا جو نبی اکرم ﷺ کے ننھیال تھے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

☚ پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل کی اُن کا نسب یوں بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود بن حارث بن شمخ بن مخزوم بن صاہلۃ بن کامل بن حارث بن تمیم بن سعد۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

☚ پھر حضرت مسعود بن قاری رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ اُن کا نسب یوں ہے حضرت مسعود بن قاری بن ربعیہ بن عمرو بن سعد بن عبدالعزیٰ بن حمالہ بن غالب بن محلم بن عائذہ بن سبیع بن الھون بن خزیمہ۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

☚ اُن کے بعد یہ خوشی حضرت سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی۔اُن کا نسب ایسے بیان کیا گیا ہے۔حضرت سلیط بن عمرو بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن عامر بن لوئی بن غالب بن فہر۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

☚ اور پھر حضرت عیاش رضی اللہ عنہ اور اُن کی بیوی اسماءؓ نے اسلام قبول کرنے سعادت حاصل کی ۔عیاش کا نسب یہ ہے۔حضرت عیاش بن ابی ربعیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخذوم بن یقظہ بن مرہ بن کعب بن لوئی۔اور اُن کی بیوی اسماء کا نسب یوں بیان کیا گیا ہے۔حضرت اسماء بنت سلامہ بن مخربۃ بن الشمیہ ۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

☚ اُن کے بعد حضرت خنیس بن خذافہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔اُن کا نسب یہ ہے۔حضرت خنیس بن خذافہ بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم بن عمرو بن ھصیص بن کعب بن لوئی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

☚ پھر حضرت عامر بن ربعیہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا،ابن ہشامؒ نے لکھا ہے کہ عامر بن ربعیہ عنز بن وائل کے بھائی تھے اور اُن کا تعلق بنو ربعیہ بن نزار سے تھا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

☚ پھر حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔عبداللہ بن جحش کا نسب یہ ہے ۔حضرت عبداللہ بن جحش بن رئاب بن یعمر بن صبرہبن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن

خزیمہ۔اُن کے بھائی ابواحمد جحش رضی اللہ عنہ نے بھی اُن کے ساتھ ہی اسلام قبول کیا دونوں کا نسب ایک ہی ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

☚ پھر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور اُن کی بیوی محترمہ اسماءؓ بنت عمیس نے اسلام قبول کیا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

☚ پھر حضرت حاطب بن حارث رضی اللہ عنہ اور اُن کی بیوی فاطمہؓ بنت مجلل بھی اسلام کے سایہ عاطفت میں آگئے۔حضرت حاطب کا نسب یہ ہے۔حاطب بن حارث بن معمر بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوئی۔حاطب کی بیوی کا نسب یہ ہے۔فاطمہؓ بنت مجلل بن عبداللہ بن ابی قیس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی بن غالب بن فہر۔حاطب بن حارث کے بھائی خطاب بن حارث رضی اللہ عنہ اور اُن کی بیوی فکیہہ بنت یسارؓ نے بھی اُن کے ساتھ ہی اسلام قبول کیا۔خطاب بن حارث رضی اللہ عنہ کا نسب وہی ہے جو اُن کے بھائی حاطب بن حارث رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں اوپر بیان کیا گیا۔تاہم اُن کی بیوی فکیہہؓ کا نسب یوں بیان کیا گیا ہے۔محترمہ فکیہہؓ بنت یسار بن معمر بن حارث بن معمر بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوئی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

☚ اور پھر حضرت سائب بن عثمان رضی اللہ عنہ اور اُن کی بیوی رملہؓ بنت ابی عوف نے اسلام قبول کیا۔ سائب کا نسب یہ ہے۔حضرت سائب بن عثمان بن حبیب بن وہب بن مطلب بن ازہر بن عبد عوف بن الحارث بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی۔جب کہ اُن کی بیوی کا نسب اس

طرح بیان کیا گیا ہے۔ رملہؓ بنت ابی عوف بن صبیرہ بن سعید بن سعد بن سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوئی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

☚ پھر حضرت نعیم نحام بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ اُن کا نسب یہ ہے نعیم بن عبداللہ بن اسید بن عبداللہ بن عوف بن عبید بن عویج بن عدی بن کعب بن لوئی۔ یاد رہے کہ نحام اُن کے نام کا حصہ نہ تھا۔ بلکہ عرب نحام اُس شخص کو کہتے جو آہستہ آہستہ کھانستا ہو۔ چنانچہ جب نبی اکرم ﷺ نے نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں صحابہ کو آگاہ کیا کہ نعیم رضی اللہ عنہ اہل جنت میں سے ہیں اور میں نے اُن کے کھانسنے کی آواز جنت میں سنی ہے۔ تب سے لوگوں نے نعیم کے نام ساتھ نحام کو بھی جوڑ دیا تھا۔ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ کو بھی اتنی زبردست بشارت کے بعد اس بات پہ کوئی اعتراض نہ تھا کہ لوگ اُن کو نعیم نحام رضی اللہ عنہ کہیں۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

☚ پھر حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ وہ بنو اسد کے مولدین میں سے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں بنو اسد ہی سے خریدا تھا۔ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ ایک سیاہ فام غلام تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں طفیل بن حارث سے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ نے تب اسلام قبول کیا جب ابھی نبی اکرم ﷺ دارِ ارقم میں بھی منتقل نہ ہوئے تھے۔ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو بئیر معونہ کے دن شہید کیا گیا تھا۔ انھیں عامر بن طفیل نے نیزہ مار کر شہید کیا تھا۔ عامر بن طفیل نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا اور انھیں ہمیشہ اس بات کا دکھ رہا تھا کہ انھوں نے عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ اس لیے کہ جب انھوں نے عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نیزہ مارا تب ایک روشنی سی ہوئی اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ غائب ہو گئے۔ بعد میں جب عامر بن طفیل رضی اللہ عنہ ایک دن نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ تب

انھوں نے آنحضرت محمد ﷺ سے پوچھا؟ وہ شخص کون تھا جس کو میں نے نیزہ مارا تو وہ غائب ہو گیا تھا یا انھیں اٹھا لیا گیا تھا۔ تب آنحضرت محمد ﷺ نے جواب دیا۔ وہ تو عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ تھے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

☚ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ پھر خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا اور اُن کی بیوی امینہؓ بنت خلف نے بھی اُن کے ساتھ ہی اسلام قبول کیا۔ حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کا نسب ایسے بیان کیا جاتا ہے۔ خالد بن سعید بن العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوئی۔ اُن کی بیوی امینہ کا نسب یہ ہے۔ محترمہ امینہ بنت خلف بن اسعد بن عامر بن بیاضہ بن سبیع بن جثمہ بن سعد بن ملیح بن عمرو۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اُن کا تعلق بنوخزاعہ سے تھا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

☚ ابن اسحاقؒ کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ نے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کی۔ اُن کا نسب امام سہیلیؒ نے الروض الانف میں یوں بیان کیا ہے ۔ حضرت حاطبؓ بن عمرو بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی بن غالب بن فہر۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

☚ پھر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل کی ابن ہشام نے اُن کا نام مہشم لکھا ہے اور ساتھ ہی اُن کا نسب بھی بیان کیا ہے۔ مہشم بن عتبہ بن ربعیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوئی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

☚ پھر حضرت واقد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل کی۔ وہ ایک غلام تھے اور باہلہ نامی ایک عرب نے انھیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انھیں آزاد کر کے اپنا متبنّیٰ بنالیا تھا۔ جب سورۃ احزاب میں اس بات کا حکم ہوا کہ منہ بولے بیٹوں کو اُن کے اصل باپوں کے نام کے ساتھ بلایا کرو تب واقد نے بیت اللہ میں آ کر کہا۔ میں واقد بن عبداللہ ہوں۔ ابن ہشام نے اُن کا نسب یوں بیان کیا ہے۔ واقد بن عبداللہ بن عبد مناف بن عرین بن ثعلبہ بن یربوع بن حنظلہ بن مالک بن زید بن مناۃ بن تمیم۔ [76*]

❖❖❖❖❖❖❖❖

یہ سابقون الاولون کی کچھ تفصیل تھی جو تاریخ کے اوراق میں اپنی جگہ بنائے رکھنے میں کامیاب رہی۔ اگر چہ جو ترتیب ہم نے یہاں بیان کی ہے وہ حتمی نہیں ہے اور نہ ہی اس بات کا درست طور پہ تعین کیا جا سکتا ہے کہ کس نے کس کے بعد اسلام قبول کیا۔ جب نبی اکرم ﷺ کو عام دعوت کا حکم دیا گیا اور کہا گیا کہ آپ ﷺ اپنے رشتے داروں کو قیامت کے عذاب سے ڈرائیں تب آپ ﷺ کی خاموش تبلیغ کو تین سال بیت چکے تھے اور مسلمانوں کی تعداد ایک سو اڑتیس بیان کی گئی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے پہلے صرف اُن لوگوں کو اسلام کی دعوت دی جن کے متعلق آپ ﷺ کو علم تھا کہ یہ لوگ قلب سلیم کے مالک ہیں اور دعوت اسلام کو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ یہ خاموش دعوت کا دور تھا اور ابھی نبی اکرم ﷺ کو اس بات کا حکم نہ دیا گیا تھا کہ آپ ﷺ کھلم کھلا اسلام کی دعوت لوگوں تک پہنچائیں۔ اسی لیے ابھی مسلمانوں اور اہل قریش کے درمیان مخاصمت کی کھلی فضا قائم نہ ہوئی تھی بلکہ مسلمانوں کو اہل قریش کے جبر اور ظلم کا سامنا تب کرنا پڑا جب نبی اکرم ﷺ نے کھلم کھلا اُن کے بتوں کی مذمت کی اور اُن کو اس بات سے آگاہ کیا کہ اُن کے آباء جہالت پہ مرے ہیں۔

❖❖❖

2 نبوی، 11 قبل ہجرت ۔۔۔611ء

دو نبوی کے کچھ اور واقعات

آنحضرت محمد ﷺ لوگوں کے دلوں کو اسلام کی روشنی سے منور کر رہے تھے۔ دو نبوی تک مسلمانوں کی تعداد سو سے کچھ اوپر ہی ہوگی۔ کفار قریش اگرچہ ابھی تک براہ راست اسلام دشمنی پر متفق نہ ہوئے تھے تاہم اُن کے دلوں میں اسلام کے خلاف بغض میں اضافہ ضرور ہو رہا تھا یہی وجہ ہے مسلمان فتنہ وفساد کے خوف سے زیادہ تر دارارقم میں جمع رہتے اور رسول اللہ ﷺ سے دین اسلام کی تعلیم حاصل کرتے۔ اسی گوشہ عافیت میں وہ نمازیں پڑھتے اور قرآن سیکھتے۔ ان صفحات میں ہم دو نبوی میں مسلمانوں کو درپیش آنے والے کچھ واقعات کا مطالعہ کریں گے تاکہ مسلمانوں کو پیش آنے والی مشکلات کا صحیح طور پہ اندازہ کرسکیں۔

☜ دو نبوی میں پیش آنے والے دیگر اہم واقعات میں اول حضرت اُم رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کا حضرت عثمانؓ سے نکاح ہے۔ مواہب لدنیہ اور سیرت شامیہ میں لکھا ہے کہ دو نبوی کو رسول اللہ ﷺ نے

اپنی لختِ جگر حضرت رقیہؓ کا نکاح حضرت عثمان بن عفانؓ کے ساتھ کیا جو قریش کے ایک نہایت ہی شریف خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور نبوت کے پہلے سال ہی آنحضرت محمد ﷺ پر ایمان لا چکے تھے۔ عرب کے معاشرتی دستور کے مطابق حضرت عثمانؓ کی پھوپھی حضرت سعدی بنت کریز بعثمیہؓ نے اپنے بھتیجے کی شادی پر اِن طربیہ اشعار میں اپنے جذبات کا اظہار کیا۔

اَحْسَنُ زَوْجَيْنِ رَآىٰ اِنْسَانٌ
رُقَيَّةٌ وَ زَوْجُهَا عُثْمَانُ

حسین ترین میاں بیوی جو کسی انسان نے دیکھے ہوں وہ حضرت رقیہؓ اور اُن کے خاوند عثمان بن عفانؓ ہیں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

هَدَى اللّٰهُ عُثْمَانَ الصَّفِيَّ بِقَوْلِهٖ
فَاَرْشَدَهٗ وَاللّٰهُ يَهْدِىْ اِلَى الْحَقِّ

اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ عثمان کی رہنمائی اپنے کلام کی طرف فرمائی اور انھیں ہدایت سے نوازا بے شک ہدایت اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

فَتَابَعَ بِالرَّاْىِ السَّدِيْدِ مُحَمَّدًا
وَكَانَ ابْنُ اَرْوىٰ لَايَصُدُّ عَنِ الصِّدْقِ

انھوں نے مضبوط ارادے کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اختیار کی اور ابن اروی سچ کی اتباع سے کیسے رُک سکتا تھا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

وَاَنْكَحَهُ الْمَبْعُوْثُ اِحْدٰى بِنَاتِهٖ
فَكَانَ كَبَدْرٍ مَّازَجَ الشَّمْسَ بِلَا اُفُقٍ

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح آپ سے کر دیا تو یوں معلوم ہوتا تھا گویا چاند اور سورج بغیر کسی اُفق کے مل رہے ہوں۔

فَدًى لَّكَ يَا ابْنَ الْهَاشِمِيِّيْنِ مُهْجَتِىْ
فَاَنْتَ اَمِيْنُ اللّٰهِ اُرْسِلْتَ لِلْخَلْقِ

اے ہاشمی آباء کے سپوت! آپ ﷺ پر میری جان فدا ہو، آپ ﷺ اللہ کے امین ہیں اور مخلوق کی جانب آپ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔[77*]

پانچ ہجری میں حضرت عثمانؓ نے اپنی بیوی رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حبشہ کو ہجرت فرمائی۔ ازاں بعد وہاں سے واپس تشریف لے آئے اور رسول اللہ ﷺ کے حکم سے مدینہ کو ہجرت فرمائی۔

☜ دو نبوی کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ پیدا ہوئے جو بعد میں بہت بڑے عالم بنے حضرت عبداللہ

بن عمرؓ نے جنگ بدر میں شرکت کی بھرپور کوشش کی مگر رسول اللہ ﷺ نے انھیں بچوں میں شمار کیا کہ اُن کی عمر اُس وقت محض تیرہ سال تھی۔ تاہم غزوہ اُحد میں اُن کو شامل کر لیا گیا۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

☜ دو نبوی میں ہی مدینہ میں حضرت زید بن ثابت بن ضحاک انصاری خزرجی پیدا ہوئے جن کا تعلق بنو خزرج سے تھا۔ نبوت کے آخری سالوں میں وہ رسول اللہ ﷺ پر اترنے والے قرآن کو لکھا کرتے تھے۔ اُن کے والد ثابت جنگ بعاث کے موقع پر مارے گئے تھے۔ جنگ بعاث کے وقت زید کی عمر صرف چھ سال تھی۔ تاہم جب نبی اکرم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو حضرت زید بن ثابت انصاری کی عمر گیارہ سال تھی۔ حضرت زید بن ثابت انصاریؓ کا شمار رسول اللہ ﷺ کے اُن صحابہ میں کیا جاتا ہے جن سے آپ ﷺ بہت محبت کرتے تھے اور کاتب وحی ہونے کے اعزاز کا ذکر ابھی اوپر گزرا ہے۔

❖❖❖

اشاریہ

*1

نبی اکرم ﷺ کی پیدائش مبارک کے موقع پر حضرت عبدالمطلب نے جو اشعار کہے انھیں دیگر مورخین کے ساتھ ساتھ علامہ سہیلی نے بھی نقل کیا ہے ہم نے یہ اشعار وہیں سے پیش کئے ہیں۔

الروض الانف جلد اول (ص : 357)

امام ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*2

علامہ عبداللہ سہیلی نے نبی اکرم ﷺ کی پیدائش سے پہلے محمد نامی اشخاص کا جو احوال لکھا ہے وہ انھوں نے ابن فورک کی کتاب الفصول سے نقل کیا ہے اور اس کا تذکرہ بھی انھوں نے الروض الانف میں کیا ہے۔

الروض الانف جلد اول (ص : 353)

امام ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*3

حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے قصیدے کے یہ اشعار ہم نے سیرت حلبیہ سے درج کئے ہیں۔

علامہ علی ابن برھان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول ص ؛191)

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*4

قصیدہ ہمزیہ عربوں میں بے پناہ مقبول تھا جو نبی اکرم ﷺ کی مدح میں تحریر کیا گیا۔ یہ اشعار اسی قصیدے کے ہیں۔

علامہ علی ابن برھان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول ص ؛195)

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*5

قصیدہ ہمزیہ عربوں میں بے پناہ مقبول تھا جو نبی اکرم ﷺ کی مدح میں تحریر کیا گیا یہ اشعار بھی اسی قصیدے کے ہیں۔

علامہ علی ابن برھان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول ص ؛ 237)

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*6

نبی اکرم ﷺ کے ایک ہزار ناموں والی روایت برہان الدین حلبیؒ کی سیرت سیرت حلبیہ سے تحریر کی گئی۔

علامہ علی ابن برھان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول ص ؛255)

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*7

حضرت عبدالمطلب نے نبی اکرم ﷺ کا نام پہلے قثم رکھا تھا اور یہ قول برہان الدین حلبی نے کتاب امتاع سے نقل کیا ہے۔

علامہ علی ابن برھان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول ص ؛260)

*8

برہان الدین حلبی کے علاوہ بھی تقریباً ہر مورخ نے یہ روایت پیش کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا نام حضرت آمنہ کو خواب میں بتادیا گیا تھا۔

علامہ علی ابن برھان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول ص ؛262)

*9

ابن عباسؓ کی یہ روایت جس میں رسول اللہ ﷺ کے عقیقہ کی دعوت کا ذکر ہے بخاری کے علاوہ اسے کئی دیگر مورخین نے بھی نقل کیا ہے۔

مولف سیرۃ المزملؐ ۔افتخار احمد افتخار

*10

حضرتؓ حسان بن ثابتؓ کا یہ شعر بھی علامہ برہان الدین حلبی کی سیرت سیرت حلبیہ سے نقل کیا گیا ہے۔

علامہ علی ابن برھان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول ص ؛256)

*11

نبی اکرم ﷺ کے نام کی برکتوں سے مزین یہ روایات سیرت حلبیہ سے درج کی گئی ہیں۔

علامہ علی ابن برھان الدین حلبی ؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول ص ؛270)

*12

ختنہ شد پیدا ہونے والے انبیاء کے نام سیرت حلبیہ سے درج کئے گئے ہیں۔

علامہ علی ابن برھان الدین حلبی ؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول ص ؛182)

*13

ختنہ شدہ انبیاء کے بارے میں پیش کیے گئے اشعار کے شاعر کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔

علامہ علی ابن برھان الدین حلبی ؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول ص ؛183)

*14

نبی پاک ﷺ کے متعلق یہ نعتیہ اشعار شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے ہیں جنہیں ہم نے آپ کے لیے ضیا النبی سے نقل کیا۔

محمد کرم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ضیا النبی (جلد دوم ص ؛41)

*15

تقریباً تمام مورخین نے لکھا ہے کہ صدیوں سے قائم یہ رسم کہ عربوں کے بچے بادیہ نشینوں میں پلتے

تھے اسلام آنے کے بعد بھی جاری رہی۔

علامہ علی ابن برہان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول)

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

16*

اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے بارے میں بھی بہت سے مورخین نے لکھا ہے کہ اسے صحیح عربی نہ آتی تھی اس لیے کہ وہ بادیہ میں نہ جاسکا تھا۔

الروض الانف جلد اول (ص ؛ 357)

امام ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

17*

حضرتؓ عبداللہ نے اپنے ورثے میں کچھ بکریاں اور ایک کنیز برکہ چھوڑی تھی اس کا تذکرہ بھی اکثر مورخین نے کیا ہے۔

الروض الانف جلد اول

امام ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیل

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

18*

بنوسعد کے قافلے ہر سال منیٰ کی تلہٹی میں اترا کرتے تھے اور صدیوں سے بنوسعد کے کی مائیں اہل مکہ کے بیٹوں کو دودھ پلاتی آئیں تھیں۔

علامہ علی ابن برہان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول)

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*19

بنوسعد کے بادیہ نشینوں پہ اترے شدید قحط کا ذکر بھی اکثر مورخین نے کیا ہے ہم نے اُن کے کچھ حالات سیرت حلبیہ سے درج کئے ہیں۔

علامہ علی ابن برھان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول)

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*20

یہ ایک یقینی بات ہے کہ قبیلہ ہوازن کے خاندان بنوسعد کا فصاحت اور بلاغت میں کوئی ثانی نہ تھا۔

علامہ علی ابن برھان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول)

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*21

بہت سی روایات میں یہ روایت گڈمڈ سی ہوگئی بعض نے لکھا ہے کہ حلیمہ سعدیہ نے آپ ﷺ کو نہ لیا کہ آپ یتیم ہیں اور بعض نے کہا کہ لوگوں نے حلیمہ کی غربت اور بدحالی کی وجہ سے اُن کو بچہ دینے سے انکار کیا۔

علامہ علی ابن برھان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول ص ؛۵۸۴)

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*22

نبی اکرم ﷺ کے رضائی باپ حارث کا نام بعض مورخین نے حارث کی بجائے حرث بھی لکھا ہے۔

علامہ علی ابن برھان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول)

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*23

مورخین نے نبی اکرم ﷺ کی پیدائش کے واقعات میں معجزات نما بہت سے واقعات لکھے ہیں جن میں سے بیشتر کو ہم نے اصول روایت ودرایت کی وجہ سے نظرانداز کیا ہے۔

علامہ علی ابن برہان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول)

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*24

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ ذوئیب حلیمہ سعدیہ کے والد کا نام ہے اور کسی نے کہا کہ ذوہیب حارث کے بیٹے کا نام ہے۔

علامہ علی ابن برہان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول)

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*25

حضرتؓ آمنہ کے یہ اشعار جو انھوں نے محمد ﷺ کو حضرت آمنہ کو سونپتے ہوئے کہے تھے ہم نے انھیں طبقات ابن سعد سے درج کیا ہے۔

محمد بن سعد

طبقات ابن سعد (جلد اول)

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*26

قصیدہ ہمزیہ کے یہ اشعار جن میں ایام بنوسعد کا تذکرہ ہے ہم نے آپ کے لیے سیرت حلبیہ سے درج کیا ہے۔

علامہ علی ابن برہان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول ص ؛288)

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*27

شیما جو آپ ﷺ کی رضاعی بہن تھی کے سمیت حضرت حلیمہ سعدیہ کا سارا خاندان ایمان لے آیا تھا شیما کے اشعار بھی کئی مورخین نے درج کئے ہیں۔

علامہ علی ابن برھان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول ص)

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*28

قصیدہ ہمزیہ کے یہ اشعار جن میں ایام بنوسعد کا تذکرہ ہے ہم نے آپ کے لیے سیرت حلبیہ سے درج کیا ہے۔

علامہ علی ابن برھان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول ص ؛288)

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*29

مغربی مستشرقین میں سے ولیم مور نے لائف آف محمد اور پروفیسر نکلسن نے تاریخ ادبِ عرب نامی کتاب میں لکھا ہے کہ وحی یا شق صدر جیسے واقعات کی کوئی اصل نہیں بلکہ یہ مرگی کی شکل کی ایک بیماری تھی۔معاذاللہ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*30

نیوٹن کے یہ مشہور زمانہ الفاظ اسی کی کتاب سے درج کئے گئے ہیں اس کتاب کا نام ہے۔

(Heroes of Civilization)

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*31

مہر نبوت کے بارے میں درج کی گئی بحث میں کئی روایات کتاب الشفاء سے لی گئیں۔

علامہ علی ابن برھان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول ص ؛307)

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*32

مہر نبوت کے بارے میں درج کی گئی بحث میں کئی روایات حافظ ابن حجر کی کتاب اصابہ سے بھی درج کی گئی ہیں۔

علامہ علی ابن برھان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول ص ؛308)

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*33

نبی اکرم ﷺ جب مکہ کے ہجوم میں حضرت حلیمہ سعدیہ سے بچھڑ گئے تو حضرت عبدالمطلب نے یہ اشعار کہے۔

محمد بن سعد

طبقات ابن سعد (جلد اول ص ؛76)

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*34

حضرت آمنہؓ نے اپنی زندگی کی آخری سانسوں میں جو اشعار پڑھے انھیں ہم نے ضیا النبی سے تحریر کیا ہے اور مولف نے انھیں دلائل ابونعیم کی طرف منسوب کیا ہے۔

ضیا النبی (جلداول ص76) محمد کرم شاہؒ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*35

حضرت ابوطالب کے ہمراہ بارش کے لیے دعا کرنے کی یہ روایات ہم نے سیرت حلبیہ سے لی ہیں

علامہ علی ابن برهان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول)

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*36

بوانہ کے بت کے متعلق اوراس کے تہوار کے متعلق ام ایمن سے روایت کی ہے جس کا نام برکتہ تھا اور جو نبی اکرم ﷺ باندی تھی۔

علامہ علی ابن برهان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول)

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*37

جاہلیت کے امور سے آپ ﷺ کی حفاظت کے بارے میں یہ روایت ہم نے امام بخاری کی صحیح سے لی ہے۔

امام محمد بن عبداللہ بخاری

صحیح بخاری

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*38

برہان الدین حلبی کی طرح کئی دوسرے مورخین نے بھی یہی لکھا ہے کہ بحیرئی نے حضرت ابوطالب کو بتادیا تھا کہ اُن کا بھتیجا اللہ کا نبی ہے۔

علامہ علی ابن برهان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول ص)

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*39

سفر شام کے متعلق اور آنحضرت محمد ﷺ کے ساتھ جانے کی ضد کے متعلق یہ اشعار ہم نے امام سہیلیؒ کی کتاب الروض الانف سے لیے ہیں۔

الروض الانف جلد اول

امام ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی

*40

بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ حرب فجار میں بنو کنانہ کا رئیس عبداللہ بن جدعان تیمی تھا۔

علامہ علی ابن برہان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول)

*41

حرب فجار کے بارے میں یہ اشعار ہم نے امام عبداللہ سہیلیؒ کی الروض الانف سے درج کئے ہیں۔

الروض الانف جلد اول

امام ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی

*42

حلف الفضول کے عنوان کے تحریر گئے مضمون میں زبیدی تاجر کے یہ اشعار ہمیں الروض الانف سے ملے۔

الروض الانف جلد اول

امام ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی

*43

حلف الفضول کے عنوان کے تحریر گئے مضمون میں زبیر بن عبدالمطلب کے یہ اشعار ہمیں الروض الانف سے ملے۔

الروض الانف جلد اول

امام ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

44*

ورقہ بن نوفل کے یہ اشعار ہم نے سیرت ابن ہشام سے نقل کئے ہیں کئی دیگر مورخین نے بھی اِن کا تذکرہ کیا ہے۔

علامہ ابن ھشام

از ابن ھشام (جلد اول ص ؛213)

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

45*

حضرت خدیجہؓ اور آنحضرت محمد ﷺ کے نکاح کے تناظر میں ہم نے یہ اشعار عربوں کے مشہور قصیدے ہمزیہ سے نقل کئے ہیں۔

علامہ علی ابن برھان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول ص ؛443

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

46*

ہم نے یہاں ارادۃ اس بات سے پہلوتہی کی ہے کہ قاری کو اس بحث میں الجھایا جائے کہ حضرت خدیجہ کے والد زندہ تھے اور شراب کے نشے میں تھے اور اُن سے چھپ کر یہ نکاح کیا گیا اور یہ کہ جب حضرت خدیجہ کے والد کا نشہ اترا تو اس کو معلوم ہوا کہ اس نے نشے کی حالت میں اپنی بیٹی ایک غریب شخص سے بیاہ دی ہے جس پہ وہ پچھتایا اور اس نکاح سے انکار کیا پھر حضرت خدیجہ کے اصرار پہ چپ ہو رہا کہ وہ ایک امیر بیٹی کو ناراض نہ کر سکتا تھا دراصل یہ سارا ایک افسانہ ہے جس کی کوئی

حقیقت نہیں اور نہ ہی یہ اُن لوگوں کے شایان شان ہے جن کا نکاح اس محفل میں کیا گیا اس لیے اس روایت کو درست مان لینے سے اتنے بہت سے سوال پیدا ہو جاتے ہیں جن کا جواب دینا ممکن ہی نہیں لگتا اس لیے حقیقت میں انھیں لوگوں کا موقف درست ہے جنہوں نے یہ کہا ہے کہ حضرت خدیجہ کا والد کا انتقال حرب فجار سے پہلے ہو چکا تھا اور اس بارے میں بہت سی مستحکم روایات بھی موجود ہے۔ مورخین نے اگرچہ اس افسانے کو درج کیا ہے مگر خود انھوں نے اس پہ اپنے تحفظات کا اظہار کیا ہے۔ دراصل پہلے مرحلے پہ ہی یہ روایت عقلی اور نقلی طور پہ غلط ثابت ہو جاتی ہے اس لیے کہ حضرت خدیجہ کی پاکبازی اور شرافت کی وجہ سے تو لوگ انھیں سیدۃ النساء العرب کہتے تھے پھر بھلا یہ کس طرح ممکن ہے کہ اُن سے اُس حرکت کا تصور کریں جس کو مورخین نے پوری دیدہ دلیری سے رقم کیا ہے اس لیے ہم نے اس روایت کو اس قابل ہی نہیں سمجھا کہ اسے اپنے متن میں داخل کریں

مصنف سیرۃ المزمل ﷺ افتخار احمد افتخار

❖❖

47*

زیدؓ بن حارثہ کا نسب سیرت ابن ہشام سے نقل کیا گیا۔

ابن ھشام

از سیرت ابن ھشام (جلد اول)

❖❖

48*

زید بن حارثہ کے اوپر بیان کئے گئے نصب پہ یہ اضافہ ابن اسحاق سے مروی ہے اور ہم نے اسے الروض الانف سے تحریر کیا۔

الروض الانف جلد اول

امام ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی

❖❖

*49

اسلام قبول کرنے والوں کی یہ ترتیب روض الانف سے تحریر کی گئی ہے انھوں نے حضرت ابوبکر پہ حضرت زید بن حارثہ کو ترجیح دی ہے یعنی اُن کے اسلام لانے کو۔

الروض الانف جلد اول

امام ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی

*50

زیدؓ کے والد نے اپنے بیٹے کی جدائی میں کیا عمدہ شعر کہے ہم نے انھیں روض الانف سے درج کیا۔

الروض الانف جلد اول

امام ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی

*51

بعض مورخین نے زید بن حارثہ کے والد کا نام حارثہ بن شرجیل لکھا ہے اور بعض نے حارثہ بن شرحیل لکھا ہے،،، واللہ و اعلم

الروض الانف جلد اول

امام ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی

*52

امام سہیلی نے لکھا ہے کہ ابن زبیر نے یہ شعر اس وقت کہے تھے جب قریش نے بیت اللہ کی تعمیر کا ارادہ کیا تھا۔

الروض الانف (جلد اول ص ؛ 451)

امام ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی

*53

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ اس شاعر کا نام ہبیرہ بن وہب المخزومی تھا جس نے آنحضرت محمد ﷺ کی مدح کی۔

الروض الانف جلد اول

امام ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*54

ہم نے ہبیرہ کے یہ اشعار بلوغ الارب سے درج کئے ہیں جو محمود شکری آلوسی کی کتاب ہے۔

محمود شکری آلوسی

بلوغ الارب جلد سوم

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*55

نبی اکرم ﷺ پہ بت پرستی کی لغویت تو بچپن ہی سے ظاہر ہو چکی تھی اور آپ ﷺ عربوں کے بتوں سے بہت نفرت کرتے تھے۔

الروض الانف جلد اول

امام ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*56

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ یہ روشنی سات سال تک آپ ﷺ کو دکھائی دیتی رہی تھی۔

علامہ علی ابن برھان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول ص)

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*57

حضرت خدیجہؓ کے بارے میں آپ ﷺ کا یہ کہنا کہ تیرے گھر والے بتوں کو پوجتے ہیں تو اس کا مطلب اہل مکہ سے تھا۔

الروض الانف جلد اول

امام ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*58

امام سہیلی کے علاوہ دیگر مورخین نے بھی اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ آپ ﷺ کو نبوت سے پہلے وادی مکہ کے درخت اور پتھر سلام کرتے تھے۔

الروض الانف جلد اول

امام ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*59

برہان الدین حلبی نے اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ حضرت اسرافیل آپ ﷺ کو اسرار نبوت سے آگاہ کرتے رہے تھے۔

علامہ علی ابن برہان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول)

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*60

غار حرا میں آپ ﷺ کے قیام اور تحنث کی بابت امام سہیلی کے علاوہ دیگر مورخین نے بھی بہت کچھ لکھا ہے۔

الروض الانف جلد اول

امام ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی

*61

امام سہیلی نے لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ غارِ حرا میں جو عبادت کرتے تھے اُس کو اصطلاح میں تحنث کہا جاتا ہے۔

الروض الانف جلد اول

امام ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی

*62

برہان الدین حلبی نے لکھا ہے کہ ہم درست طور پہ نہیں جانتے کہ نبی اکرم ﷺ غارِ حرا میں کس قدر قیام کرتے تھے صرف رمضان کی بابت معلوم ہوا ہے کہ آپ ﷺ سارا رمضان وہاں گزارتے تھے۔

علامہ علی ابن برہان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول ص)

*63

نبی اکرم ﷺ کے غارِ حرا میں قیام کے متعلق قصیدہ ہمزیہ کے یہ اشعار ہم نے سیرت حلبیہ سے درج کئے ہیں۔

علامہ علی ابن برہان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول ص؛ 109)

*64

یاد رہے یہ وہ عداس نہیں جو آپ ﷺ سے ملک شام میں ملا تھا۔ اگر چہ وہ بھی راہب تھا اور اس کا نام بھی عداس تھا اور وہ بھی نینوا کا رہنے والا تھا۔

علامہ علی ابن برھان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول)

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*65

مورخیں میں اس باب میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے کہ جب پہلی وحی آپ ﷺ کی طرف اتری تب کون سا دن اور کونسا مہینہ تھا۔

علامہ علی ابن برھان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول)

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*66

تاہم کئی مورخین نے حضرت زید بن حارثہ کو غلاموں میں سے اسلام قبول کرنے والا پہلا شخص کہہ کر اس روایت سے متابقت پیدا کی ہے۔

الروض الانف جلد اول

امام ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*67

نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث کو امام محمد بن عبداللہ بخاری اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں عمدہ سند کے ساتھ درج کیا ہے۔

الروض الانف جلد اول

امام ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*68

نبی اکرم ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کو کئی بار اُس صورت میں دیکھا جس میں اُن کو خلق کیا گیا تھا۔

الروض الانف جلد اول

امام ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*69

وحی کی کیفیات ہم نے آپ کے لیے علامہ سہیلی کی کتاب الروض الانف سے بیان کیں ہیں۔

الروض الانف جلد اول

امام ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*70

ابن اسحاقؒ کے علاوہ برہان الدین حلبی اور امام سہیلی نے بھی اس روایت کو ایسے ہی لکھا ہے۔

الروض الانف جلد اول (ص ؛ 543)

امام ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*71

حضرت ابو بکر صدیق کے لقب کے بارے درج کی گئی مختلف روایات امام حلبی اور امام سہیلی کی الروض الانف سے درج کی گئیں ہیں۔

علامہ علی ابن برھان الدین حلبیؒ

سیرۃ حلبیہ (جلد اول)

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

*72

حضرت حسان بن ثابت کے یہ اشعار امام سہیلی کی الروض الانف سے درج کئے گئے ہیں۔

الروض الانف جلد اول

امام ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی

*73
حضرت عثمان بن عفان کا نسب امام سہیلی نے بیان کیا ہے اور ہم نے بھی وہیں سے درج کیا ہے۔
الروض الانف جلد اول
امام ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی

*74
قبول اسلام کے وقت حضرت زبیر بن عوام کی عمر میں اختلاف پایا جاتا ہے ہم سب مورخین کی رائے درج کی ہے۔
الروض الانف جلد اول
امام ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی

*75
عشرہ مبشرہ اُن لوگوں کو کہا جاتا تھا جن کو اُن کی زندگی میں ہی نبی اکرم ﷺ نے جنت کی بشارت دے دی تھی اور یہ دس اصحاب تھے۔
الروض الانف جلد اول
امام ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی

*76
ہم نے تقریباً تمام سابقون الاولین کا نسب تحریر کیا ہے اس لیے کہ عربوں میں نسب کو بہت اہمیت حاصل ہے۔
الروض الانف جلددوم
امام ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی

*77

حضرت عثمان غنی کی پھوپھی نے یہ اشعار اُن کی شادی کے موقع پر کہے تھے جنھیں ہم نے " **سـنیـن النبوۃ**" نامی کتاب سے درج کیا۔

سنین النبوۃ

مولف ؛ مولانا محمد ھاشم

ترجمہ ؛محمد علیم الدین

ماخذ ومصادر و مراجع

القرآن الحکیم

سیرۃ النبی ﷺ ***** مولانا شبلی نعمانیؒ

سنن ابی داؤد ***** امام ابی داؤدؒ

موطا امام مالک ***** امام محمد مالکؒ

مشکواۃ شریف ***** امام محمد رازیؒ

صحیح مسلم شریف ***** امام مسلمؒ

جامع ترمذی	*****	امام ترمذیؒ
تاریخ ابن خلدون	*****	علامہ ابن خلدونؒ
تاریخ الامم والملوک	*****	امام ابن جریر طبریؒ
تاریخ اسلام	*****	اکبر شاہ نجیب آبادیؒ
تاریخ اسلام	*****	معین الدین شاہ ندویؒ
انسان کامل	*****	محمد منیر قریشیؒ
مسلمان امتیں	*****	ڈاکٹر اسرار احمدؒ
سیرت ابن ہشام	*****	ابن ہشامؒ
نقوش (رسول نمبر)	*****	ادارہ
مجموعہ مضامین	*****	پروفیسر احمد رفیق اختر

اسلام اورعصر حاضر	*****	مولانا وحیدالدین خانؒ
ضیاالقرآن	*****	جسٹس محمد کرم شاہؒ
تفہیم القرآن	*****	سیّدابوالاعلیٰ مودودیؒ
خلافت وملوکیت	*****	سیّدابوالاعلیٰ مودودیؒ
سنت کی آئینی حیثیت	*****	سیّدابوالاعلیٰ مودودیؒ
الجہاد فی الاسلام	*****	سیّدابوالاعلیٰ مودودیؒ
خطبات	*****	سیّدابوالاعلیٰ مودودیؒ
سیرت سرور کونین ﷺ	*****	سیّدابوالاعلیٰ مودودیؒ
پردہ	*****	سیّدابوالاعلیٰ مودودیؒ
اسلام کے بنیادی تصورات	*****	سیّدابوالاعلیٰ مودودیؒ

پیغمبر اعظم و آخرؐ	*****	ڈاکٹر نصیر احمد ناصر
محمد عربی ﷺ	*****	مولانا وحید الدین
محسن انسانیتؐ	*****	نعیم صدیقی
تدبر قرآن	*****	مولانا امین احسن اصلاحیؒ
کشت زربار	*****	پروفیسر احمد رفیق اختر
خطبات بہاولپوری	*****	ڈاکٹر حمید اللہؒ
بلوغ الارب	*****	علامہ محمود شکری آلوسیؒ
العقد الفرید	*****	ابن عبد ربہؒ
رویات تمدن قدیم	*****	سیّد علی عباس جلالپوری
الامینؐ	*****	محمد رفیق ڈوگر

سیرت الرسول ﷺ ***** محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ

کائنات اور انسان ***** علی عباس جلالپوریؒ

حجۃ البالغہ ***** شاہ ولی اللہ دہلویؒ

تمدن ہند ***** علی بلگرامیؒ

سیرت عائشہؓ ***** سیّد سلمان ندویؒ

تحقیق ماللہند ***** علامہ البیرونیؒ

کرم کی برسات ***** ڈاکٹر محمد خالد عاربی

ابوسفیانؓ ***** الطاف حسن گیلانی

تاریخ اسلام ***** شیخ محمد رفیق

تاریخ مدینہ ***** محمد صادق بہاولپوری

مقالات	*****	سرسید احمد خان
تاریخ اسلام	*****	حسن ابراہیم
جزیرۃ العرب	*****	علامہ ہمدانی
تاریخ اسلام	*****	ڈاکٹر حسن ابراہیم
المروج الذہب	*****	المسودیؒ
تفصیل الازمنہ	*****	یوسف بن عبدالملکؒ
العرب قبل از اسلام	*****	علامہ جرجی زیدانؒ
الروض الانف	*****	امام سہیلیؒ
شرح سنن ابی داؤد	*****	امام خطابیؒ
قانون اسلام	*****	سرسید احمد خانؒ

عہد نامہ قدیم

عہد نامہ جدید

احکام القرآن ***** امام رازیؒ

الاحکام السطانیہ ***** امام ماوردیؒ

کتاب المثالب ***** ابن ہشام

اعلام النبوۃ ***** امام ماوردیؒ

الطرق الحکمتیہ ***** علامہ ابن قیمؒ

البیان والتبیان ***** امام جاحظ

الکامل ***** علامہ ابن کثیرؒ

کتاب البیان ***** امام لیثیؒ

ضرب الامثال	*****	میدانیؒ
کتاب العمدہ	*****	علامہ ابن رشیقؒ
کتاب الاوائل	*****	اسماعیل بن عبداللہ موصلیؒ
الوفاء	*****	ابن جوزیؒ
مفردات القرآن	*****	علامہ راغب اصفہانیؒ
الجامع الصغیر	*****	امام سیوطیؒ
شرح المواہب اللدنیہ	*****	امام زرقانیؒ
البیان والتعریف	*****	ابراہیم بن محمد الحسینیؒ
الصحاح اللغۃ	*****	امام جوہریؒ
مقاتل الفرسان	*****	ابوعبیدہؒ

دیوان	*****	حضرت حسان بن ثابت ؓ
الشفاء	*****	قاضی عیاض ؒ
طبقات الکبری	*****	ابن سعد ؒ
سیرت حلبیہ	*****	امام حلبی ؒ
مدارج النبوۃ	*****	محدث دہلوی ؒ
جمع الوسائل	*****	ملاعلی قاری ؒ
المواہب اللدنیہ	*****	امام قسطلانی ؒ
جواہر البحار	*****	امام نبہانی ؒ
السیرۃ النبویہ	*****	ابن عساکر ؒ
شعب الایمان	*****	امام بیہقی ؒ

المعجم الصغیر	*****	امام طبرانیؒ
فتح الباری	*****	ابن حجر عسقلانیؒ
اخبار مکہ	*****	امام فاکہیؒ
الکفایہ فی العلم الراویہ	*****	خطیب بغدادیؒ
التمہید	*****	ابن عبدالبرؒ
الثقات	*****	ابن حبانؒ
سبل الہدیٰ والرشاد	*****	امام صالحیؒ
المنصف	*****	ابن ابی شیبہؒ
شرح مسلم	*****	امام نوویؒ
شمائل الرسول	*****	امام ابن کثیرؒ

صفوۃ الصفوۃ	*****	ابن جوزیؒ
امتاع الاسماع	*****	امام طبرانی
میزان الاعتدال	*****	امام ذہبیؒ
الاستیعا ب	*****	ابن عبدالبرؒ
التفسیر الکبیر	*****	امام رازیؒ
کتاب الزہد	*****	ابن مبارکؒ
السنن	*****	دارمیؒ
الآحاد ولمثانی	*****	امام شیبانیؒ
المسند	*****	ابن جعدؒ
السنن الکبریٰ	*****	امام نسائیؒ

تہذیب الکمال	*****	امام مزیؒ
المسند	*****	اسحاق بن راہویہؒ
تہذیب الاسماء	*****	امام نوویؒ
الاصابہ	*****	ابن حجر عسقلانیؒ
الریاض النضرۃ	*****	امام زرقانیؒ
شرح المؤطا	*****	طبرانیؒ
معجم الاوسط	*****	عبدالرزاقؒ
الادب المفرد	*****	امام بخاریؒ
لسان المیزان	*****	ابن حجر عسقلانیؒ
تذکرۃ الحفاظ	*****	امام ذہبیؒ

المسند	*****	ابوعوانہؒ
مسلمانوں کاہزارسالہ اقتدار	*****	پروفیسرارشد جاوید
رسول اکرمﷺ کی سیاسی زندگی	*****	ڈاکٹرحمیداللہؒ
قرآن اورجدیدسائنس	*****	ڈاکٹرحشمت جاہؒ
رسول عربی اورعصرجدید	*****	سیّدمحمداسماعیلؒ
علم کی اسلامی تشکیل	*****	خورشیداحمدندیم
میزان	*****	جاویداحمدغامدی
شرح الشفا	*****	ملاعلی قاریؒ
تاریخ الخمیس	*****	دیاربکریؒ
الایمان	*****	ابن مندہؒ

السنن ***** ابن ماجہؒ

ترکۃ النبیؐ ***** ابواسماعیل بغدادیؒ

الرسولؐ ***** عبدالحلیم محمودؒ

روح المعانی ***** علامہ محمود شکری آلوسیؒ

قیامت اور جدید سائنس ***** ڈاکٹر حشمت جاہؒ

الدیباج ***** امام سیوطیؒ

مکارم اخلاق ***** ابن ابی الدنیاؒ

السنن الکبریٰ ***** امام بیہقیؒ

الخصائص الکبریٰ ***** امام سیوطیؒ

المسند ***** امام احمد بن حنبلؒ

الطبقات ***** ابن خیاطؒ

الجامع الصحیح ***** امام ترمذی

السنن ***** ابوداؤدؒ

شرح معنی الآثار ***** امام طحاویؒ

مجمع الزوائد ***** ہیثمیؒ

فیض القدیر ***** مناویؒ

الترغیب والترہیب ***** منذریؒ

مشکل الآثار ***** امام طحاویؒ

اسلامی ریاست ***** پروفیسر خورشید احمدؒ

کیمیائے سعادت ***** امام غزالیؒ

البیان فی التفسیر القران ***** ابن جریر طبریؒ

مشکوۃ المصابیح ***** الخطیبؒ

الجوامع السیاسیہ ***** امام ابن تیمیہؒ

بیان العلم و فضلی ***** ابن عبد البرؒ

تاریخ السلامی السیاسی ***** حسن ابراہیم الدکتورؒ

النظم الاسلامیہ ***** حسن ابراہیم الدکتورؒ

کتاب الخراج ***** الامام ابو یوسفؒ

تحفۃ الاشراف ***** المزیؒ

حسن المحاضرۃ ***** امام سیوطیؒ

مقائس اللغۃ ***** ابن فارسؒ

اعلام الموقین	*****	ابن قیمؒ
سنن الدارمی	*****	الدارمیؒ
الزہد	*****	امام احمد بن حنبلؒ
تفسیر ابن کثیر	*****	از ابن کثیرؒ
تاریخ الکامل	*****	ابن اثیرؒ
فتوح البلدان	*****	امام بلازریؒ
المذاہب الاربعہ	*****	عبدالرحمانؒ
کتاب النوبیہ	*****	ابن ہشامؒ
عیون الاخبار	*****	ابن قتیبہؒ
شذرات الذہب	*****	ابن عمادؒ

الشفاء	*****	قاضی عیاضؒ
غریب الحدیث	*****	امام ابن اثیرؒ
وفا الوفا	*****	امام سمہودیؒ
کتاب الاصنام	*****	ابن قتیبہ
لسان العرب	*****	ابن منظورؒ
الرسول القائد	*****	خطاب محمود شیثؒ
البدر الطالع	*****	امام شوکانیؒ
الاداب	*****	امام بیہقیؒ
دلائل النبوۃ	*****	ابن ندیمؒ
الشمائل	*****	امام ترمذیؒ

المنار	*****	رضا رشیدؒ
علم الراویہ	*****	خطیب بغدادیؒ
السنۃ قبل التدوین	*****	خطیب العجاجؒ
الکشاف	*****	زمخشریؒ
مسند الفردوس	*****	دیلمیؒ
معجم الکبیر	*****	طبرانیؒ
تفسیر در منشور	*****	امام جلال الدین سیوطیؒ
المبسوط	*****	شمس الائمہؒ
المراسیل	*****	سجستانیؒ
غریب الحدیث	*****	خطابیؒ

صحیح ابن حبان	*****	از ابن حبانؒ
عمل الیوم ولیلۃ	*****	للنسائیؒ
تاریخ الادب الجاہلی	*****	شوقی ضیف الدکتورؒ
مفتاح الجنۃ	*****	امام سیوطیؒ
علوم الحدیث	*****	صبحی صالحیؒ
شرح معانی الاثار	*****	امام الطحاویؒ
تاریخ الادب الاسلامی	*****	شوقی ضیف الدکتورؒ
شرح مسلم	*****	شبیر احمد عثمانیؒ
فلسفہ التشریخ فی الاسلم	*****	صبحی صالحیؒ
الاحدیث المشھرہ	*****	شمس الدین سخاویؒ

صحیح ابن حبان	*****	از ابن حبانؒ
عمل الیوم ولیلۃ	*****	للنسائیؒ
تاریخ الادب الجاہلی	*****	شوقی ضیف الدکتورؒ
مفتاح الجنۃ	*****	امام سیوطیؒ
علوم الحدیث	*****	صبحی صالحیؒ
شرح معانی الاثار	*****	امام الطحاویؒ
تاریخ الادب الاسلامی	*****	شوقی ضیف الدکتورؒ
شرح مسلم	*****	شبیر احمد عثمانیؒ
فلسفہ التشریخ فی الاسلم	*****	صبحی صالحیؒ
الاحدیث المہشر ہ	*****	شمس الدین سخاویؒ

حدیث دفاع	*****	میجر جنرل اکبر خانؒ
اسلامی طریق جنگ	*****	میجر جنرل اکبر خانؒ
الفیض القدیر	*****	المناویؒ
الکامل فی الضعفاء	*****	ابن عدیؒ
محاسن التاویل	*****	قاسمی جمال الدینؒ
مسلمانوں کا نظم مملکت	*****	حسن ابراہیمؒ
سود	*****	سیّد مودودیؒ
حیات محمدؐ	*****	محمد حسنین ہیکلؒ
الوثائق الساسیہ	*****	ڈاکٹر حمید اللہؒ
تجدید احیائے دین	*****	سیّد مودودیؒ

الاحکام القرآن	*****	محمد بن احمد قرطبیؒ
مسلم نشاۃ ثانیہ	*****	ڈاکٹر محمد امین
مسلمان اور سائنس کی تحقیق	*****	حبیب احمد صدیقیؒ
نامور مسلمان سائنس دان	*****	حمید عسکریؒ
نظام الحکومت نبویہ	*****	شیخ عبدالحیؒ
الاسلام والحضاوۃ العربیہ	*****	کرد علیؒ
سائنس وطب میں مسلمانوں کا عروج	*****	حفیظ الرحمٰن صدیقیؒ
فیض الباری	*****	محمد انور شاہؒ
سو مسلم سائنس دان	*****	رفیق انجمؒ
شاندار سائنسی کارنامے	*****	زکریا ورقؒ

تخریج الحدیث	*****	مولانا محمد سعیدؒ
سنت کا تشریحی مقام	*****	محمد ادریس میرٹھیؒ
احادیث الموضوعہ	*****	ملا علی قاریؒ
ترجمان القرآن	*****	مولانا ابوالکلام آزادؒ
رسول عربیؐ	*****	مولانا ابوالکلام آزادؒ
رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی	*****	ڈاکٹر حمید اللہؒ
منصب امامت	*****	شاہ اسماعیل شہیدؒ
یورپ پر اسلام کے احسانات	*****	غلام جیلانی برقؒ
حسنت جمیع خصالہ	*****	طالب ہاشمیؒ
دعوت دین اور اس طریق کار	*****	امین احسن اصلاحیؒ

فی ظلال القرآن	*****	سیّد قطب شہید ؒ
احسن التفاسیر	*****	احمد حسن دہلوی ؒ
قصص الانبیاء	*****	محمد حفظ الرحمٰن ؒ
مدارج النبوہ	*****	معین فراحی ؒ
سیرت الرسول	*****	محمد بن عبد الواہاب ؒ
الرحیق المختوم	*****	صفی الرحمان مبارک پوری ؒ
محمد عربیؐ	*****	محمد احمد برانق ؒ
اسلامی ریاست	*****	امین احسن اصلاحی ؒ
ترجمان السنۃ	*****	بدر عالم میرٹھی ؒ
اسلام کا معاشرتی نظام	*****	خالد علوی ؒ

اسلام کا سیاسی نظام	*****	محمد اسحٰق سندیلوی ؒ
تفہیمات	*****	سیّد مودودیؒ
سیرت نبویؐ	*****	ڈاکٹر مصطفیٰ صباحیؒ
پیغمبر انسانیت	*****	شاہ محمد جعفر پھلواریؒ
سیرت رسول عربی	*****	علامہ نور بخش توکلیؒ
خطبات مدارس	*****	سید سلیمان ندویؒ
عہد نبوی نظام حکمرانی	*****	ڈاکٹر حمید اللہؒ
سیرۃ المصطفیٰؐ	*****	محمد ادریس کاندھلویؒ
تاجدار دو عالمؐ	*****	عزائم عبد الرحمانؒ
اسلام کا اقتصادی نظام	*****	حفظ الرحمٰنؒ

معجزات سرورکونین ***** طالب ہاشمیؒ

ارشادات دانائے کونین ***** طالب ہاشمیؒ

منصب امامت ***** طالب ہاشمیؒ

اخلاق پیغمبری ***** طالب ہاشمیؒ

معارف الحدیث ***** محمد منظور نعمانیؒ

فصاحت نبوی ***** ڈاکٹر ظہور احمد اظہرؒ

رہبر کامل ***** مولانا عبدالمجید خادمؒ

اسوہ رسول اکرمؐ ***** ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ

اخلاق نبوی ***** سیّد محمد اسحاقؒ

نبی رحمت ***** سیّد ابوالحسن ندویؒ

محمد رسولؐ اللہ	*****	شیخ محمد رضا مصریؒ
محمد رسول اللہ ﷺ	*****	توفیق الحکم
پیغمبر انقلاب	*****	مولانا وحید الدین خانؒ
عبقریت محمدؐ	*****	عباس محمود العقادؒ
نبی اکرمؐ کی معاشی زندگی	*****	ڈاکٹر نور محمد غفاریؒ
خاندان نبوت	*****	محمد ادریسؒ
معرکہ اسلام اور جاہلیت	*****	صدر الدین اصلاحیؒ
مغازی رسولؐ	*****	حضرت عروہ بن زبیرؓ
تاریخ مکہ	*****	منظور احمد شاہؒ
منصب نبوت	*****	سیّد ابوالحسن ندویؒ

شمائل کبری	*****	عبدالحکیم خانؒ
سیرۃ اکبریٰ	*****	مولانا ابوالقاسمؒ
راہ عمل	*****	مولانا جلیل احسنؒ
زادراہ	*****	مولانا جلیل احسنؒ
وفودعرب	*****	طالب ہاشمیؒ
سیرت سیّدہ فاطمہؓ	*****	طالب ہاشمی
معارف القرآن	*****	مفتی محمد شفیعؒ
ترجمہ قرآن	*****	سیّدابوالاعلیٰ مودودی ؒ
البستان	*****	واثق باللہ
کتاب السماء ولغات	*****	امام نووی

محمد رسول اللہؐ	*****	محمد صادق ابراہیمؒ
رسول مبینؐ	*****	محمد احسان الحق سلیمانیؒ
سیرت محمدیؐ	*****	سرسید احمد خانؒ
سیرت سرورکونینؒ	*****	سیّد ابوالاعلی مودودیؒ

WESTERN AUTHORS.

Dalbeer...Mater ,Eather,Motion.

J.G.Freezer... Man God and Immortalilty.

S. Hussan Naser... Islamic Science.

J.Heksely... Religion Without Revolation.

Philps Hitty... History of Arabs.

Springler...Fall of west.

Carbin... EN Iranien Islam.

Sir jamees jeen...Modren Islimic Thought.

Johan Wellosan...Philosophy of Reilgion.

R.I.Gulick..Muhammad The educator.

Cob..Islamic Contribution to word culture.

Briffault...The making of Humanity.

Bosworth... The Lagacy of Islam.

S, Charles Darwen...Origion of Species.

Mont Watt...History of Islamic Spain.

B.Russal...The Conquest of Happiness

Michael H Hart... The 100

M,White...The limitaaions of Sciens

Ameer Ali... The Spirit of Islam.

Edendton...The age of analysis.

James jeans...The Mysterious Univers.

Hanes Berg...Modren scientefec thought.

W Back...Modern Science & natur Life.

Zohansicy...Gentic and origen of Species.

Karal Marx...Das Kapital.

Lebon...The Erab Civilazation.

Genetic Code .... Issaac Asimov.

Trawleing...History of Religion.

B, Russiall History of civiliazation.

Freud... Toam and Tabuos.

Freud....Pleasure thinking.

Robert Semith....Religion of Erabs.

well deurant...The age of faith.

Walteare...The History of China.

Freud...His Dream & Sex Theories.

Pierre Lecomde... Human Destiny.

Pro, Brian..New Horizons in Psychology.

P.Nik... Fondamentals of Politics.

Glance at Historical Materialism.ASpirken.

Pro, Hageel... Wonder Of Life

Dr. Hehoom... Human Understanding.

Fraied.... Totam and Taboos

Fried.....Pleasure Thinking

Robert Smith...Religion of the semites.

RussallBurtrand ...The Conquest of Happiness.

JOHAN WILLSON ...Philosophy and Religion

Tyndall...Matter and Motion.

MORTEN WHITE....The Limitations of Science.

ARUTHOR ENDEKTAN...The age of Analysis

Sir Jameus Jeens...Modren Scitefic Thought.

Dob Zohans..Genetic and The origin of species.

Raney Grew...Civilization of the east.

Sir Leonard Woolley...Abraham.

Freazer...The Golden Bough.

Edward Mc Nall.... Westren Civilization.

Breufalt.... The Making of Humanity.

Dr, Dedat ... The Ultimate Miracle.

A. Curte...Discover Behind The iron Curtain.

Dr,Harwey Day...The Hidden Power of vibration.

Russal...History of Westren Philosophy.

Jon Stevens... Secred Calligraphy of east.

Dr,simith... Divin Origin.

B Russal...History of Arebs.

Dr,Zafar, Towards understandin Qurran.

DR, mir Aneesudin... The Holly Quran.

Dr M Taqi... The Noble Quran.

Asimov... Exploring the earth and cosmos.

S,Hawhing...A Brief History of Time.

Al,Gore ... Erth in Balance.

J.Sylvester... The Gene Age.

R.Hill.... Physical Methalogy.

David Burine... Micro Life.

STephen Jay Gold... The Panda Thumb.

Rachel Carson... Silent Spring.

Mir,Steween... Geodetic Survey.

J.Parker ... Erth Sciences.

Aavagardo.... Water Realities.

Lyantan Keith...Between Two Words.

Allan Baratan...Recovery and Recycil.

Oliver Owen... Natural Conservations.

A.J.Longly....Environment of Technology.

Richard Wedford....Envionmetel Management

Robert Raymond...Out of Fiery.

P.R.Trevidi....Energy Resources.

Dr.Shafi Hader... Four Tools for a Musilm.

Dr.Shafi Hader... Scince in Quraan.

M.A.Qazi.... Quranic Concept.

A.Ryabchikov....Changing Face of earth.

Dr.Shafi Hader... Deep Thinking.

S.Manzoor...Scientific Significance in Quraan.

Dr.Shafi Hader...Quraan and Miracle Life.

Dr.Shafi Hader...Quraan and Fate of Cosmos.

Muhammad Shihabuddin nadvi... Cloning.

Syed Mubarak... Quranic Phlosephy.

Ellisow Hawks...Mysteries Of Science.

E.L.Abel... Moon Madnes.

Abdul Mobin Khan... Basic Immunology.

Dr.Shafi Hader...Creation Of Life.

Dr.Shafi Hader...Creation Of Universe.

Barnaby Rogerson... The Prophet Muhammad

Ingird Mattson.... The Study of Qurran.

Dr, Mohammad Rana... History of Islam.

Adrinne Jansen... Asian Face Of Islam.

Thomos C,... Years of Innovation.

Erich.V, ... Miracles Of God.

I.A. Ibrahim... Understanding Islam.

Dr,Kazmi ...Guinness Concept.

Dr.Shafi Hader..Quraan and Quality Concepts

Judit Bower...Enviromental Systems.

Syed Mubarak...Quranic Therapy.

Shah Manzoor... Quranic Verses.

B.Person...History of Prophet Mohammad.